حضرت ابوطالب علیہ السلام

نبی تھے یا وصی

تحقیق و تالیف

سیّد ماجد رضا عابدی

کتاب : حضرت ابوطالبؑ نبی تھے یا وصی

تصنیف : سید ماجد رضا عابدی

کمپوزنگ : مجاہد حسین حر 0345-2401125

اشاعت : نومبر ۲۰۱۱ء

طابع : سید غلام اکبر

ٹائٹل : علمدار رضوی

تعداد : 500

قیمت : 350روپے

﴿کتاب ملنے کا پتہ﴾

محفوظ بک ایجنسی
امام بارگاہ شاہِ نجف مارٹن روڈ
کراچی

سمانہ آفتاب میموریل فاؤنڈیشن
A-32 رحمان ولاز نزد موسمیات
کراچی

انتساب

جناب فاطمہؑ بنت عمرو بن عائذ (والدۂ حضرت ابوطالبؑ)

جناب عبدالمطلبؑ بن ہاشمؑ بن عبدالمناف (والدِ حضرت ابوطالبؑ)

جناب علیِ مرتضیٰؑ (پسرِ حضرت ابوطالبؑ)

جناب فاطمہؑ بنت اسد (زوجۂ حضرت ابوطالبؑ)

اور

سرکار قائمِ آلِ محمد عجل اللہ فرجہٗ الشریف

جو حضرت ابوطالبؑ کے پوتے ہیں۔

شجرۂ حضرت ابوطالب علیہ السلام
ابوطالبؑ
عبدالمطلبؑ
ہاشمؑ
عبدمناف
قصیؑ
کلاب
مرہ
کعب
لوئی
غالب
فہر
مالک
نضر
کنانہ
خزیمہ
مدرکہ
الیاس
مضر
نزار
معد
عدنان
ادّ
اود
ہمیسع
سلامان
نبت
حمل
قیدار
اسماعیلؑ
ابراہیمؑ
تارخ
ناخور
شاروخ
ارغو
قانع
عابر (ہودؑ)
شالخ
ارفخشد
سام
نوح
لمک
متوشلخ
اخنوخ
یارد
مہلائیل
قینان
انوش
شیث
آدم

فہرست

پیش لفظ	17
آغاز	19
میرے (علیؑ) کے بابا وصی تھے	21
ہدایت من اللہ ہوتی ہے	23
زمین سات مسلمانوں سے کبھی خالی نہیں رہی	24
دین عبدالمطلبؑ	27
عبدالمطلبؑ اور غارِ حرا	28
حضرت عبدالمطلبؑ کے محاسن اور فضائل	29
حضرت عبدالمطلبؑ کو نورِ انبیا عطا کیا جائے گا	30
عبدالمطلب عقیدۂ توحید پر تھے	30
قرآن میں ذکرِ نبوّت	33
ایک موجودہ نبی کا دوسرے موجود نبی پر ایمان لانا۔	34
نبوت اور کتاب آل ابراہیم سے مخصوص کردی گئی	41
نبی کا قول کسی شیطان کا قول نہیں	41
نبی مومنین کی جان و مال پر خود ان سے زیادہ اختیار رکھتے ہیں	41
تعریف نبی	41
انبیاء کی بعثت	43
فرائضِ نبوّت	45
قرآن میں تمام انبیاء کے حالات مذکور نہیں۔	46
حضرت شیثؑ (نبی) تقیہ میں رہے۔	48

انبیاء کی تعداد	49
کچھ انبیاء نے اپنے کو مخفی رکھا۔	50
نبیؑ اور رسولؑ و محدث کا فرق	51
طبقات انبیاء و رسل و آئمہ	55
اوصیائے انبیا	57
انبیاء جو ایک ہی عہد میں مبعوث ہوئے	58
وحی کہاں سے آتی ہے	59
وحی اور علیؑ	61
نبی کی اقسام	62
انبیاء کی تعداد	65
انبیاء و مرسلین کی اقسام	66
دیوانِ ابوطالب صحیفۂ آسمانی	67
مقصودِ کلمہ و صاحبانِ کلمہ نبوت	67
علم یا اخبار کی بنیاد و ماخذ اور سند کتاب ہے	69
ا۔توریت	69
۲۔زبور	69
۳۔انجیل	69
۴۔قرآن	69
زمین حجت خدا سے خالی نہیں رہتی	69
اللہ کسی دور میں شیطان کو آزاد نہیں چھوڑتا	73
حضرت عیسیٰؑ سے پیغمبر تک	75
نمائندہ الٰہی نہ ہو تو؟	76

قرآنی دلیل۔	77
ابوطالبؑ اور تصدیقِ نبوّت	79
انبیاءؑ سے خدائی عہد و پیمان	79
ہر نبی سے ایک ہی وعدہ	80
میثاق کس کے لئے	80
اقرار و عہد کی وضاحت	81
انبیاءؑ کی عصمت	82
عصمت انبیاءؑ کی ایک اور دلیل	84
اجدادِ نبیؐ عبادت گذار تھے	85
عصمت انبیاءؑ کے اثبات پر ایک قرآنی بیان!	88
نبی نہ ہو تو اللہ کی حجت قائم نہ ہو	88
وصی اور وصایت	91
تورات و انجیل میں اوصیاء کے حالات	95
قرآن مجید میں انبیاء اور اوصیاء کے نام	97
تبرکاتِ انبیا اور منتقلی وراثت۔	98
دو رسولوں کے درمیان سب انبیا۔	102
انبیا کی نبوّت کا حدودِ اربعہ	108
اجدادِ رسولؐ (ابن آدمؑ سے خاتمؐ تک) اور خصائلِ نبوّت	109
۲۔ حضرت شیث علیہ السلام	109
۳۔ انوش	109
۴۔ قینان	110
۵۔ مہلائیل یا بروصلائیل	110

۶۔یارد	110
۷۔اخنوع یا اخنوخ (ادریس)	110
۸۔متوشلخ	111
۹۔لمک یا لامک	111
۱۰۔عبدالعلی ملقب حضرت نوح علیہ السلام نجی اللہ	111
۱۱۔سام بن حضرت نوح علیہ السلام نجی اللہ	114
۱۲۔ارفخشد	114
۱۳۔شالخ یا سلخ	115
۱۴۔عابر معروف حضرت ہود علیہ السلام	115
۱۵۔قانع یا فالخ	116
۱۶۔ارغو یا ارعو	116
۱۷۔شاروخ یا شارغ	116
۱۸۔ناخور یا ناحور	116
۱۹۔تارخ	116
۲۰۔حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام	117
۲۱۔حضرت اسمٰعیلؑ	121
۲۲۔قیدار	122
۲۳۔حمل یا حمد	123
۲۴۔نبت یا نابت	124
۲۵۔سلامان یا سلاما	124
۲۶۔ہمیسع یا الیسع	124
۲۷۔اود یا اوز	124

۲۸۔اُدّ	124
۲۹۔عدنان	124
۳۰۔معد	127
۳۱۔نزار	128
۳۲۔مضر	129
۳۳۔الیاس	130
۳۴۔عمرو بلقب مدرکہ	132
۳۵۔خزیمہ	133
۳۶۔کنانہ	133
۳۷۔نضر ملقب قریش	134
۳۸۔مالک	135
۳۹۔فہر ملقب عامر	136
۴۰۔غالب	137
۴۱۔لوئی	137
۴۲۔کعب	138
۴۳۔مرّہ	139
۴۴۔کلاب	139
۴۵۔قصیٰ یا قُصیٰ	140
۴۶۔عبدمناف ملقب مغیرہ	144
۴۷۔حضرت ہاشم (عمرو)	144
مختصر جائزہ از آدم علیہ السلام تا خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	146
آنحضرتؐ کے نور مبارک کی خلقت اور نور کا سفر	147

پیغمبروں سے کیا عہد لیا گیا	149
نبی آخرؐ کے باپ دادا	151
اسلافِ رسولؐ	154
بنی ہاشم	155
اجدادِ رسولؐ کی نورانیت، رُوحانیت اور ربط اِلی اللہ	155
حضرت ہاشمؑ تبرکات انبیا کے وارث	156
حضرت ہاشم پر خواب کے ذریعے وحی اور تعبیر	157
عقدِ جناب ہاشمؑ	160
خطبۂ عقدِ حضرتِ ہاشم	161
حضورؐ کے اجداد غیبی آواز سنتے تھے	163
جناب مطلب وصی بنادیے گئے	163
۴۸۔ جناب عبدالمطلبؑ ملقب بہ شیبۃ الحمد	166
وجہِ تسمیہ عبدالمطلب اور ورودِ مکہ کی نورانی کہانی	166
جناب عبدالمطلبؑ کا سجدہ	169
حضورؐ کے آباؤ اجداد مسلمان اور اوصیائے ابراہیمؑ تھے	171
عبدالمطلب ایک اُمت	172
حضرت عبدالمطلبؑ کی قائم کردہ سنتیں اور شریعت اسلامی	173
مسندِ عبدالمطلبؑ	174
۴۹۔ حضرت عبداللہؑ	175
کاہن سے مشورہ کیوں؟	176
حضرت عبداللہؑ اور امدادِ غیبی	177
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دنیا میں ظہورِ پُرنور	177

آنحضرتؐ ابوطالبؑ کی سرپرستی میں	178
حضرت عمران کنیت ابوطالبؑ	179
ابوطالبؑ سے حسد	187
آبائے رسولؐ متولیانِ کعبہ اور امام بھی تھے	189
وراثت ابراہیمیؑ کی منتقلی۔	191
امامت نسلِ اسمٰعیل علیہ السلام کے لئے	198
مامور من اللہ امام ہی امت مسلمہ، خیر امت اور امت وسطا کی حیثیت رکھتا ہے۔	199
نسلِ اسماعیلؑ کی کعبے سے ہجرت اور واپسی	209
مکہ کی حالت	214
حضرت ابوطالبؑ اپنے دور میں عالمِ کتاب تھے	220
ابوطالبؑ مصداقِ آیات	223
حضرت ابواطالبؑ کے وارث حضرت علی علیہ السلام	224
دورِ فترت اور حضرت ابوطالب علیہ السلام	227
ا۔ عقائد و سیرت و اخلاقِ اجداد کا عملی مظاہرہ، تحفظ اور تسلسل	228
۲۔ تبرکات انبیا کا تحفظ اور منتقلی	232
۳۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام اور اعلان ذریت ابراہیمؑ	242
خطبۂ عقدِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	244
(کلام) صحیفۂ ابوطالبؑ میں حضورؐ کا تعارف یا خبر	246
حاملِ الہام ابوطالبؑ کے صحیفے میں قرآنی الفاظ کی مماثلت	254
قصص انبیا ہم تک کیسے پہنچے	256
کلام ابوطالبؑ میں ارکان حج کی تفصیل	258
اظہار ایمان اور کتم ایمان (تقیہ)	259

ایمان چھپانا (تقیہ) اور قرآن وحدیث	262
مومن آل فرعون اور حضرت آسیہؑ	263
حضرت ابو طالبؑ نے اپنے منصب کا تقیہ کیا ایمان کا نہیں	266
غیروں کی روایت پر بھروسہ کیوں کریں؟	267
جھوٹی روایت جھوٹے روای	269
ان راویان احادیث پر تنقید اور تبصرہ	275
(۱) اسحٰق ابن ابراہیم	275
(۲) عبدالرزاق	276
(۳) معمر	276
(۴) زہری	277
(۵) صالح	278
(۶) مسیب	278
بخاری کی یہ روایت قابلِ حجت نہیں	280
(۷) سعید ابن مسیب	281
مذکورہ آیت کب نازل ہوئی	282
بخاری اور مسلم	283
یہ آیت اُسی وقت نازل ہوگئی	283
زادالمسیر فی علم التفسیر (ابن جوزی)	285
یہ آیت چند یوم بعد نازل ہوئی	286
طبقات ابن سعد، دُرِّ منثور، فتح البیان	286
یہ آیت دوبار نازل نہیں ہوئی	287
الاتقان (سیوطی)	287

یہ آیت دس بارہ سال بعد نازل ہوئی	289
(۱) تفسیر کشاف	289
(۲) تفسیر قرطبی	290
(۳) تفسیر مراحِ لبید	290
(۴) تفسیر روح البیان	291
(۵) تفسیر کبیر	291
(۶) کمالین علی الجلالین	292
(۷) روح المعانی	292
(۸) الروض الانف (السہیلی)	293
(۹) اسنی المطالب (قاضی دحلان مکی)	294
(۱۰) ارشاد الساری، شرح بخاری (امام قسطلانی)	294
ایمان ابوطالبؑ درنگاہ ائمہ معصومین علیہم السلام	296
حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں فرمان امام حسینؑ	297
ابوطالبؑ نور الانوار	297
حضرت امام سیّد الساجدین زین العابدینؑ	298
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام	299
حضرت امام رضاؑ	300
امام حسن عسکریؑ	300
علمائے اہل سنت اور حضرت ابوطالب علیہ السلام	302
امام جلال الدین سیوطی اور ایمان ابوطالبؑ	302
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دسترخوان ابوطالبؑ پر	302
ذوقِ نعمت	303

تصدیق کرامت	303
شام کا سفر	303
وسیلہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا	304
ان کی اطاعت میں بڑی برکت ملے گی	305
حدیث مرفوع	305
امام عبدالوہاب شعرانی اور ایمان ابوطالبؑ	305
حرف آخر، کشف الغمہ	306
علامہ شبلنجی اور ایمان ابوطالبؑ	307
امام ابن حجر مکی اور ایمان ابوطالبؑ	309
علامہ اسماعیل حقی صاحب تفسیر روح البیان	310
امام رازی صاحب تفسیر کبیر	310
علامہ ابن حجر عسقلانی اور کردار ایمان ابوطالبؑ	311
اعتراف مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	312
زور شمشیر	313
علامہ محمد نووی	313
صاحب تفسیر نووی اور ایمان ابوطالبؑ	313
حافظ ابونعیم اصبہانی اور کردار و ایمان ابوطالبؑ	314
دلائل النبوۃ کا تعارف	314
جشن ولادت	314
امر کفالت	315
ابوطالبؑ اور انتظار رسولؐ	316
کبھی الگ نہیں کروں گا	317

شام سے واپسی اور شباب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	317
صرف ایک بات	318
علامہ قاضی دحلان مکی اور ایمان ابوطالب	318
کیوں ایمان چھپایا تھا	318
خطبۂ توحید	319
حلف وفاداری، اصل ایمان	320
کبھی جھوٹ نہیں بولا	320
روایات ابوطالبؑ	321
امام یوسف بن اسمٰعیل نبہانی	322
حافظ محمد برخوردار محشی نبراس اور ایمان ابوطالب	322
قصیدہ درشان ابی طالب رضی اللہ عنہ	324
قصیدہ بحضور ابی طالب رضی اللہ عنہ	325
ترجمہ اشعار علامہ نبہانی	326
مؤرخ اسلام علامہ شبلی	327
علامہ محمد سلیمان حنفی قندوزی اور ایمان ابوطالبؓ	328
ماحصل۔	328
کتابیات	330
مرثیہ: درحال ابوطالب علیہ السلام	333

حضرت ابو طالب علیہ السلام پر ایک اجمالی نظر

ولادت: ۵۴۰ء

دادا: حضرت ہاشمؑ ابن حضرت عبد منافؑ

دادی: حضرت سلمیٰؑ بنت عمرو (بنی نجار)

والد: حضرت عبد المطلبؑ بن حضرت ہاشمؑ

والدہ: حضرت فاطمہؑ بنت عمرو مخزومیہ

زوجہ: حضرت فاطمہؑ بنت اسد

بیٹے: حضرت طالبؑ، حضرت عقیلؑ،
حضرت جعفرؑ، حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام

بیٹیاں: جناب ام ہانیؑ، جناب جمانہؑ، جناب اسماءؑ،

وفات: ۶۲۰ء

پیش لفظ

اکثر تاریخ لکھنے والوں نے جو کھیلے بازیاں کی ہیں ان کی نشان دہی کرتے کرتے چودہ سو برس ہو گئے لیکن آج تک نہ باطل رکا اور نہ حق نے شکست مانی کیونکہ حق کا کام ہی باطل کو شکست دینا ہے۔ تاریخ کے ان ہی کھیلوں میں ایک بحث ایمان ابوطالبؑ ہے۔ اس موضوع کے حوالے سے ردّ و قبول میں مسلسل مضامین اور مکمل کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب بھی احقاق حق اور ابطالِ باطل کے اسی درخت کی ایک مضبوط شاخ کی حیثیت سے پیش کی جا رہی ہے۔ میں نے مطالعاتی دورے کے دوران مختلف کتابوں میں بحثیں پڑھیں اور محبت و بغض کے حوالے سے حضرت ابوطالبؑ پر گفتگو پڑھی تو اکثر اپنی تقاریر میں ان کا ذکر بھی کیا اور پھر خیال آیا کہ کیوں نہ ایک مستقل کتاب ترتیب دی جائے جس میں اس موضوع پر گفتگو کی جائے جب اس ضمن میں مختلف حوالہ جاتی کتب کا رُخ کیا تو معاملہ ہی برعکس نکلا اور گویا ذہن پر القا ہوا کہ ایمانِ ابوطالبؑ کی بحث تو ہر طریقے سے مکمل ہے اور ایمانِ ابوطالبؑ تاریخی آثار و قرائن سے ثابت شدہ ہے لیکن کردارِ ابوطالبؑ، الہامِ ابوطالبؑ، اخلاقِ ابوطالبؑ، جمالِ ابوطالبؑ، شمائلِ ابوطالبؑ، نطقِ ابوطالبؑ، کلامِ ابوطالبؑ، فکرِ ابوطالبؑ، ذکرِ ابوطالبؑ، عقیدۂ ابوطالبؑ، عملِ ابوطالبؑ، میراثِ ابوطالبؑ، اولادِ ابوطالبؑ، اجدادِ ابوطالبؑ ماحصل یہ کہ سوانح ابوطالبؑ اس بات کا پکار پکار کر اعلان کر رہی ہے کہ اب بحث اس پر نہیں ہونا چاہئے کہ ابوطالبؑ مومن تھے یا کافر بلکہ اب

بحث اس نکتے پر ہونا چاہیے کہ ابوطالبؑ نبی تھے، وصی تھے یا امام تھے۔ چنانچہ ہم نے اپنی تحقیقی تالیف میں بحث کا ایک نیا دروازہ کھولا ہے اور منصب ابوطالبؑ پر گفتگو کی ہے۔ آیئے آپ بھی ہمارے ساتھ اس گفتگو کا حصہ بن جائیے۔ گفتگو کے آغاز سے پہلے حضرت ابوطالبؑ کی مدح وثنا کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں:

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ (سورۂ رعد:۳۱)

یہی وہ قرآن ہے جس (کے علم) سے پہاڑوں کو اپنی جگہ سے چلایا جا سکے، یا زمین طے کی جا سکے یا مُردوں سے کلام کیا جا سکے بلکہ تمام اُمور اللہ کے لئے ہیں۔

ہر ایک کام خدا کا جو ممکنات میں ہے
یہ بات مولا علیؑ کے عجائبات میں ہے
نصیریوں سے یہ کہہ دو اگر خدا ہے علیؑ
تو یہ خدا ابوطالبؑ کے معجزات میں ہے

سید ماجد رضا عابدی

آغاز

سرکار ختمی مرتبت، مقصود کائنات، محبوب خدا، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وصی اور خدا کے ولی حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

من احب ان ینظر إلی اسرافیل فِی هیبته وَإلی میکائیل فِی رتبته وَالی جبرئیل فِی جلالته وَالی آدم فِی سلمه وَالی نوح فِی خشیته وَالی ابراهیم فِی خلّته وَإلی یعقوب فِی حزنه وَالی یوسف فِی جماله وَالی موسیٰ فِی مناجاته وَالی ایوب فِی صبره وَالی یحییٰ فِی زهده وَإلی عیسیٰ فِی سنته وَإلی یونس فِی ورعه وَإلی محمدٍ فِی حسبه وخُلقه فالینظر الی علیٍّ فان فیه تسعین خصلةً من خصال الانبیاء جمع الله فیه ولم یجمع احدًا غیرهٗ.

جو کوئی اس بات کو دوست رکھے کہ اسرافیل کو ان کی ہیبت میں، میکائیل کو ان کے مرتبے میں، اور جبرئیل کو ان کی بزرگی میں، اور آدم کو ان کے اسلام کی درستی میں، صلح جوئی میں، اور نوح کو ان کے اللہ سے ڈرنے میں اور ابراہیم کو ان کی دوستیٔ خدا میں، اور یعقوب کو ان کے اندوہ وحزن میں، اور یوسف کو ان کے حسن میں، اور موسیٰ کو ان کی راز گوئی میں، اور ایوب کو ان کے صبر میں، اور یحییٰ کو ان کی زہد میں، اور عیسیٰ کو ان کی عبادت اور سنت میں، اور یونس کو ان کی پرہیزگاری میں، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی بزرگی حسب اور اخلاق کی بلندی میں دیکھے، پس وہ دیکھے علی ابن ابی طالبؑ کو

کیونکہ ان (علیؑ) میں پیغمبروں کی نوے (90) خصلتیں موجود ہیں
جو خداتعالیٰ نے ان میں جمع کی ہیں اور ان کے سوا کسی اور میں نہیں۔

(ہدایت السعداء، جواہر الاخبار، کوکب دری)

حدیث رسولؐ ہے کہ انسان کے جسم میں نوے (90) رگیں ایسی ہوتی ہیں کہ ہر رگ اس کے ننھیالی اور ددھیالی اب وجد کی نمائندگی کرتی ہے اور جب کسی انسان کے یہاں اولاد ہوتی ہے تو بچہ اپنے ننھیال و ددھیال کے اب وجد میں سے کسی کے چہرے سے مشابہ ہوتا ہے، کسی کے عادات واطوار سے مشابہ ہوتا ہے کسی کے خصائل سے مشابہ ہوتا ہے، حضرت علی علیہ السلام میں موجود نوے انبیا کے خصائل بھی بتا رہے ہیں کہ علی علیہ السلام شجرے کے لحاظ سے ننھیالی اور ددھیالی دونوں حوالوں سے انبیاء کے سلسلے کی کڑی ہیں۔

انہیں کڑیوں کی ایک کڑی، اسی شجرہ طیبہ کی ایک شاخ کا نام شیخ بطحیٰ، سید العرب، مختارِ کعبہ، محسنِ اسلام، والیٔ نبیؐ، محافظِ رسالت، حضرت عمران ملقب بہ ابوطالبؑ ہے۔ حضرت ابوطالبؑ کی ذاتِ والا گرامی کے متعلق لکھنا ایسا ہی ہے جیسے آدمؑ ونوحؑ وابراہیمؑ وموسیٰؑ وعیسیٰؑ وختمی مرتبت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کچھ لکھنا۔ کیونکہ.......

حضرت ابوطالبؑ! حضرت ہاشمؑ کے پوتے ہیں
حضرت ابوطالبؑ! حضرت عبدالمطلبؑ کے بیٹے ہیں۔
حضرت ابوطالبؑ! حضرت عبداللہؑ کے بھائی ہیں۔
حضرت ابوطالبؑ! سرکار رسالتؐ کے چچا ہیں۔
حضرت ابوطالبؑ! سرکار امامتؑ کے بابا ہیں۔
حضرت ابوطالبؑ! فاطمہؑ بنت اسد کے شوہر ہیں۔
حضرت ابوطالبؑ! فاطمہؑ بنت رسولؐ کے سسر ہیں۔
حضرت ابوطالبؑ! امام حسنؑ، وامام حسینؑ کے دادا ہیں۔

یہ تمام نسبتیں ایک طرف اور یہ جملہ ایک طرف کہ "ابوطالبؑ ابوطالبؑ ہیں" ان کا کوئی مثیل نہیں، ان کی کوئی نظیر نہیں۔ جب میں حضرت ابوطالبؑ کے متعلق سوچتا ہوں تو میرے تصور میں نور کے ہالے میں گھری ہوئی ایک وجیہہ وشکیل، مضبوط جسم کی مالک ایک ذات ابھرتی ہے۔ جو انبیاء کے دائرے کا نقطۂ پرکار بنا ہوا ہے۔ ہر نبی عموماً اور خاتم النبیین خصوصاً جس کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو اسلام کا اعلان نہ ہو پاتا (دعوت ذوالعشیرہ) آپ نہ ہوتے تو اسلام نہ پھیل پاتا (حضرت علیؑ کی جانفشانیاں) اور آپ نہ ہوتے تو اسلام باطل کے حملے سے نہ بچ پاتا (حسینؑ اور کربلا)۔

حضرت ابوطالبؑ کی ذکاوت، ذہانت، سیادت، شرافت، شجاعت، سخاوت، علم، حلم، تقویٰ، پرہیزگاری اور تمام صفات مستند اور باایمان تاریخی حوالوں سے ثابت ہیں اور یہی تمام اوصاف حضرت ابوطالبؑ کو ممتاز ومتمیز قرار دیتے ہیں۔ ہم نے اپنی اس کتاب میں ان حوالہ جات اور روایات ودرایات سے استفادہ کیا ہے جو از روئے قرآن "لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا" کا درجہ رکھتے ہیں۔

چنانچہ ایسی ہی ایک روایت سے تحریر کا آغاز کرتے ہیں۔

میرے (علیؑ) کے بابا وصی تھے

ابوالحسن فتونی اپنی تصنیف ضیاء العالمین میں تحریر کرتے ہیں: امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل وصی کون تھے؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: میرے بابا (ابوطالبؑ)۔

(ابوطالبؑ مظلوم تاریخ صفحہ ۱۱۹ نقل از ابوطالبؑ حجتی ایمان صفحہ ۱۸۰)

شیخ یعقوب کلینی نے اصول کافی میں درست ابن ابومنصور سے ایک قول نقل کیا ہے:

''میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے سوال کیا: کیا حضرت ابوطالبؑ آپ کے نزدیک مقام حجت رکھتے تھے؟

آپ نے فرمایا: اولیاء اللہ اور اوصیاء اللہ نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کو چند وصیتیں ودیعت کی تھیں جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیں۔

میں نے عرض کیا: ان وصایا کے پیش کرنے کی علت یہ نہیں تھی کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام پیغمبر پر حجت تھے؟

آپؑ نے فرمایا: اگر حضرت ابوطالب علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مقام حجت نہ رکھتے تو پھر وہ ان وصایا کو ان کی تحویل میں ہرگز نہ دیتے۔

پوچھا: پھر ابوطالب علیہ السلام کیا تھے؟

امامؑ نے فرمایا: حضرت ابوطالب علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے اور وصایا الٰہی جس دن ان کے سپرد کیں اسی دن وہ وفات پا گئے''۔ (الغدیر۔ ج ۷، ص ۳۹۴ / ابوطالب مظلوم تاریخ۔ ص ۱۲۳)

یہ وہ روایتیں ہیں کہ جہاں سے حضرت ابوطالب علیہ السلام کی روحانی اور نورانی حیاتِ طیبہ کی تحریر کا آغاز ہونا چاہئے۔ آثار وقرائن یہ بتاتے ہیں کہ بلاشبہ حضرت ابوطالب علیہ السلام وصی انبیاء یا خود نبی تھے۔ اب ان کی نبوت ووصایت کی کیفیت کیا تھی، اس کے درجات کیا تھے، اس کے مراتب کیا تھے، اس منصب کی ذمہ داریاں کیا کیا تھیں؟ ہم انہی معاملات پر تحقیقی نگاہ ڈالنے کی سعیٔ مقبول کریں گے اور آگے آنے والے صفحات میں ہم آپ کو بتائیں گے کہ ہدایت کیا ہوتی

ہے، ہدایت کی ضرورت واہمیت کیا ہے، ہادی و حجت کون ہوتا ہے اور کیسا ہوتا ہے؟ کس کی طرف سے ہوتا ہے؟ اس کے فرائضِ منصبی کیا ہوتے ہیں؟ اگلے صفحات میں انہی پیش کئے جانے والے معیارات پر گفتگو ہوگی اور قارئین دیکھیں گے اور پڑھیں گے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام انہی الٰہی فرائضِ منصبی میں سے کسی ایک سے متصف تھے۔

ہدایت من اللہ ہوتی ہے:

یہ بات مسلّم ہے کہ اس دنیا میں اللہ کی طرف سے ہدایت جب آتی ہے تو وہ یا تو کسی نبی کے ذریعے یا کسی رسول کے ذریعے یا کسی امام کے ذریعے یا کسی وصیٔ نبی کے ذریعے۔ یہی وہ مناصب من اللہ ہیں جن کے ذریعے بندے خدا کا تعارف حاصل کرتے ہیں اور اس کی معرفت کی منزلوں کی طرف گامزن ہوتے ہیں، انہی ذرائع ہدایت کے ذریعے دین و شریعتِ الٰہیہ بندگانِ خدا تک پہنچتے ہیں اور کلامِ الٰہی بھی انہی کے ذریعے دنیا میں نازل ہوتا ہے۔ ان ہدایت کے ذرائع کا انکار گویا خود ہدایت سے انکار کے مترادف ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى (سورۃ اللیل: ۱۲)

یعنی ہدایت کی ذمہ داری ہماری (خدا کی) ہے۔

اس ارشاد کے مطابق خدا پر یہ بات واجب قرار پاتی ہے کہ وہ ہر دور میں کوئی نہ کوئی ہادی کسی نہ کسی عُہدے کی صورت میں بھیجتا رہے۔ جو اس کے حکم کے عین مطابق زندگی گذارے اور دوسروں کو حق اور سچ کا راستہ بھی بتاتا رہے۔ لہٰذا کسی زمانے کو ہادی سے خالی سمجھنا عدالتِ الٰہیہ پر انگشت نمائی کے مترادف ہوگا۔ یہاں صاحبانِ فہم و ذکاوت اور حاملانِ عقل و تدبّر پر یہ بات واجب قرار پاتی ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ ہادیٔ وقت کا انکار کریں بلکہ اس عہد میں اللہ کی حجت کو تلاش کریں اور جب آثار و قرائن اس نتیجے پر پہنچا دیں کہ مذکورہ شخصیت ہی منصوص من اللہ ہو سکتی ہے تو تمام تعصّبات اور جانبداریوں کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے عدالتِ الٰہیہ کا اعلان کرنا

چاہئے اور دنیا کو بتانا چاہئے کہ اللہ کا وعدہ کبھی (نعوذ باللہ) جھوٹا نہیں ہوتا۔ یہاں ہدف خوشنودیٔ پروردگار ہونا چاہئے نہ کہ خوشنودیٔ اَنا۔

ہم نے اپنی اس تحقیقی تالیف میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام اپنے آباؤ اجداد کی طرح یقیناً کسی نہ کسی عُہدہ ٔ ہدایت کے حامل تھے اور وہ عُہدہ نبوّت تھا یا عُہدہ ٔ امامت و وصایت تھا۔ یہ فیصلہ قارئین اور آگے آنے والے محققین پر چھوڑتے ہیں۔

اس کتاب میں ہم نے اس بحث کو یقینی طور پر ختم کردیا ہے کہ ابوطالب علیہ السلام مومن تھے یا کافر۔ یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام مومنِ کامل تھے۔ اب ہم یہ بحث اٹھانا چاہتے ہیں کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نبی تھے یا وصی۔ اب محققین، مؤلفین، مورخین اس پر بحث کریں اور تلاش کریں کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام وصیِ نبی تھے یا خود نبی تھے۔ ایمان اور کفر کے ضمن میں ایک حدیث جو مختلف طریقوں سے ہمارے سامنے آتی ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے آخری وقت کلمہ نہیں پڑھا (اس حدیث اور اس کے راویوں کا پول اس کتاب میں کھولا گیا ہے مطالعہ کرتے رہیں) اور کہا کہ میں دینِ عبدالمطلب علیہ السلام پر ہوں اور اس جملے سے نعوذ باللہ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا) کو بھی کافر ثابت کرنے کی کوششِ ناکام کی گئی ہے۔ جبکہ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے مراتب اور فضائل کے بارے میں علمائے اہلسنت نے معرکۃ الآرا بیانات تحریر کئے ہیں۔

زمین سات مسلمانوں سے کبھی خالی نہیں رہی:

آیئے یہاں ہم فاتح نجدیت، امام اہلسنت حضرت علامہ قاضی سید احمد بن زینی دحلان مکی کی معرکۃ الآرا تالیف ''اسنی المطالب فی نجاتِ ابوطالب'' سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں:

''نیز حضرت ابن عباس اور مجاہد زیرِ آیت:

"وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ. (الزخرف:۲۸)

(اور اللہ نے) اس (توحید پرستی) کو (نسلِ ابراہیم میں) کلمۂ باقیہ قرار دیا تاکہ وہ (اللہ کی طرف) رجوع کریں۔

روایت نقل کرتے ہیں کہ کلمۂ باقیہ ''لا الٰہ الاّ اللہ'' ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے بعد باقی رہا۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ کلمۂ باقیہ ''لا الٰہ الاّ اللہ'' کی گواہی دینا ہے اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنی ذرّیت کے لئے اس کلمہ کے باقی رہنے کی دعا کی تھی چنانچہ آپ کی ذریت میں ہمیشہ لا الٰہ الاّ اللہ اور توحید کی گواہی دینے والے موجود رہے ہیں۔

اور بے شک صحیح طریقوں سے صحیح روایت آتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین کو سات مسلمانوں کے وجود سے کسی وقت بھی خالی نہیں رکھا۔

جو روایت بیان کی گئی ہے یہ وہی ہے جسے امام عبدالرزاق اور ابن منذر نے بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے نقل کیا کہ زمین پر ہمیشہ سات بلند مرتبہ مسلمان موجود رہتے ہیں اور اگر وہ نہ ہوں تو زمین اور جو کچھ زمین میں موجود ہے تباہ و برباد ہو جائے۔

امام احمد بن حنبل ''کتاب الزہد'' میں بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے کے بعد زمین ایسے سات آدمیوں سے کبھی خالی نہیں رہی جن کے صدقے میں اللہ تبارک وتعالیٰ اہلِ زمین کی بلاؤں اور مصیبتوں کو ٹال

دیتا ہے۔

بخاری شریف میں امام بخاری حدیث بعثت میں نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم قرناً بعد قرناً بنو آدمؑ کے بہترین زمانوں میں ہوتے ہوتے اس قرن میں مبعوث ہوئے ہیں۔ تو جب آپ پہلے دو زمانوں کے درمیان تھے یعنی بنو آدم کے بہترین زمانوں میں رہنا اور بے شک زمین سات مسلمانوں سے کبھی خالی نہیں ہوئی۔ تو ان روایات سے امام فخر الدین رازی یہ نتیجہ اخذ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام تر آباؤ اجدادہ الکرام توحید پرست تھے اس لئے کہ آپ کے تمام تر اجدادِ کرام میں سے ایک شخص ہر زمانے میں انھیں سات مسلمانوں میں سے ہوتا تھا جس کا اوپر ذکر ہوا ہے''۔ (اسنیٰ المطالب ص ۸۷)

اس ضمن میں اگر قرآن کے سورۂ آل عمران کی ایک آیت پیش کی جائے تو حسبِ استدلال ہوگا جس میں بعثت رسولؐ کے وقت مومنین کا موجود ہونا واضح الفاظ میں بتایا گیا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (آل عمران: ۱۶۴)

مومنین پر خدا کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ان (مومنین) ہی میں سے ایک رسولؐ کو بھیجا جو ان پر آیاتِ خدا کی تلاوت کرتا ہے اور ان کے نفسوں کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

درج بالا آیت میں بھی قبل بعثتِ پیغمبرؐ یا بوقتِ اعلانِ رسالت تین یا تین سے زیادہ صاحبانِ ایمان کے موجود ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

دینِ عبدالمطّلبؑ:

بخاری کی وہ روایت جس میں حضرت ابوطالب علیہ السلام نے یہ کہا کہ میں دینِ عبدالمطّلب علیہ السلام پر ہوں اور کلمہ نہیں پڑھا۔ اس روایت کا تجزیہ اور اس کے بخیوں پر ہم نے تفصیلاً ایک مقالہ اس کتاب کے اگلے صفحات میں محفوظ کیا ہے۔ جہاں تک دینِ عبدالمطّلب علیہ السلام کا تعلق ہے تو آیئے دیکھیں کہ دین عبدالمطّلب علیہ السلام کیا تھا اور اس کے ذیل میں رتبہ و فضیلتِ حضرت عبدالمطّلب علیہ السلام کیا تھی؟

اس ذیل میں ہم پھر رجوع کریں گے صاحب ''اسنیٰ المطالب'' کی تحریر کی طرف جو اپنی تالیف کے صفحہ نمبر ۷۹ (ترجمہ علامہ صائم چشتی) میں درج کرتے ہیں:

''اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوطالبؓ نے فرمایا کہ وہ حضرت عبدالمطّلبؓ کی ملّت پر ہیں تو بعض نے اس چیز کا ذکر نہیں کیا جو حضرت عبدالمطّلبؓ کے تذکرہ میں موجود ہے کہ انھیں علم الیقین تھا اور وہ عقیدۂ توحید پر تھے اور حضرت عبدالمطّلبؓ کے ذکر میں آیا ہے کہ آپ کامل ترین صفات کے حامل تھے اور اپنے چچا مطّلب کے بعد وہی قریش کے سردار اور رئیس مقرر ہوئے تھے اور آپ اپنی اولاد کو ظلم اور سرکشی کو ترک کرنے کا حکم فرماتے تھے اور اپنے بیٹوں کو مکارم اخلاق کا درس دیتے تھے اور دنیوی امور سے روکتے تھے''۔

''نیز حضرت عبدالمطّلبؓ نے اصنام پرستی کو ترک کر رکھا تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت کے قائل اور معترف تھے چونکہ آپ کے زمانہ میں شریعتِ مشروعہ موجود نہیں تھی لہٰذا آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تخلیقی قدرتوں اور مصنوعات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس کی عبادت کرتے اور صلۂ رحمی

فرماتے تھے نیز آپ نے پسندیدہ امور کو اپنا رکھا تھا اور مکارم اخلاق سے متصف تھے"۔ (اسنیٰ مطالب)

عبدالمطلبؑ اور غارِ حرا:

علاوہ ازیں آپ اکثر غارِ حرا میں خلوت گزیں ہو کر قوتِ فکریہ کو مجتمع فرماتے اور استغراقِ قلبیہ کی حالت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان اوصاف وافعال پر گہری نظر سے غور وفکر کرتے جو تخلیق عالم پر دلالت کرتے ہیں۔ نیز یہ کہ سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کئی ایسی چیزیں موجود ہیں جن سے حضرت عبدالمطلبؑ متصف تھے اور جن امور کو بجالانے کے لئے وہ لوگوں کو حکم فرمایا کرتے تھے۔ ان میں سے چند ایک چیزیں جنھیں حضرت عبدالمطلبؑ نے اپنی قلبی فراست سے جاری کیا اور وہ سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زینت بن گئی یہ ہیں:

۱---نذر کا ایفا کرنا

۲---محرمات کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کرنا

۳---چور کا ہاتھ کاٹنا

۴---نومولود بچوں کو قتل کرنے سے روکنا

۵---شراب اور زنا کو حرام قرار دینا

۶---کعبۃ اللہ کا طواف برہنہ حالت میں کرنے سے منع کرنا

۷---سب سے پہلے ایک انسانی جان کی قیمت اور دیت سو اونٹ مقرر کرنا اور شریعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اب بھی یہی تعداد مقرر ہے۔

حضرت عبدالمطّلبؑ کے محاسن اور فضائل:

نیز صاحبِ ''اسنیٰ المطالب'' تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت عبدالمطّلبؓ کے جسمِ اطہر سے کستوری جیسی فرحت بار اور سرُور انگیز خوشبو بکھرتی رہتی تھی اور آپ کی جبینِ اقدس سے رسول اللہ ﷺ کے نورِ اقدس کی شعاعیں پھوٹتی تھیں۔

علاوہ ازیں جناب عبدالمطّلبؓ کی زیارت کرنے والا آپ کو شیبۃ الحمد کہتا اور آپ کی پیشانی مبارک اس طرح چمکتی تھی جیسے رات کے اندھیرے میں چودھویں کا چاند چمک رہا ہو اور جب قریش پر قحط کی مصیبت نازل ہوتی تو وہ بارش طلب کرنے کے لئے حضرت عبدالمطّلبؓ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے''۔

''بایں ہمہ حضرت عبدالمطّلبؓ قریش میں بہت بڑے عالم، دانا اور مستجاب الدّعوات تھے، آپ نے اپنی ذات پر شراب کو حرام دے رکھا تھا اور آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جو لوگوں سے الگ ہو کر غارِ حرا میں چلّہ کشی فرماتے اور مخصوص راتوں کو عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے اور جب رمضان شریف کا مہینہ آتا تو آپ پہاڑ پر تشریف لے جاتے اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔

یہی نہیں بلکہ آپ اکثر طور پر لوگوں سے تخلیہ کرتے ہوئے پہاڑوں پر تشریف لے جاتے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے عظمت وجلال کے متعلق غور وفکر کیا کرتے نیز آپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر وحوش وطیور کے لئے کھانا بکھیر دیتے اور لوگ آپ کے متعلق کہا کرتے کہ عبدالمطّلبؓ تو پرندوں

کے میزبان ہیں اور یہ بھی کہتے کہ آپ بہت بڑے فیاض ہیں"۔

حضرت عبدالمطلبؑ کو نورِ انبیا عطا کیا جائے گا:

نیز سیرت حلبیہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے جدِ امجد حضرت عبدالمطلبؑ کو قیامت کے دن بادشاہوں اور اہلِ شرف لوگوں میں اٹھایا جائے گا۔

اور امام برزنجی فرماتے ہیں کہ روایت میں آیا ہے کہ حضرت عبدالمطلبؑ کو انبیا کرام کا نور اور بادشاہوں کا جمال عطا کیا جائے گا اور آپ امت واحدہ یعنی عقیدۂ توحید پر اٹھائے جائیں گے۔

اور یہ ایسے ہی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے اور ان کی مثال زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل کی طرح ہے کہ وہ ایک امت میں اٹھیں گے اور ایک امت میں اٹھنے کی روایت کا اس سے بُعد نہیں کہ آپ کو انبیا کا نور عطا کیا جائے کیونکہ یہ مستقل ہے اور اس امر کے تابع نہیں لیکن یہ کہ آپ کو جمالِ بادشاہی عطا کیا گیا، تو آپ اپنے زمانے کے تمام قریش کے سردار تھے اور وہ زمانہ ان بادشاہوں کا قریبی زمانہ تھا جو عدل وانصاف کیا کرتے تھے اور ظلم نہیں کرتے تھے"۔

عبدالمطلب عقیدۂ توحید پر تھے:

"بالجملہ علمائے کرام نے حضرت عبدالمطلبؑ کے علم کے تذکرے میں جس بات کا ذکر کیا وہ یہ ہے کہ آپ کو علم یقین کی دولت حاصل تھی اور آپ

عقیدۂ توحید پر تھے اور ایسے ہی حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آبائے کرام تا حضرت آدم علیہ السلام عقیدۂ توحید پر تھے''۔

حضرت عبدالمطلبؑ کے کلام میں ہے:۔

يَا رَبِّ اَنْتَ الْمَلِكُ الْمَحْمُوْدُ وَ اَنْتَ رَبِّيْ الْمَلِكِ الْمَعْبُوْدُ

مِنْ عِنْدِكَ الطَّارِفُ وَ التَّلِيْدُ

''یا رب تو مالک ومحمود ہے اور تو میرا پروردگار اور مالک ومعبود ہے اور تیرے ہاں ہر قدیم وجدید چیز موجود ہے''۔

(سیرت النبویہ ج ۲ ص ۱، سیرت الحلبیہ ج ۲ ص ۴)

''ان تمام امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ کا یہ فرمان کہ وہ ملّت عبدالمطلبؑ پر ہیں ان کے مکارم اخلاق اور عقیدۂ توحید پر ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اگر حضرت ابوطالبؑ سے صادر ہونے والے دیگر ان تمام اشارات میں سے ایک بھی نہ ہوتا جو ان کی توحید پرستی پر دلالت کرتے ہیں اور آپ کا صرف یہی ایک قول ہوتا کہ وہ ملتِ عبدالمطلبؑ پر ہیں تو ان کے صاحب ایمان اور اہل توحید ہونے پر یہی ایک دلیل کافی ہے''۔(اسنی المطالب)

مندرجہ بالا روایات ودرایات سے اندازہ ہو جانا چاہئے کہ دین عبدالمطلب علیہ السلام کیا تھا اور ملتِ عبدالمطلبؑ پر ہونے سے کیا علو مراتب اور فضائل ودرجات پر فائز ہونے کی طرف اشارات ملتے ہیں۔ ہر زاویۂ فکر، ہر طریقۂ استدلال، تنقید، تجزیہ، تاریخی آثار، اصول اخلاقیات، غرض جس طریقے سے بھی پرکھنے کی کوشش کریں تو نتیجہ یہی نکلے گا حضرت

ابو طالب علیہ السلام یقیناً نبوت یا وصایت کے عہدے کے حامل تھے۔ حضرت ابو طالب علیہ السلام کے منصب نبوت و وصایت پر گفتگو کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے منصب نبوت و ولایت کو سمجھ لیا جائے۔ اگلے باب میں ہم دیکھیں گے کہ نبوت وصایت و امامت کی تعریف کیا ہے اور اس منصب کے حامل انبیا و اوصیا و ائمہ کی منصبی ذمہ داریاں کیا ہوتی ہیں اور اللہ کا یہ نظامِ ہدایت کس طرح کام کرتا ہے۔

قرآن میں ذکرِ نبوّت

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ

(آل عمران ۱۶۱)

اور (تمہارا گمان بالکل غلط ہے) کسی نبی کی (ہرگز) یہ شان نہیں کہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے گا تو جو چیز خیانت کی ہے قیامت کے دن وہی چیز سامنے لانا ہوگا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ۔ (انعام۔۱۱۲)

اور (اے رسول جس طرح یہ کفار تمہارے دشمن ہیں) اسی طرح (گویا) ہم نے (خود آزمائش کے لئے) شریر آدمیوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا وہ لوگ ایک دوسرے کو فریب دینے کی غرض سے چکنی چپڑی باتوں کی سرگوشی کرتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (انفال ۶۴)

اے نبی تم کو بس خدا اور جو مومنین تمہارے تابع فرمان ہیں کافی ہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا۔ (فرقان ۳۱)

اور ہم نے (گویا) گنہگاروں میں سے ہر نبی کے دشمن بنا دیئے ہیں۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ.(احزاب ۶)

نبی مومنین پر ان کی جانوں سے بڑھ کر حق رکھتا ہے۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ.(بقرہ ۱۷۷)

بلکہ نیکی تو یہ اس کی ہے جو خدا اور آخرت اور فرشتوں اور (خدا کی) کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ.(عنکبوت ۲۷)

ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ (سا بیٹا) اور یعقوبؑ (سا پوتا) عطا کیا اور ان کی نسل میں نبوت اور کتاب قرار دی اور ہم نے ابراہیمؑ کو دنیا میں بھی اس کا بدلہ دیا اور وہ آخرت میں بھی نیکوکاروں میں ہونگے۔

ایک موجودہ نبی کا دوسرے موجود نبی پر ایمان لانا:۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ.(عنکبوت ۲۶)

تب لوطؑ ابراہیمؑ پر ایمان لائے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ(الحدید ۲۶)

اور بے شک ہم ہی نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو (نبی بنا کر) بھیجا اور ان ہی دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب مقرر کی۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (البقرہ ۳۰)

اے رسول وہ وقت یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا میں اپنا ایک نائب زمین پر بنانے والا ہوں

وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ.

(البقرہ ۵۳)

جب موسیٰ کو کتاب عطا کی حق و باطل کا جدا کرنے والا قانون تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (البقرہ ۲۵۳)

(یہ سب رسول جو) ہم نے بھیجے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتٰبٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۚ قَالَ ءَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشّٰهِدِينَ.

(آل عمران ۸۱)

جب خدا نے پیغمبروں سے اقرار لیا کہ ہم تم کو جو کچھ کتاب و حکمت دیں اس کے بعد جب تمہارے پاس کوئی رسول آئے اور جو کتاب تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق کرے تو دیکھو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا (خدا نے فرمایا) کیا تم نے اقرار کرلیا اور ان باتوں پر جو ہم نے تم سے اقرار لیا تو تم نے میرے عہد کا بوجھ اٹھا لیا سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا ارشاد ہوا اچھا تم آج کے قول و قرار کے آپس میں ایک

دوسرے کے گواہ رہنا اور تمہارے ساتھ میں بھی ایک گواہ ہوں

فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا. (النساء ۵۴)

ہم نے ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور عقل کی باتیں عطا فرمائی ہیں اور ان کو بہت بڑی سلطنت بھی عطا کی۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا (النساء ۱۵۳)

اور موسیٰؑ کو ہم نے صریحی غلبہ عطا کیا۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا. (النساء ۱۶۳)

اے رسول ہم نے تمہارے پاس اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور ان کے بعد والے پیغمبروں پر بھیجی تھی جس طرح ابراہیم واسحٰق و یعقوب اور عیسیٰ وایوب و یونس و ہارون وسلیمان کے پاس وحی بھیجی اور ہم نے داوٗد کو زبور عطا کی۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ. (المائدہ ۴۶)

اور ہم نے انہی پیغمبروں میں قدم بقدم مریم کے بیٹے عیسیٰ کو چلایا اور اس

کتاب توریت کی تصدیق کرتے تھے جو ان کے سامنے پہلے سے موجود تھی اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت تھی اور نور ایمان) اور اس کتاب کی جو وقت نزول انجیل (پہلے سے) موجود تھی تصدیق کرنے والی اور پرہیز گاروں کے لئے ہدایت و نصیحت تھی۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ. (الانعام ۸۳)

اور ہماری دلیلیں ہیں جو ہم نے ابراہیم کو اپنی قوم پر (غالب آنے کے لئے) عطا کی تھیں ہم جن کے مرتبے چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ. (یوسف ۵۶)

اور یوں ہم نے یوسف کو ملک مصر میں جگہ دے کر قابض بنایا۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. (النحل ۱۲۰۔۱۲۱)

بے شک ابراہیم لوگوں کے پیشوا خدا کے فرمانبردار بندے اور باطل سے کترا کر چلنے والے تھے اور مشرکین سے ہرگز نہ تھے اس کی نعمتوں کے شکر گزار ان کو خدا نے منتخب کیا تھا اور سیدھی راہ کی انہیں ہدایت کی تھی۔

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا. (بنی اسرائیل ۷۷)

تم سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے ہیں ان کا برابر یہی دستور رہا ہے اور جو دستور ہمارے ٹھہرائے ہوئے ہیں ان میں تم تغیر نہ پاؤ گے۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا .(مریم ۱۲)

اے یحییٰ کتاب (توریت) مضبوطی کے ساتھ لو اور ہم نے انہیں بچپن ہی میں اپنی بارگاہ سے نبوت دی۔

قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ۭ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا .(مریم ۳۰)

(حضرت عیسیٰؑ بول اٹھے) میں بے شک خدا کا بندہ ہوں مجھ کو اس نے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھ کو نبی بنایا ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا .(مریم ۵۱)

اور کتاب میں موسیٰ کا ذکر کرو بے شک وہ مخلص بندہ اور صاحب کتاب و شریعت نبی تھا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ .(الانبیاء ۲۵)

اے رسول ہم نے تم سے پہلے جب کبھی کوئی رسول بھیجا تو اس کے پاس ہم یہی وحی بھیجتے رہے کہ بس ہمارے سوا کوئی معبود قابل پرستش نہیں تو میری عبادت کرو۔

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا .(الانبیاء ۷۴)

(اور لوط کو بھی ہم نے فہم سلیم اور نبوت عطا کی۔)

وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ وَ ذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ .(الانبیاء ۸۵۔۸۶)

اور اسمٰعیل و ادریس و ذوالکفل یہ سب صابر بندے تھے اور ہم نے ان سب

کو اپنی خاص رحمت میں داخل کرلیا بے شک یہ لوگ نیک بندے تھے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ۔(القصص ۱۴)

جب (موسیٰ) اپنی جوانی کو پہنچے اور درست ہو گئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا کیا اور نیکی کرنے والوں کو ہم یوں ہی جزائے خیر دیتے ہیں۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِىْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔(العنکبوت ۲۷)

ہم نے ابراہیم کو اسحاق (سا بیٹا) اور یعقوب (سا پوتا) عطا کیا اور اس کی نسل میں پیغمبری اور کتاب قرار دی، اور ہم نے ابراہیم کو دنیا میں اچھا بدلہ دیا اور وہ آخرت میں بھی نیکوکاروں میں ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔(الروم ۴۷)

اے رسول ہم نے تم سے پہلے اور بھی بہت سے پیغمبروں کو ان کی قوموں کے پاس بھیجا تو وہ پیغمبر واضح اور روشن معجزے لے کر آئے (مگر ان لوگوں نے نہ مانا) تو ان مجرموں سے ہم نے خوب بدلہ لیا اور ہم پر مومنین کی مدد کرنا لازم تھا ہی۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۖ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ

مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا. لِّيَسۡـَٔلَ الصّٰدِقِيۡنَ عَنۡ صِدۡقِهِمۡ ۚ وَاَعَدَّ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا اَلِيۡمًا. (الاحزاب ۷۔۸)

جب ہم نے (اور) پیغمبروں سے اور خاص تم سے اور نوح وابرہیم وموسیٰ اور مریم کے بیٹے عیسیٰؑ سے عہد و پیمان لیا اور ان سے ہم نے سخت عہد و پیمان لیا تھا کہ (قیامت کے دن) سچوں (پیغمبروں) سے ان کی سچائی (تبلیغ رسالت کا) حال دریافت کرے اور کافروں کے لئے تو دردناک عذاب مہیا کر ہی رکھا ہے۔

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا. (سبا۔۱۰)

ہم نے داؤدکو اپنے فضل سے بزرگی عطا کی تھی

وَلَقَدۡ سَبَقَتۡ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الۡمُرۡسَلِيۡنَ. (الصافات۔۱۷۱)

اور اپنے خاص بندوں پیغمبروں سے ہماری بات مضبوط ہو چکی ہے۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰكَ خَلِيۡفَةً فِى الۡاَرۡضِ. (ص۔۲۶)

اے داؤدؑ ہم نے تم کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا۔

وَكَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِىٍّ فِى الۡاَوَّلِيۡنَ. (الزخرف ۶)

(اور ہم نے) اگلے لوگوں میں بہت سے پیغمبر بھیجے تھے۔

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ الۡكِتٰبَ وَالۡحُكۡمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلۡنٰهُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ. (الجاثیہ ۱۶)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی اور انہیں عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو دیں اور سارے جہان پر فضیلت دی۔

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا وَّاِبۡرٰهِيۡمَ وَجَعَلۡنَا فِىۡ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ

وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۔(الحدید ۲۶)

اور ہم نے نوح و ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور انہی کی اولاد میں نبوت و کتاب عطا کی تو ان میں سے بعض ہدایت یافتہ ہیں اور ان میں کے بہتیرے بدکار ہیں۔

نبوت اور کتاب آل ابراہیم سے مخصوص کر دی گئی

وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔(العنکبوت ۲۷)

اور ان کی ذریت میں نبوت و کتاب قرار دی اور ان کا اجر ان کو دنیا میں بھی دیا اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے روز آخرت ہوں گے۔

نبی کا قول کسی شیطان کا قول نہیں

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ۔(التکویر ۲۵)

اور نہ یہ شیطان ملعون کا قول ہے۔

نبی مومنین کی جان و مال پر خود ان سے زیادہ اختیار رکھتے ہیں

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۔(الاحزاب ۶)

نبی ان کی جانوں کا خود ان سے زیادہ اختیار رکھنے والا ہے۔

تعریف نبی

نبوت کے معنی اونچی شان و رفعت کے ہیں، نبی ایک اسلامی و دینی اصلاح ہے۔ نبی ''نباء'' سے مشتق ہے۔ نباء کے معنی خبر کے ہیں، نبی سے مراد ''خبر والا'' کے ہیں یعنی نبی اس کو کہتے

ہیں جس پر اخبارِ الٰہی یعنی علم وحکمت کی تعلیم کا نزول ہوتا ہو۔ نبوت ایک ایسا خصوصی رتبہ ہے جس میں خداوند عالم نبی کو علم اور اپنا قرب عطا کرتا ہے۔ مقام نبوت کی رفعت وعظمت اس آیتِ کریمہ سے ظاہر ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ. (احزاب ۶)

نبی مومنوں کی جانوں پر ان (مومنوں) سے زیادہ حقِ تصرف رکھتا ہے۔

خدا انبیاء کو ہدایت کے لئے بشیر ونذیر بنا کر بھیجتا ہے جیسے کہ درج ذیل آیت میں اظہار ہو رہا ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ. (بقرہ ۲۱۳)

(پہلے سب) انسان ایک ہی امت تھے (پھر وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے) تو خدا نے نبیوں کو بشیر ونذیر بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب بھی نازل کی۔

کتاب کافی میں آیت ''وَ کَانَ رَسُولاً نبیاً'' کی تفسیر میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپؑ نے فرمایا: نبی اسے کہتے ہیں جو خواب میں دیکھتا ہے اور آواز سنتا ہے مگر فرشتے کا ظاہر بظاہر مشاہدہ نہیں کرتا، اور رسول اسے کہتے ہیں جو آواز سنتا ہے اور خواب نہیں دیکھتا بلکہ فرشتے کا ظاہر بظاہر مشاہدہ کرتا ہے۔

اسی مضمون کی دیگر روایات بھی وارد ہوئی ہیں، اور سورۂ شعراء، آیت ۱۳ (فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ) سے بھی یہی بات سمجھی جاسکتی ہے۔ (کیونکہ اس آیت میں حضرت موسیٰؑ کا خدا سے درخواست کرنا مذکور ہے کہ جب خدا نے انہیں حکم دیا کہ وہ فرعون کے پاس جا کر اسے حق کی دعوت دیں تو انہوں نے خدا کی بارگاہ میں عرض کی کہ ہارونؑ کو بھی میرے ساتھ بھیج، گویا یہ کہ فرشتہ کو اس

کی طرف بھیج کر اسے بھی میرے ساتھ جانے کا حکم دے، اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ پیغمبروں کو فرشتوں کے ذریعے وحی کی جاتی تھی اور وہ بظاہر فرشتۂ وحی کو دیکھتے بھی تھے البتہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ رسول وہ ہے جس کی طرف فرشتۂ وحی کو بھیجا جائے بلکہ مقصد یہ کہ نبوت و رسالت دو خدائی منصب ہیں اور نبوت کی خصوصیت خواب دیکھنا جبکہ رسالت کی خصوصیت فرشتہ وحی کا مشاہدہ کرنا ہے تاہم یہ دونوں منصب کبھی ایک ہی فرد میں یکجا ہو جاتے ہیں لہٰذا دونوں خصوصیات اس میں پائی جاتی ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نبوت ہوتی ہے مگر رسالت نہیں ہوتی (ایک فرد نبی ہوتا ہے مگر رسول نہیں ہوتا) بنا برایں رسالت مفہوم میں نہیں بلکہ مصداق میں نبوت سے خاص ہے۔

یہ بات حتمی ہے کہ کتابیں نبیوں پر ہی نازل کی گئیں لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ہر نبی صاحب کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کو بعض انبیاء پر فضیلت و فوقیت عطا کی ہے چنانچہ آیت میں ارشاد ہے:۔

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّيْنَ عَلٰى بَعْضٍ۔ (بنی اسرائیل ۵۵)

اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض (نبیوں) پر فضیلت عطا کی ہے۔

انبیاء کی بعثت

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ۔ (بقرہ: ۲۱۳)

عربی زبان میں بعث کے معنی برانگیختہ کرنا اور نیند سے بیدار کرنا ہے اور ''ارسال'' کے معنی بھیجنا اور پیغام دے کر روانہ کرنا ہے۔ خداوند عالم نے انبیاء کے بھیجنے کو لفظ ''بعث'' سے تعبیر کیا ہے نہ کہ ''ارسل'' سے کیونکہ عصر اول کے انسان کے متعلق جس وحدت وتنہائی **(کان الناس امۃ واحدۃ)** کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد اس کا غیر متحرک و خاموش طرز زندگی ہے لہٰذا اس کے لئے انبیاءؑ کو بھیجنے کے عمل کے لئے ''ارسال'' کی بجائے ''بعث'' کا لفظ زیادہ مناسب و

موزوں ہے کہ اس (بعث) میں خواب غفلت سے بیداری دلانے اور چونکا دینے کے معنی پوشیدہ ہیں جو کہ انبیائے الٰہی کے بھیجنے کا اصل مقصد ہے۔ شاید اسی حوالہ سے ان بھیجے جانے والے حضرات کو اس آیت میں ''نبی'' کہا گیا ہے نہ کہ رسول کہا گیا۔ انبیاء کی بعثت کا حقیقی مقصد لوگوں کو حق سے آگاہی دلانا، انہیں ان کے وجود اور زندگی کی حقیقت سے روشناس کرانا، اس بات سے باخبر کرنا کہ وہ اپنے رب کی مخلوق ہیں اور وہ خدا ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ وہ سب اسی کی طرف اپنے قافلۂ حیات کو لے جا رہے ہیں بالآخر انہیں ایک بڑے دن (روز قیامت) میں خدا کے حضور پیش کیا جائے گا، اور اس وقت دورانِ سفر ایک ایسے مقام پر رکے ہوئے ہیں جو کھیل کود اور دھوکہ وفریب کے علاوہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا لہٰذا ان کا فرض ہے کہ ان مطالب کو اپنی زندگی میں ملحوظ و مدنظر رکھیں، اپنے افعال و اعمال میں ان حقائق پر توجہ کریں اور ہمیشہ اس حقیقت پر نظر رکھیں کہ وہ کہاں سے آئے، کہاں پر ہیں اور کہاں جا رہے ہیں یا کہاں جانا ہے، (ماضی، حال و مستقبل کو پیش نظر رکھیں) تو یہ وہ حقائق ہیں جن کی تعلیم خدا کے مبعوث (بھیجے ہوئے) انبیاء نے لوگوں کو دی لہٰذا یہ کہنا بے جا نہیں کہ لفظ ''بعث'' کا مفہوم و معنی ہی ''نبی'' کے لفظ سے ہم آہنگی رکھتا ہے کیونکہ ''نبی'' اسے کہتے ہیں جو خدا کی طرف سے خبریں لے آئے جبکہ ''رسول'' پیام لانے والے کو کہا جاتا ہے۔

خداوند عالم نے اپنے مقدس کلام میں نبوت کی حقیقت یعنی وحی کے ذریعے لوگوں کی ہدایت کا تذکرہ کثرت سے کیا ہے اور اس پاکیزہ عمل کے انجام دینے والوں کو دو طرح کے ناموں سے تعبیر کیا ہے گویا دو قسموں میں منقسم کر کے ایک کو رسول اور دوسرے کو نبی کے نام سے موسوم فرمایا، چنانچہ سورۂ زمر کی آیت ۶۹ میں یوں ارشاد ہوا:

"وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ"

(اور کتاب (سامنے) رکھ دی جائے گی اور (خبر لانے والے) انبیاء اور

گواہ حاضر کئے جائیں گے)

سورۂ مائدہ آیت ۱۱۲ میں یوں فرمایا:

"یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ"

اس دن خدا رسولوں کو اکٹھا کرکے پوچھے گا تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا یعنی (جب تم نے لوگوں کو دعوت حق دی تو لوگوں نے کیا جواب دیا تھا۔)

''رسول'' کا معنی پیغام پہنچانے والا اور ''نبی'' کا معنی خبر لانے یا دینے والا ہے، رسول کا اعزاز خدا اور خلق خدا کے درمیان وساطت کا حامل ہوتا ہے اور نبی کا اعزاز خدا اور غیب الٰہی سے آگاہ ہونا ہے۔

بعض اہل نظر حضرات نے رسول اور نبی کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول اور نبی کے درمیان عام و خاص مطلق کی نسبت پائی جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا، یعنی یوں کہا جا سکتا ہے کہ رسول اسے کہتے ہیں جو خدا کی طرف سے مبعوث ہو (لوگوں کی طرف ان کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہو) اور خدا کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے پر مامور ہو جبکہ نبی وہ ہے جسے خدا کی طرف سے وحی ہوتی ہے اور لوگوں کی ہدایت پر مامور ہوتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری اسے سونپی گئی ہو، ممکن ہے یہ ذمہ داری اسے سونپی جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ سونپی جائے۔ (تفسیر المیزان جلد ۲)

فرائضِ نبوّت:

نبی لوگوں کو ان امور سے آگاہی دلاتا ہے جن میں ان کی روزمرہ کی زندگی کی بہتری اور دین کی اعتقادی و عملی تعلیمات پائی جائیں کیونکہ خداوند عالم کی اپنے بندوں پر عنایت اس بات کی متقاضی ہے کہ لوگ ان چیزوں کی ہدایت پائیں جن میں ان کی سعادت کا راز مضمر ہے،

اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اس خاص پیغام پہنچانے پر مامور ہوتا ہے جس میں کافی وافی ہدایات ہوتی ہیں کہ ان کے بعد لوگوں پر حجت پوری ہو جاتی ہے اگر ان کی ہدایت کی نافرمانی کی جائے تو خداوند عالم کا عذاب اور ہلاکت یقینی و بجا اور برحق ہوگی کہ جس کے بعد لوگوں کو زبان اعتراض کھولنے کی گنجائش نہ رہے گی، چنانچہ اسی اتمام حجت کو سورۂ نساء آیت ۱۶۵ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ"

تا کہ رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کو خدا پر اعتراض کرنے کی گنجائش باقی نہ رہے۔

بنابرایں کلام الٰہی میں رسول اور نبی کے درمیان ان کے لفظی مفہوم سے زیادہ کچھ فرق دکھائی نہیں دیتا جس کا لازمی نتیجہ وہی ہے کہ رسول کو خدا اور خلق خدا کے درمیان واسطہ وسیلہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے اور نبی کو خدا اور معارف الٰہیہ سے آگاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

قرآن میں تمام انبیاء کے حالات مذکور نہیں:۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ انبیاءؑ کثیر تعداد میں آئے مگر خداوند عالم نے سب کے حالات اپنی مقدس کتاب میں ذکر نہیں کیے، ارشاد حق تعالیٰ ہے:

"وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ" (المومن ۷۸)

تحقیق ہم نے آپؐ سے پہلے کئی رسول بھیجے جن میں سے بعض کے حالات و واقعات آپ کو بیان کر دیئے اور بعض کے حالات آپ کو بیان نہیں کیے۔

جن انبیاء علیہم السلام کے حالات خداوند عالم نے اپنی مقدس کتاب میں بیان کیے اور ان کے اسماء گرامی بھی ذکر فرمائے ان کی تعداد بیس سے کچھ زیادہ ہے مثلاً آدمؑ، نوحؑ، ادریسؑ، ہودؑ،

صالحؑ، ابراہیمؑ، لوطؑ، اسماعیلؑ، یسعؑ، ذوالکفلؑ، الیاسؑ، یونسؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ، شعیبؑ، موسیٰؑ، ہارونؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، زکریاؑ، یحییٰؑ، اسماعیلؑ صادق الوعد، عیسیٰؑ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلیہم اجمعین۔

کچھ انبیاء علیہم السلام کے اسماء گرامی ذکر نہیں کئے گئے بلکہ ان کی توصیف واشارہ کنایہ کے ساتھ ان کا تذکرہ ہوا ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہوا:

"اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا" (بقرہ ۲۴۶)

کیا آپؐ نے نہیں دیکھا بنی اسرائیل کے اس گروہ کو جنہوں نے موسیٰؑ کے بعد اپنے نبیؑ سے کہا ہمارے لئے کوئی بادشاہ قرار دے۔

"اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا" (بقرہ ۲۵۹)

یا اس شخص کی مانند جو ایک بستی سے گزرا ہو جو کہ الٹی ہو چکی تھی۔

"اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ" (یٰس ۱۴)

جب ہم نے ان کی طرف دو رسولؑ بھیجے مگر انہوں نے ان دونوں کو جھٹلا دیا پھر ہم نے تیسرے کو بھیج کر ان دو کی تقویت کی۔

"فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا" (کہف ۶۵)

پس ان دونوں نے ایک ہمارے بندے کو دیکھا جسے ہم نے اپنی طرف سے علم عطا کیا۔

"وَالْاَسْبَاطِ" (بقرہ ۱۳۶) (اور نسلوں کو)۔

ان میں سے بعض کا نبی ہونا واضح نہیں ہو سکا جیسے موسیٰؑ کا جواب:

"وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ" (کہف ۶۰)

اور جب موسیٰؑ نے اپنے جوان سے کہا۔

البتہ بعض کے ناموں کی تصریح کر دی گئی مثلاً ذوالقرنینؑ، عمران (حضرت مریمؑ کے والد) اور عزیزؑ، کہ ان اسباط کے نبی ہونے کا ثبوت نہیں مل سکا۔

بہر حال قرآن مجید میں انبیاء کی تعداد ذکر نہیں کی گئی اور جن روایات میں ان کی تعداد بتائی گئی ہے وہ بھی زیادہ نہیں بلکہ چند روایتیں ہیں جن کی عبارتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ان میں سب سے زیادہ مشہور جناب ابو ذرؓ کی روایت ہے جس میں حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ انبیاءؑ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسولؑ ہیں۔

یاد رہے کہ جو انبیاءؑ مقام و مرتبت کے لحاظ سے سب سے بزرگ ہیں کہ جنہیں ''اولوالعزم'' کہا جاتا ہے وہ پانچ ہیں: حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت محمدؐ، ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا،

"فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ" (احقاف ۳۵)

پس آپ صبر کریں جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔

تفسیر ''مجمع البیان'' میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپؑ نے فرمایا: حضرت نوحؑ سے پہلے سب لوگ ایک امت تھے اور سب فطرت الٰہیہ (پہلی تخلیق) پر تھے کہ نہ ہدایت یافتہ تھے اور نہ ہی گمراہ تھے پھر خداوند عالم نے نبیوں کو بھیجا۔

حضرت شیثؑ (نبی) تقیہ میں رہے:۔

تفسیر العیاشی میں آیت ''کان الناس امۃ واحدۃ'' کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے آپؑ نے فرمایا: یہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے کے زمانہ سے متعلق ہے،

امامؑ سے پوچھا گیا: آیا اس وقت لوگ گمراہی پر تھے؟ آپؑ نے جواب دیا: وہ ہدایت کا راستہ نہ جانتے تھے کیونکہ جب حضرت آدمؑ رحلت کر گئے اور ان کی صالح نسل بھی ختم ہوگئی تو ان کے وصی حضرت شیثؑ بچ گئے جو پورے طور پر دین خداوندی کہ جس پر آدمؑ اور ان کی صالح اولاد چل رہی تھی کے اظہار پر قادر نہ تھے کیونکہ قابیل کہ جس نے ہابیلؑ کو قتل کر دیا تھا شیثؑ کو بھی قتل کی دھمکیاں دیتا رہتا تھا جس کے سبب حضرت شیثؑ تقیہ میں رہے اور حق کا اظہار نہ کر سکے۔

انبیاء کی تعداد

کتاب معانی الاخبار اور خصال میں جناب ابوذرؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا میں نے حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کُل نبی کتنے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیؑ، میں نے پوچھا ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: تین سو تیرہ کا جمِ غفیر، میں نے پوچھا: پہلے نبی کون تھے؟ آپؐ نے فرمایا: آدمؑ، میں نے پوچھا: کیا وہ بھی ان انبیاءؑ میں سے تھے جنہیں رسالت دی گئی؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں خدا نے انہیں اپنے دست مبارک سے پیدا کیا اور ان میں اپنی روح پھونکی، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چار انبیاء سریانی تھے: آدم علیہ السلام، شیث علیہ السلام، اختوخ علیہ السلام، (کہ جنہیں ادریس علیہ السلام کہا جاتا ہے اور انہوں نے سب سے پہلے قلم کے ساتھ لکھنے کی ابتداء کی) اور نوح علیہ السلام، ان کے علاوہ چار انبیاءؑ عرب ہیں: ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام اور تمہارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بنی اسرائیل کے سب سے پہلے نبی موسیٰؑ، اور آخری عیسیٰؑ اور چھ سو دیگر انبیاء تھے، میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: خداوند عالم نے کتنی کتابیں نازل کی ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ایک سو چار کتابیں، خدا نے شیثؑ پر پچاس صحیفے نازل کئے اور ادریسؑ پر تیس صحیفے، ابراہیمؑ پر بیس صحیفے نازل فرمائے اور تورات، انجیل زبور اور فرقان (قرآن) نازل کیا۔

یہ روایت بالخصوص اس کا ابتدائی حصہ کہ جس میں انبیاءؑ اور پیغمبران الٰہی کی تعداد ذکر کی

گئی ہے مشہور روایات میں ہے اور اسے شیعہ و سنی علماء نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے، اسی مطلب کو کتاب ''خصال'' اور ''امالی'' میں شیخ صدوقؒ نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی روایت بحوالہ آپ کے آباء اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کیا ہے، اسی طرح کہ رسالت اور نبوت کے درمیان ''عام خاص من وجہ'' کی نسبت پائی جاتی ہو بلکہ روایات صراحت کے ساتھ بیان کرتی ہیں کہ ان دونوں کے درمیان ''عام خاص مطلق'' کی نسبت پائی جاتی ہے، یعنی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ضروری نہیں کہ ہر نبی رسول بھی ہو۔ اسے نسبت عام خاص مطلق کہتے ہیں اور اگر نسبت عام خاص من وجہ مانی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر رسول کا نبی ہونا ضروری نہیں۔

اولوالعزم انبیاء کی تعداد پانچ ہی بتائی گئی ہے یعنی نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، البتہ بعض علماء اہل سنت نے دیگر اقوال بھی پیش کئے ہیں جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ وہ چھ انبیاءؑ ہیں جن کے اسماء گرامی یہ ہیں: نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، یوسفؑ، ایوبؑ، بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان (اولوالعزم) سے مراد وہ انبیاءؑ ہیں جنہیں جہاد اور دشمنان دین کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور انہوں نے مکاشفات ظاہر کئے اور دین کی راہ میں جہاد کیا، بعض علماء کا کہنا ہے کہ وہ چار انبیاءؑ ہیں جن کے اسماء گرامی یہ ہیں: ابراہیم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

کچھ انبیاء نے اپنے کو مخفی رکھا:۔

تفسیر العیاشی میں ابوحمزہ ثمالی سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت امام باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ حضرت آدمؑ اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان بہت سے نبی تھے جنہوں نے اپنی نبوت کو مخفی رکھا اس لئے قرآن مجید میں ان کے اسماء گرامی ان انبیاءؑ کی طرح ذکر نہیں کئے گئے جنہوں نے کھلم کھلا اعلان نبوت و دعوت توحید دی۔

نبیؐ اور رسولؐ و محدث کا فرق

عدة من اصحابنا، عن احمد بن محمد عن احمد بن محمد بن ابی نصر، عن ثعلبة بن میمون عن زرارة قال: سالت ابا جعفرؑ عن قول الله عزوجل:

وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا (مریم ۵۱،۵۴)

ما الرسول وما النبی؟ قال: النّبی الّذی یریٰ فی منامه و یسمع الصّوت ولا یعاین الملك والرّسول الّذی یسمع الصّوت ویریٰ فی المنام ویعاین الملك قلت: الامام ما منزلته؟ قال: یسمع الصّوت ولا یریٰ ولا یعاین الملك، ثم تلا هٰذه الآیة:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ. (الانبیاء ۲۵)

۱۔ زرارہ سے مروی ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے آیہ "کان رسولا نبیا" کے متعلق سوال کیا اور پوچھا کہ نبی و رسولؐ میں کیا فرق ہے فرمایا نبی وہ ہے جو فرشتہ کو خواب میں دیکھتا ہے اس کی آواز سنتا ہے لیکن ظاہر بظاہر حالت بیداری میں نہیں دیکھتا اور رسولؐ وہ ہے جو آواز بھی سنتا ہے اور خواب میں بھی دیکھتا ہے اور ظاہر میں بھی۔ میں نے پوچھا امام کی منزلت کیا ہے فرمایا فرشتہ کی آواز بھی سنتا ہے مگر دیکھتا نہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی ''اور ہم نے نہیں بھیجے تم سے پہلے نہ رسول''۔ (اصول کافی ج ۲ ص ۲۴)

۲۔ علی بن ابراهیم عن ابیه عن اسماعیل بن مرار قال:

كتب الحسن بن العباس المعروفي الى الرضا ﷺ: جعلت فداك اخبرني ما الفرق بين الرسول والنبي والامام؟ قال: فكتب اوقال: الفرق بين الرسول والنبي والامام ان الرسول الذي ينزل عليه جبرئيل فيراه ويسمع كلامه وينزل عليه الوحي وربما راى في منامه نحو رويا ابراهيم ﷺ والنبي ربما سمع الكلام وربما رائي الشخص ولم يسمع والامام هو الذي يسمع الكلام ولا يرى الشخص۔

۲۔ حسن عباس معروفی نے امام رضا علیہ السلام کو لکھا۔ میں آپ پر فدا ہوں، کیا فرق ہے رسولؐ و نبی و امام میں، آپ نے جواب میں فرمایا۔ رسولؐ وہ ہے جس پر جبرئیل نازل ہوں اور ان کا کلام سنے اور اس پر وحی نازل ہو اور کبھی خواب میں بھی دیکھے۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام کا خواب اور نبی وہ ہے کہ کبھی کلام سنتا ہے اور کبھی فرشتہ کے وجود کو دیکھتا ہے اور امام وہ ہے کہ کلام سنتا ہے اور وجود کو نہیں دیکھتا۔ (اصول کافی ج ۲ ص ۲۵)

تاہم یہاں ایک طولانی عبارت نقل کر دینا ضروری ہے جو علامہ ابن شہر آشوب نے اپنے مناقب میں محفوظ کی ہے جس میں انہوں نے صفات امام بیان کئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ''احادیث و اخبارِ امامیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام برحق کی پچاس علامتیں ہیں'' ان علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کے پاس جفر ابیض ہو جس میں توریتِ موسیؑ، انجیلِ عیسیؑ اور زبورِ داؤدؑ ہے اور وہ سب کتابیں بھی جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئیں۔ وہ صاحب الہام ہو اور وہ آواز بھی سنتا ہو جو زنجیر کی جھنکار جیسی ہو اور بعض اوقات اس کے سامنے آئے جبرئیلؑ و مکائیل و

اسرافیل اور بعض اوقات وہ ان سے مخاطبہ کرے۔

اس ضمن میں ہمیں ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ حدیث نہیں بھولنا چاہئے جو انہوں نے امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے لئے ارشاد فرمائی کہ "یا علیؑ جو میں دیکھتا ہوں وہ تم دیکھتے ہو جو میں سنتا ہوں وہ تم سنتے ہو" یعنی جب منصب ہدایت ختم نبوت کے بعد امامت کے پاس آیا تو ضروری تھا کہ وہ تمام صفات جو ایک ہادیٔ مطلق نبی میں ہوتے ہیں وہ امام میں منتقل ہو جائیں۔

۳۔ محمد بن يحيى، عن احمد بن محمد عن الحسن بن محبوب، عن الاحول قال: سالت ابا جعفرؑ عن الرسول و النبى والمحدث، قال: الرسول الذى ياتيه جبرئيل قبلا فيراه ويكلمه فهذا الرسول واما النبى فهو الذى يرى فى منامه نحور و يا ابراهيمؑ ونحو ما كان راى رسول اللهؐ من اسباب النبوة قبل الوحى حتى اتاه جبرئيلؑ من عند الله بالر سالة وكان محمدؐ حين جمع له النبوة وجاء ته الرسالة من عند الله يجئه بها جبرئيل ويكلمه بها قبلا ومن الانبيا من جمع لوه النبوة ويرى فى منامه وياتيه الروح ويكلمه ويحدثه من غيران يكون يرى فى اليقظة واما المحدث فهو الذى يحدث فيسمع ولا يعاين ولا يرى فى منامه.

۳۔ احول سے مروی ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے رسولؐ و نبی و محدث کا فرق پوچھا۔ فرمایا رسولؐ وہ ہے جس کے پاس جبرئیل آتے

ہیں ظاہر بظاہر وہ ان کو دیکھتا ہے اور کلام کرتا ہے یہ ہے رسولؑ، اور وہ نبی ہے جو خواب میں دیکھتا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا یا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبل وحی اسباب نبوت کو خواب میں دیکھا پھر ان کے پاس خدا کی طرف سے رسالت لے کر آئے اور جب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت و رسالت جمع ہوئیں تو جبرئیلؑ نے ان کے پاس آ کر ظاہر بظاہر کلام کیا اور بعض انبیاء ایسے ہیں کہ جب نبوت ان کو ملی تو انہوں نے خواب میں دیکھا اور روح فرشتہ ان کے پاس آیا اور ان سے کلام کیا اور حدیث بیان کی لیکن انہوں نے حالت بیداری میں اس کو نہ دیکھا اور محدث وہ ہے جو ملائکہ سے ہم کلام ہوتا ہے ان کا کلام سنتا ہے لیکن اسے دیکھتا نہیں اور نہ خواب میں نظر آتا ہے۔ (اصول کافی)

۴۔ احمد بن محمد و محمد بن یحییٰ، عن محمد بن الحسین، عن علی بن حسان، عن ابن فضال، عن علی بن یعقوب الهاشمی، عن مروان بن مسلم، عن بريد عن ابی جعفر و ابی عبداللهؑ فی قوله عزو جل: وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی ولا محدث- قلت: جعلت فداك ليست هذه قرائتنا فما الرسول والمحدث؟ قال: الرسول ولا محدث؛ قال: الرسول الذی يظهر له الملك فيكلمه والنبی هوالذی يرٰى فی منامه وربما اجتمعت النبوة والرسالة لواحد والمحدث الذی يسمع الصوت ولايرى الصورة قال: اصلحك الله كيف يعلم ان الذی

رای فی النوم حق وانه من الملك؟ قال: يوفق لذلك حتى يعرفه. لقد ختم الله بكتابكم الكتب وختم بنبيكم الانبياء۔

۴۔ راوی کہتا ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیہ وما ارسلنا الخ کی تلاوت کر کے پوچھا۔ کیا یہ ہماری قرأت نہیں، پس کیا فرق ہے رسولؐ و نبی و محدث میں فرمایا۔ رسولؐ وہ ہے جس کے پاس ظاہر بظاہر فرشتہ آتا ہے اور اس سے ہمکلام ہوتا ہے اور نبی وہ ہے جو خواب میں دیکھتا ہے اور بسا اوقات نبوت و رسالت شخص واحد میں جمع ہوتی ہیں اور محدث وہ ہے کہ آواز سنتا ہے اور صورت نہیں دیکھتا میں نے کہا۔ اللہ آپ کی حفاظت کرے وہ کیسے جانتا کہ خواب میں جو دیکھا وہ حق ہے اور یہ فرشتہ کہہ رہا ہے، فرمایا۔ بتوفیق الٰہی وہ جان لیتا ہے تمہاری کتاب پر خدا کی کتابیں ختم ہوگئیں اور تمہارے نبی پر انبیاء ختم ہوگئے۔ (اصول کافی)

طبقات انبیاء و رسل و آئمہ

۱۔ محمد بن يحيى، عن احمد بن محمد عن ابی يحيى الواسطی، عن هشام بن سالم، ودرست بن ابی منصور، عنه قال: قال ابو عبدالله ؑ الانبياء والمرسلون على اربع طبقات: فنبی منبا فی نفسه لايعدو غيرها ونبی يری فی النوم ويسمع الصوت ولايعاينه فی اليقظة ولم يبعث الى احد وعليه امام مثل ما كان ابراهيم ؑ على لوط ؑ

و نبی یری فی منامه و یسمع الصوت ویعاین فی الیقظة وهو امام مثل اولی العزم. وقد کان ابراهیم ؑ نبیا ولیس بامام حتی قال الله: انی جاعلك للناس اماما. قال: ومن ذریتی. فقال الله: لاینال عهدی الظالمین. من عبد صنما او وثنا لایکون اماماً۔ (الشافی جلد۴)

ا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: انبیاء و مرسلین کے چار طبقے ہیں ایک نبی وہ ہے جس کے نفس کو بذریعہ وحی غیب سے آگاہ کیا گیا ہے۔ دوسرے سے اس کی آگاہی کا تعلق نہیں، یعنی فرشتہ اس پر نہیں آیا۔ تیسرے وہ ہے جو خواب میں فرشتے کو دیکھتا ہے اس کی آواز سنتا ہے اور جاگتے میں نہیں دیکھتا اور کسی کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا بلکہ اس کا ایک امام ہوتا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام لوط علیہ السلام پر امام تھے اور ایک نبی وہ ہے جو خواب میں دیکھتا ہے اور فرشتہ کی آواز سنتا ہے اور اس کو ظاہر بظاہر دیکھتا ہے اور اس کو بھیجا جاتا ہے ایک گروہ کی طرف، کم ہو یا زیادہ کی طرف اور وہ زیادہ سے زیادہ تیس ہزار ہیں اور اس پر بھی امام ہوتا ہے اور چوتھے وہ نبی ہے جو بحالت خواب فرشتے کو دیکھتا ہے اس کا کلام سنتا ہے اس کا وجود بحالت بیداری دیکھتا ہے وہ امام ہوتا ہے جیسے انبیاء اولوالعزم حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے نبی تھے امام نہیں تھے پھر خدا نے ان کو امام بنایا انہوں نے کہا اور میری ذریت سے بھی امام بنائے گا۔ فرمایا اس عہدہ امامت کو ظالم نہ پائیں گے۔ یعنی جس نے بت پرستی کی ہوگی وہ امام نہیں ہوگا۔ (اصول کافی)

اوصیائے انبیا:

بسند معتبر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اول وصی جو زمین پر ہوئے ہبۃ اللہ پسر آدمؑ تھے اور کوئی پیغمبر ایسا نہیں گزرا جس کا وصی نہ ہوا ہو۔ اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث ہوئے جن میں پانچ نفوس اولوالعزم ہوئے۔ نوحؑ وابراہیمؑ وموسیٰؑ وعیسیٰ علیہم السلام و محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہی نسبت ہے جو ہبۃ اللہ کو حضرت آدم علیہ السلام سے تھی۔ حضرت علی علیہ السلام آنحضرتؐ کے وصی تھے اور جمیع اوصیائے گزشتگان کے وارث تھے، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء ومرسلین کے وارث تھے۔

حدیث معتبر میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ نے پانچ پیغمبروں کو عرب میں مبعوث فرمایا، وہ ہودؑ وصالحؑ واسمٰعیلؑ وشعیبؑ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو خاتم المرسلین ہیں۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔ (حیات القلوب جلد ۱)

حدیث صحیح میں منقول ہے کہ زرارہ نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نبی ورسولؐ کے معنی دریافت کئے۔ فرمایا کہ نبی وہ ہے جو خواب میں فرشتہ کو دیکھتا ہے اور بیداری میں صرف اس کی آواز سنتا ہے اور رسول وہ ہے جو خواب و بیداری دونوں حالتوں میں مَلک کو دیکھتا اور اس کی آواز بھی سنتا ہے۔ پوچھا کہ امام کی کیا منزلت ہے؟ فرمایا کہ صدائے مَلک سنتا ہے لیکن اس کو دیکھتا نہیں۔

یہاں یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ تعریف امام اصطلاحی ہے تاکہ نبوت ورسالت و امامت کے مراتب کو واضح کیا جائے ورنہ جہاں تک آئمہ معصومینؑ کا تعلق ہے تو حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول ہی کافی ہے کہ "یا علیؑ جو میں دیکھتا ہوں وہ تم بھی دیکھتے ہو، جو میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو۔"

ایک حدیث میں فرمایا کہ پیغمبروں کے چار طبقے ہیں۔ اول وہ جن کو خود ان کے نفس کے بارے میں خبر دی جاتی ہے دوسروں سے ان کو واسطہ نہیں ہوتا دوسرے وہ جو خواب میں مَلک

کو دیکھتے ہیں لیکن اس کی آواز نہیں سنتے اور نہ بیداری میں اس کو دیکھتے ہیں اور نہ وہ کسی پر مبعوث ہوتے ہیں۔ ان کا ایک امام ہوتا ہے جس کے وہ مطیع ہوتے ہیں جیسا کہ ابراہیمؑ لوطؑ پر امام تھے۔ تیسرے وہ جو خواب میں دیکھتے ہیں اور آواز سنتے ہیں اور ملک کو دیکھتے ہیں اور کسی گروہ پر مبعوث بھی ہوتے ہیں خواہ وہ گروہ کم ہو یا زیادہ جیسا کہ حق تعالیٰ نے یونسؑ کے بارے میں فرمایا ہے وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ (سورۂ صافات آیت ۱۴۷) (یعنی ہم نے ان کو ایک لاکھ بلکہ اس سے زیادہ لوگوں کی طرف بھیجا) حضرتؑ نے فرمایا کہ ایک لاکھ سے تیس ہزار اشخاص زیادہ تھے۔ چوتھے وہ ہیں جو خواب میں دیکھتے اور آواز بھی سنتے ہیں۔ فرشتے کو بیداری میں بھی دیکھتے ہیں دوسرے پیغمبروں کے امام و پیشوا بھی ہوتے ہیں مثل اولوالعزم کے اور فرمایا کہ ابراہیمؑ نبی تھے امام نہ تھے یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ "قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا"۔ یعنی میں نے تم کو لوگوں کو امام بنایا۔ تو انہوں نے عرض کی: "قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ"۔ یعنی میری ذریت میں سے بھی امام تو نے قرار دیا ہے۔'' اور غرض اس سے یہ تھی کہ ان کی تمام ذریت امام ہو۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: "قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ" (آیت ۱۲۴ سورۃ بقرہ) یعنی میرا عہد امامت و خلافت ستمگاروں تک نہیں پہنچے گا یعنی جو شخص کہ صنم یا بت کی پرستش کیے ہوگا اس کو امامت نہیں ملے گی۔

انبیاء جو ایک ہی عہد میں مبعوث ہوئے:

حدیث معتبر میں حضرات ائمہ علیہم السلام سے منقول ہے کہ پانچ سریانی پیغمبر ہوئے جو سریانی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ آدم، شیث، ادریس، نوح اور ابراہیم علیہم السلام اور حضرت آدمؑ کی زبان عربی تھی اور عربی اہل بہشت کی زبان ہے۔ جب حضرت آدمؑ سے ترکِ اولیٰ صادر ہوا خداوند عالم نے ان کے لئے بہشت و نعمات بہشت کو زمین اور زراعت زمین سے تبدیل فرما دیا اور زبان عربی کو زبان سریانی سے بدل دیا۔ اور پانچ پیغمبر عبرانی تھے جن کی زبان عربی تھی۔ اسحٰق

ویعقوب وموسیٰ وداؤد وعیسیٰ علیہم السلام۔ اور پانچ عرب سے ہوئے۔ ہود، صالح، شعیب، اسمٰعیل علیہم السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پیغمبروں میں چار بیک وقت مبعوث تھے۔ ابراہیم، اسحٰق، یعقوب اور لوط علیہم السلام یہ بات بھی یہاں رد ہو جاتی ہے کہ رسول آخر کی موجودگی میں حضرت ابوطالبؑ کیسے نبی ہو سکتے ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ سنت پہلے ہی قائم کر دی تھی کہ ایک عہد میں دو یا دو سے زیادہ نبی ہو سکتے ہیں اور ابراہیم و اسحٰق علیہما السلام ارض بیت المقدس وشام کی طرف مبعوث ہوئے اور یعقوب علیہ السلام زمین مصر کی جانب اور اسمٰعیل علیہ السلام زمین جرہم کی سمت اور جرہم کعبہ کے گرد عمالیق کے بعد ساکن ہوئے تھے ان کو اس لئے عمالیق کہتے ہیں کہ یہ لوگ نسل عملاق بن لوط بن سام بن نوح علیہ السلام سے تھے اور لوطؑ چار شہروں کی جانب مبعوث ہوئے سدوم و حامور وصنعا وارما اور تین پیغمبر بادشاہ ہوئے۔ یوسفؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ اور چار بادشاہ تمام دنیا کے بادشاہ ہوئے دو مومن یعنی ذوالقرنین و سلیمانؑ اور دو کافر یعنی نمرود بن کوش بن کنعان اور بخت نصر۔

بسند معتبر امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے جتنے پیغمبروں کو خدا نے مبعوث فرمایا ہر ایک کو اس کی امت کی زبان پر مبعوث فرمایا اور مجھ کو ہر سیاہ وسرخ کی طرف زبان عربی ہی کے ساتھ مبعوث فرمایا۔

دوسری حدیث معتبر میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ نے کوئی کتاب اور وحی نہیں بھیجی مگر لغت عرب میں بھیجی مگر وہ پیغمبروں تک ان کی قوم کی زبان میں پہنچتی تھی اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک زبان عربی ہی میں آتی تھی۔

وحی کہاں سے آتی ہے:

بسند معتبر منقول ہے کہ ایک زندیق نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر تفسیر آیات قرآن کے متعلق چند سوالات کئے اور مسلمان ہوا۔ اس کا ایک سوال یہ تھا کہ آپ اس آیت کے بارے میں کیا فرماتے ہیں:

میں سب سے زیادہ نزدیک ہیں۔ ان کے اور خدا کے درمیان نور کے نوّے حجابات ہیں جو آنکھوں کو خیرہ کرتے ہیں جن کا وصف بیان سے باہر ہے اور میں اسرافیلؑ کے نزدیک خلق میں سب سے زیادہ مقرب ہوں۔ میرے اور ان کے درمیان ہزار سال کی راہ ہے۔

علامہ مجلسی کہتے ہیں کہ یہاں حجب سے مراد حجب معنوی ہیں۔ یعنی جناب مقدس ایزدی تعالیٰ شانہٗ کے تقدس و یکتائی و نورانیت کے حجابات جو اسرافیل کو اس کی حقیقتِ ذات و صفات کے ادراک سے مانع ہیں یا یہ مراد ہے کہ اسرافیل اور عرش کے اس مقام کے درمیان جہاں سے وحی صادر ہوتی ہے اس قدر فاصلہ ہے جیسا کہ دوسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ لوح محفوظ کے دو کنارے ہیں ایک عرش پر ہے دوسرا اسرافیلؑ کی پیشانی پر۔ جب پروردگار جلّ ذکرہٗ وحی کے ذریعہ سے تکلم فرماتا ہے لوح پیشانیٔ اسرافیلؑ سے ٹکراتی ہے وہ لوح پر نظر کرتے ہیں اور جو کچھ دیکھتے ہیں جبرئیلؑ سے بیان کرتے ہیں۔

بسند معتبر منقول ہے کہ زرارہ نے حضرت صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیونکر رسولؐ خدا کو معلوم ہوتا تھا جو کچھ ان پر خدا کی جانب سے نازل ہوتا تھا کہ یہ خدا ہی کی طرف سے ہے شیطان کی طرف سے نہیں ہے۔ فرمایا جس وقت حق تعالیٰ بندہ کو رسول بناتا ہے اس کو سکینہ و وقار عطا فرماتا ہے۔ اس لئے جو کچھ اس پر خدا کی جانب سے نازل ہوتا ہے اس طرح ظاہر ہوتا ہے جیسے کوئی چیز کوئی شخص اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہو۔

بسند معتبر منقول ہے کہ آنحضرتؐ سے لوگوں نے پوچھا کہ پیغمبران خدا کس طرح جانتے ہیں کہ وہ پیغمبر ہیں۔ فرمایا کہ پردے ان کے دلوں سے اٹھے ہوتے ہیں یعنی وہ صاحب یقین خلق کئے گئے ہیں ان کو شک نہیں ہوتا۔

نبی کی اقسام:

نبی کی دو اقسام ہیں: (1) نبی لنفسہ (2) نبی لغیرہ

نبی لنفسہ: یہ اپنی ذات کے لئے نبی ہوتا ہے یعنی اس پر اللہ کی طرف سے اخبار نازل ہوتے ہیں جن کے مطابق وہ خود عمل کرنے کا پابند ہوتا ہے۔

نبی لنفسہ کا کام: جو اپنی ذات کے لئے نبی ہوتا ہے وہ بغیر دعوئے نبوت کئے اپنے موثق قول و عمل سے معاشرے کی تطہیر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے اس قول و عمل سے دوسروں کے لئے بہترین نمونہ زندگی پیش کرتا ہے۔

تعداد انبیا لنفسہ: ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے جن میں سب سے پہلے آدمؑ ہیں اور آخری محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

نبی لغیرہ: یعنی جس نبی کو دعوت تبلیغ کی اجازت مل جائے یا دوسرے الفاظ میں نبی لغیرہ کا دوسرا نام رسول یا مرسل ہے۔ انبیاء لنفسہ ہی میں سے تین سو تیرہ انبیا لغیرہ انبیائے مرسلین یا رسول ہیں۔ جو بحکم الٰہی نبوت کا دعویٰ کر کے دوسروں کو اخبار الٰہی (علم و حکمت کی تعلیم) پہنچانے کے پابند ہوتے ہیں۔ تو اخبار الٰہی کے نزول کے حوالے سے یہ انبیاء لنفسہ ہوتے ہیں اور ان اخبار و احکام کو دوسروں تک پہنچانے کے حوالے سے انبیاء لغیرہ (رسول یا مرسل) ہوتے ہیں۔ (شیعہ مذہب کے اصول دین جلد ۲)

رب دو جہاں نے رسولوں کے دو مقاصد بیان کئے ہیں:

ا۔ لوگوں کو ہدایت کی نعمت نصیب ہو۔

۲۔ لوگ خدا کو اپنی گمراہی کا الزام نہ دے سکیں کہ اس نے کسی کو ان کی ہدایت کے لئے بھیجا ہی نہیں تھا۔

خدا نے رسولوں کو بھیجنے کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے سورۂ نساء آیت ۱۶۵ میں فرمایا ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ...(نساء ۱۶۵)

(ہم نے) رسولوں کو خوشخبری دینے والے اور عذاب سے خبردار کرنے والے بنا کر بھیجا تا کہ رسولوں کے بعد لوگ خدا کے سامنے کوئی حجت پیش نہ کر سکیں......۔

خداوند تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ...(بنی اسرائیل ۱۵)

اور ہم جب تک کسی رسول کو نہ بھیج دیں اس وقت تک ہم عذاب نہیں دیتے......

رسولوں کے آنے کے بعد ہی قوموں کی تقدیر کا فیصلہ کیا جاتا ہے:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔(یونس ۴۷)

ہر امت کی طرف رسول بھیجا گیا۔ جب ان کا رسول آتا ہے تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا جاتا۔

رسولوں کی نافرمانی کرنے والی قومیں دنیا و آخرت کے عذاب کی مستحق قرار پاتی ہیں۔

خدا فرعون اور اس سے پچھلی اقوام کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً۔(حاقہ ۱۰)

انہوں نے اپنے رب کے رسولوں کی نافرمانی کی تو خدا نے ان کو بڑا سخت پکڑا۔

رسول کی نافرمانی فرد واحد کی نافرمانی نہیں ہوتی بلکہ براہ راست خدا کی نافرمانی ہوتی ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا... (الجن ۲۳)

جو کوئی خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جہاں وہ ہمیشہ جلے گا۔

خدا نے نبیوں میں سے رسولوں کو منتخب کیا اسی لئے رسولوں کی تعداد نبیوں سے بہت کم ہے۔

انبیاء کی تعداد:

ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے پوچھا: یا رسول اللہؐ! انبیاء کی تعداد کتنی ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور ان میں سے تین سو پندرہ رسول ہیں۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۵)

چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ مثلاً حضرت الیسعؑ نبی تھے مگر وہ حضرت موسیٰؑ کے وصی تھے۔ خدا نے کچھ رسولوں کو ایسی شریعت کے ساتھ بھیجا تھا جس میں پچھلی شریعت کے کچھ احکام منسوخ تھے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں پچھلی شریعتوں کے چند منسوخ احکام شامل تھے۔ کچھ رسول ایسی شریعت لائے تھے جو پچھلی شریعت کی تجدید و تکمیل کرتی تھی۔ مثلاً حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو شریعت لائے ہیں وہ شریعت ابراہیمی کی تجدید و تکمیل کرتی ہے:

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (نحل ۱۲۳)

(اے رسولؐ) ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی کریں جو سیدھا دین ہے۔

دین وشریعت کا وہ سلسلہ جو حضرت آدمؑ سے شروع ہوا تھا حضرت خاتمؐ پر مکمل ہو گیا جیسا کہ فرمان خداوندی ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا.(المائدة٣)

(اے رسولؐ) آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

انبیاء ومرسلین کی اقسام

انبیا صاحبانِ کلمہ: چھ ہیں: آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

انبیا صاحبانِ شریعت: پانچ ہیں: نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

انبیا صاحبانِ کتاب: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صاحبِ کلمہ: اس کا صاحب شریعت تازہ یا صاحب کتاب ہونا ضروری نہیں۔ جیسے آدم علیہ السلام بغیر کتاب وشریعت کے بھی صاحبِ کلمہ ہیں۔

صاحبِ شریعت: اس کا صاحب کلمہ ہونا ضروری ہے۔ لیکن صاحبِ کتاب ہونا ضروری نہیں جیسے ابراہیم صاحبِ کلمہ وصاحبِ شریعت ہیں بغیر کتاب مثل کتب اربعہ آسمانی۔

صاحبِ کتاب: صاحبِ کتاب کے لئے صاحبِ کلمہ وشریعت ہونا

ضروری نہیں۔ جیسے داؤدؑ بغیر کلمہ وشریعت اولوالعزم اور افضل ہیں۔

دیوانِ ابوطالب صحیفۂ آسمانی:

اس ضمن میں اگر کلام ابوطالبؑ کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں کچھ ایسی مافوق العقل باتیں ہیں مثلاً مستقبل کی خبریں، ماضی کے قصص، انبیا کے حالات وغیرہ جس سے ثابت ہوتا ہے یہ کلام حضرت ابوطالبؑ پر القا ہوا تھا آگے آنے والے صفحات میں صحیفۂ ابوطالبؑ (کلامِ ابوطالبؑ) کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

مقصودِ کلمہ وصاحبانِ کلمہ نبوت

صاحبِ کلمہ: ہر صاحبِ کلمہ سے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے اور کلمہ اس کی نشاندہی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کے لئے ابتدائے نبوت سے قیامت تک سبع مثانی (نور اول کے حامل سات نام ۱۴ معصوم) کی نشانی کے طور پر ہدایت کے سات ادوار مقرر کئے ہیں۔ (جیسے سات زمینیں اور سات آسمان۔)

پہلا دورِ ہدایت: یہ صاحب کلمہ آدم صفی اللہ سے شروع ہوا جبکہ افرادی کمی کے باعث کسی شریعت (قانونِ معاشرہ) کی ضرورت نہ تھی۔

دوسرا دورِ ہدایت: یہ صاحبِ کلمہ نوحؑ نجی اللہ سے شروع ہوا۔ جب لوگوں کی تعداد کافی بڑھ چکی تھی۔ وہ مِل جُل کر رہنے لگے۔ اس لئے اصول مدنیت (اشیاء کے تبادلہ ولین دین) کے لئے قیام عدل کی خاطر ایک قانونِ معاشرہ (شریعت) کی ضرورت پڑی اور اسے وقت کی ضرورت کے مطابق ایک ضابطۂ حیات کے طور پر نازل کیا گیا۔

تیسرا دورِ ہدایت: یہ صاحب کلمہ ابراہیم خلیل اللہ سے شروع ہوا جبکہ لوگ مختلف

بستیوں اور شہروں میں پھیل چکے تھے۔ مختلف قسم کے رسم ورواج اور مختلف قسم کے معاشروں کی پابندی کرنے لگے تھے جن کی ہم آہنگی کے لئے ایک ارتقائی شریعت (قانونِ معاشرہ) کی ضرورت تھی۔ جسے شریعت ابراہیمی نے پورا کیا۔

چوتھا دورِ ہدایت: یہ صاحبِ کلمہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے شروع ہوا۔ اس وقت لوگ جادو (نظر بندی) ٹونے اور عقل کو حیرت میں ڈال دینے والے کرتوت کرنے لگے تھے۔ کلام وکتابت نیز تقریر وتحریر کا زور تھا۔ معاشرہ کافی حد تک مرتفع ہو چکا تھا۔ مختلف اقوام وقبیلوں میں لوگ بٹ چکے تھے۔ اس وقت کی ضرورت کے تحت ایک ارتقائی شریعت (قانونِ معاشرہ) نازل کی گئی۔

پانچواں دورِ ہدایت: یہ صاحبِ کلمہ عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام سے شروع ہوا جبکہ روحانیت کی طرف لوگوں کا رجحان ہو چکا تھا۔ علمِ طب کی طرف لوگ راغب تھے۔ ارتقائی منزل کے رجحان کے پیش نظر شریعتِ موسوی ہی میں کچھ معمولی ردّ و بدل کے ساتھ ایک جدید شریعت (قانونِ معاشرہ) نازل کی گئی۔

چھٹا دورِ ہدایت: یہ صاحبِ کلمہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شروع ہوا۔ جب کہ رسل ورسائل۔ تقریر وتحریر نورانیت وآسمانی اخبار اور ہر اس شے کو ذہن انسانی قبول کرنے کی صلاحیت حاصل کرنے لگا جس کی قیامت تک ضرورت تھی تو ایک ایسی جامع واکمل نیز اٹل و مستقل ناسخ وناقابل منسوخ شریعت (قانونِ معاشرہ) نازل کردی گئی۔ جس میں انسانی زندگی کے لئے قبل از پیدائش سے لے کر بعد الموت تک ہر ہر حرکت وسکون کے لئے اور ہر ضرورت کے لئے مکمل اور واضح ترین حکم شریعت وقانون اور مکمل ضابطۂ حیات تا قیامِ قیامت دور کے لئے پیش کیا گیا۔ جس میں کسی چیز کی کمی کجی نہیں، اور اس کی سند قرآن ہے

علم یا اخبار کی بنیاد و ماخذ اور سند کتاب ہے

کتابوں کی ابتداء صحیفۂ آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ اور انبیاء پر بقدر ضرورت صحائف (حصہ کتاب) نازل ہوتے رہے۔ جن کی تعداد سو ہے۔ جیسے صحفِ ابراہیمؑ و موسیٰؑ۔ لیکن ضابطہ حیات کی سند بنا کر چار کتب آسمانی نازل ہوئیں۔

ا۔ توریت:

یہ موسیٰ علیہ السلام پر ۶ ماہِ رمضان المبارک کو نازل ہوئی۔ (بصورت الواح)

۲۔ زبور:

یہ داؤد علیہ السلام پر ۱۸ ماہِ رمضان المبارک کو نازل ہوئی۔

۳۔ انجیل:

یہ عیسیٰ علیہ السلام پر ۱۲ ماہِ رمضان المبارک کو نازل ہوئی۔

۴۔ قرآن:

یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا جو ۲۳ ماہِ رمضان المبارک کو عرش سے بیت المعمور میں نازل ہوا اور حسب ضرورت بتدریج ۲۲ سال ۷ ماہ اور ۲۱ دن میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زمین میں نازل ہوتا رہا جس میں علم کُل بطور اخبار کُل کا احصاء کر دیا گیا۔ جو ختم اخبار اور ختم نبوت کی دلیل ہے۔ (شیعہ مذہب کے اصول دین)

زمین حجّت خدا سے خالی نہیں رہتی

عدة من اصحابنا عن احمد بن محمد بن عيسى، عن محمد بن ابي عمير، عن الحسين بن ابي العلاء قال: قلت لابي

عبداللهؑ: تکون الارض لیس فیها امام؟ قال: لا،
قلت: یکون امامان؟ قال: لا الا واحدهما صامت.

راوی کہتا ہے میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا، ایسا ہو سکتا ہے کہ زمین پر کوئی حجت خدا نہ ہو فرمایا نہیں میں نے کہا دو امام بھی ایک وقت میں ہو سکتے ہیں فرمایا نہیں مگر ایک ان میں سے صامت (خاموش) ہوگا۔

علی بن ابراهیم، عن ابیه، عن محمد بن ابی عمیر، عن منصور بن یونس وسعدان بن مسلم عن اسحاق بن عمار عن ابی عبداللهؑ قال: سمعته یقول: ان الارض لا تخلو الا وفیها امام کیما ان زاد المومنون شیئا ردهم وان نقصوا شیئا اتمه لهم.

راوی کہتا ہے میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے سنا۔ زمین حجت اللہ سے خالی نہیں رہتی اس میں ایک امام ضرور رہتا ہے تا کہ مومنین اگر امر دین میں کوئی زیادتی کریں تو وہ رد کر دے اور اگر کمی کر دیں تو اس کو ان کے لئے پورا کر دے۔

محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد عن علی بن الحکم، عن ربیع بن محمد المسلی، عن عبدالله بن سلیمان العامری، عن ابی عبداللهؑ قال: ما زالت الارض الا ولله فیها الحجة یعرف الحلال والحرام ویدعو الناس الی سبیل الله.

فرمایا امام جعفر صادق علیہ السلام نے زمین میں کوئی نہ کوئی حجت خدا ضرور رہتا ہے وہ لوگوں کو حلال و حرام کی معرفت کراتا ہے اور ان کو راہ خدا کی طرف بلاتا ہے۔

قال ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلینی: حدثنا علی بن ابراهیم، عن ابیه عن العباس بن عمر الفقیمی، عن هشام بن الحکم، عن ابی عبدالله انه قال للزندیق الذی ساله من این اثبت الانبیاء والرسل؟ قال: انا لما اثبتنا ان لنا خالقا صانعا متعالیا عنا وعن جمیع ماخلق وکان ذلك الصانع حکیما متعا لیالم یجز ان یشاهده خلقه ولا یلامسوه فیبا شرهم ویباشروه ویحا جهم ویحاجوه، ثبت ان له سفراء فی خلقه یعبرون عنه الی خلقه و عباده و یدلونهم علی مصالحهم ومنافعهم ومابه بقا وهم وفی ترکه فناوهم: فثبت الامرون والناهون عن الحکیم العلیم فی خلقه والمعبرون عنه جل وعز وهم الانبیاء علیهم السلام و صفوته من خلقه حکماء مودّبین بالحکمة مبعوثین بها، غیر مشارکین للناس علی مشارکهم لهم فی الخلق والترکیب فی شیء من اجوالهم مویدین من عندالحکیم العلیم بالحکمة، ثم ثبت ذلك فی کل دهر وزمان مما اتت به الرسل والانبیاء من الدلائل والبراهین لکیلا تخلو ارض الله من حجة یکون معه علم یدل علی صدق مقالته وجواز عدالته۔

''ہشام بن الحکم سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک زندیق

(دہریہ) نے کہا۔ انبیاء و مرسلین کے آنے کا ثبوت کیا ہے فرمایا جب ہم پر یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ہمارا ایک خالق ہے جو صانع عالم ہے اور ہم سے اور تمام مخلوق سے بلند و برتر ہے اور یہ صانع حکیم سب پر غالب ہے اور یہ بھی جان لیا کہ مخلوق میں سے کوئی اس کو دیکھ نہیں سکتا اور نہ اس کو چھو سکتا ہے اور نہ وہ مخلوق سے ملتا ہے اور نہ مخلوق اس سے ملتی جلتی ہے تو ثابت ہو گیا کہ اس کے کچھ پیغامبر اس کے بندوں کی طرف آئے تا کہ وہ اس کی باتیں بتائیں اور اس کے مصالح اور منافع کو سمجھائیں اور ان چیزوں کو بتائیں جن کے بجالانے میں ان کی بقاء اور ترک میں ان کی موت ہو پس وہ ثابت ہوئے خدا کی مخلوق کو امر و نہی کرنے والے اور اس کے احکام کو بتانے والے وہی لوگ انبیاء علیہم السلام ہیں جو اس کے برگزیدہ بندے صاحب حکمت اور ادب آموز ہیں اور راست گفتار اور درست کردار ہیں ان کی اس خصوصیت میں کوئی ان کا شریک نہیں باوجودیکہ بلحاظِ خلقت وہ لوگوں کے شریک ہیں اور وہ خدائے حکیم و علیم کی طرف سے موید بالحکمہ ہیں۔

یہ بھی ثابت ہے کہ زمانہ کے ہر حصہ میں انبیاء و مرسلین دلائل و براہین کے ساتھ آتے رہے تا کہ زمین کسی وقت حجت خدا سے خالی نہ رہے اور ہر حجت کے ساتھ علم ہوتا ہے جو دلیل ہوتا ہے ان کے راستی گفتار اور صاحب عدل و انصاف ہونے کی''۔ (الشافی جلد ۲)

بسند معتبر حضرت صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی مدت پیغمبری ختم ہوگئی اور ان کی عمر آخری ہوئی حق تعالیٰ نے ان کو وحی فرمائی کہ اے آدم تمہاری پیغمبری کا زمانہ گذر گیا اور تمہاری عمر تمام ہوئی ہے لہٰذا جو کچھ تمہارے پاس علم و ایمان و میراث پیغمبری اور بقیہ علم و اسم اعظم ہے سب اپنے نائب ھبتہ اللہ کے سپرد کر دو کیونکہ میں زمین کو بغیر کسی عالم کے خالی نہ چھوڑوں گا۔ جس سے لوگ میری عبادت اور دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جانیں اور نجات اس کی ہے جو اس عالم کی اطاعت کرے۔

ابن بابویہ و صفار و مفید رحمہم اللہ نے بسند ہائے معتبر و صحیح حضرت صادق علیہ السلام سے

روایت کی ہے کہ زمین باقی نہیں رہے گی مگر یہ کہ اس میں کوئی عالم ہوگا جو دین کی زیادتی ونقصان جانتا ہوتا کہ اگر مومنین دین خدا میں کچھ زیادتی کریں تو ان کو (حدود خدا کی جانب) پلٹالائے اور اگر کچھ دین میں کمی کریں تو وہ ان کے لئے کامل کردے۔ الغرض وہ عالم کہے گا کہ دین خدا کو کامل وتمام حاصل کرو۔ اگر ایسا نہ ہوتو یقیناً مومنین پر ان کا امر ودین مشتبہ ہوجائے گا اور وہ حق وباطل میں فرق نہ کریں گے۔

بسند صحیح بسیار انہی حضرت سے منقول ہے کہ اگر زمین بغیر امام کے ایک لمحہ رہے تو بلاشبہ دھنس جائے۔

کلینی وابن بابویہ وغیرہ نے بسند ہائے معتبر انہی حضرت سے روایت کی ہے کہ اگر زمین میں دو مرد باقی ہوں تو ان میں سے ایک امام ہوگا۔ حضرت نے فرمایا کہ آخر میں جس کی وفات ہوگی وہ امام ہوگا تاکہ خدا پر کوئی حجت قائم نہ کرسکے کہ تو نے مجھے بغیر حجّت کے چھوڑ دیا تھا۔

اللہ کسی دور میں شیطان کو آزاد نہیں چھوڑتا:

ابن بابویہ وغیرہ نے بسند معتبر حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے کہ ”جبرئیلؑ جناب رسالتمآبؐ پر نازل ہوئے اور خدا کی جانب سے خبر لائے کہ اے محمدؐ! میں نے زمین کو نہیں چھوڑا ہے مگر یہ کہ اس میں ایک پیغمبر کی وفات کے بعد دوسرے پیغمبر کے آنے تک ایک عالم ہوگا۔ جس سے لوگ میری عبادت اور راہ ہدایت جانیں اور نجات خلق کا سبب ہو اور شیطان کو میں آزاد نہیں چھوڑتا ہوں کہ وہ لوگوں کو گمراہ کرے اور زمین پر میری کوئی حجت نہ ہو جو میری طرف لوگوں کو بلانے والا اور میری جانب ہدایت کرنے والا اور میرے امر دین کا عارف اور جاننے والا ہو۔ اس لئے میں نے ہر قوم کے لئے ہدایت کرنے والا منتخب اور مقرر کیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے سعادتمندوں کی ہدایت کروں اور بدبختوں پر حجت ہو“۔

نیز حضرت صادق علیہ السلام سے بسند معتبر روایت کی ہے کہ ”لوگوں کی اصلاح نہیں ہوتی

مگر امام کے ذریعہ سے"۔

اور بسند معتبر انہی حضرت سے روایت کی گئی ہے کہ "اگر زمین پر دو مرد بھی ہوں تو ان میں سے یقیناً ایک حجت خدا ہوگا"۔

یہاں قارئین اور صاحبانِ عقل سے یہی سوال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اپنے دور تک جبکہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان رسالت نہیں کیا تھا تو اس دور میں حجتِ خدا اور عالمِ اخبار سوائے اجدادِ رسولؐ کے اور کون تھا جس میں کی آخری کڑی حضرت ابوطالبؑ تھے۔ اگر ایسا نہ مانا جائے تو عدلِ الٰہی پر حرف آتا ہے کہ شیطان تو بہکانے کے لئے آزاد ہے لیکن راہِ راست بتانے کے لئے کوئی الٰہی نمائندہ نہیں ہے۔

بسند معتبر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ خدا کی قسم خدا نے زمین کو جس روز سے آدمؑ دنیا سے رخصت ہوئے ہیں بغیر امام کے خالی نہیں چھوڑا ہے تا کہ لوگ اس کے ذریعہ سے خدا کی جانب ہدایت پائیں اور وہ اس کے بندوں پر حجت ہو اور زمین بغیر حجت خدا کے باقی نہیں رہ سکتی جو اس کے بندوں پر ہوتا ہے جو شخص اس کی فرمانبرداری نہیں کرتا ہلاک ہوتا ہے اور جو اطاعت کرتا ہے نجات پاتا ہے اور یہ امر خدا پر واجب ہے۔ نیز انہی حضرت سے روایت ہے کہ زمین قائم و برقرار نہیں رہ سکتی مگر یہ کہ اس میں ظاہر یا پوشیدہ ایک امام ہوگا اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ زمین امام عادل سے خالی نہیں رہی ہے جس روز سے کہ خدا نے زمین و آسمان کو خلق فرمایا ہے اور قیامت تک خلق پر حجت خدا سے خالی نہ رہے گی۔

کلینی اور ابن بابویہ و شیخ طوسی نے بسند صحیح ابوحمزہ ثمالی سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا زمین بے امام کے باقی رہے گی فرمایا: اگر ایسا ہو تو فنا ہو جائے گی۔

بسند بسیار امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے بغیر عالم کے زمین کو خالی نہیں چھوڑا

ہے جو دین میں جو کچھ لوگ زیادہ کرتے ہیں وہ انہیں کم کرتا ہے اور جو کچھ کم کر دیتے ہیں وہ زیادہ کر دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو بے شک لوگوں کے امور ہر دم مختلف و مشتبہ ہو جائیں۔

حضرت عیسیٰؑ سے پیغمبرؐ تک:

بسند صحیح حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت رسالتمآبؐ کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ رہا ہے ڈھائی سو سال تک نہ کوئی پیغمبر تھا نہ کوئی ظاہری عالم۔ راوی نے پوچھا تو پھر لوگ اس وقت کیا کرتے تھے۔ فرمایا: دینِ عیسیٰ علیہ السلام سے متمسک تھے۔ پوچھا ان کا حال کیسا تھا فرمایا مومن تھے اور فرمایا کہ زمین بغیر کسی عالم کے نہیں رہتی یعنی اگر کوئی عالم ظاہر نہیں ہوتا تو پوشیدہ ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا روایت میں ''عالم'' کا لفظ استعمال ہوا ہے یہاں بھی امام کی مراد کسی کسبی عالم سے نہیں ہے بلکہ حاملِ علمِ لدنی سے مراد ہے۔ جس کا تذکرہ قرآن مجید کی سورۂ آل عمران میں موجود ہے ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ ۔ (آل عمران ۷)

جنہیں اللہ علم عطا کرتا ہے وہ راسخون فی العلم کی منزل پر فائز ہو کر عالم کہلاتے ہیں اور یہاں امام کی مراد عالم کی اسی قسم سے ہے جس میں امام خود بھی شامل ہیں۔

بسند معتبر حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جس روز سے زمین پیدا کی گئی ہے۔ کبھی ایسے عالم و حجت سے خالی نہیں رہی ہے جو امور حق کو ظاہر کرتا ہے جس کو لوگ ضائع و برباد کرتے ہیں پھر یہ آیت پڑھی:

"يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ" (توبہ ۳۲)

یعنی ''کفار چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے نور خدا کو بجھا دیں اور خدا اپنے نور کو کامل کرنے

والا ہے اگرچہ کافروں کو یہ ناپسند ہی ہو"۔

اور دوسری روایت میں فرمایا کہ "حجت خدا یعنی ہادی خلائق سے پہلے تھا اور خلائق کے ساتھ ہے اور بعد خلائق رہے گا"۔

نمائندہ الٰہی نہ ہو تو؟

بسند صحیح حضرت امام محمد باقر و جعفر صادق علیہم السلام سے روایت کی ہے کہ جو علم حضرت آدم علیہ السلام لے کے آئے وہ واپس نہیں گیا۔ کیونکہ علم میراث میں ہم کو پہنچتا ہے اور جو علم اور آثار انبیاء مرسلین اہلبیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ دوسروں سے اخذ کیا جاتا ہے وہ باطل ہے اس لئے کہ علی علیہ السلام اس امت کے عالم تھے اور ہم اہلبیتؑ میں سے کوئی عالم دنیا سے نہیں جاتا مگر یہ کہ اپنے بعد کسی کو مقرر کرتا ہے جو اسی کے ایسا علم جانتا ہے جو خدا چاہتا ہے۔

ابن بابویہ وصفار و برقی نے حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ "زمین میں خدا کی طرف سے ہمیشہ ایک حجت نبی یا امام رہا ہے جو حلال و حرام جانتا تھا اور لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیتا تھا۔ اور کوئی حجت یعنی ہادی سے زمین خالی نہیں ہوگی۔ مگر قیامت سے پہلے چالیس روز کے لئے غرضکہ جب وہ ہادی زمین سے اٹھا لیا جائے گا۔ تو توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور ایمان لانے والوں کا ایمان کچھ فائدہ نہ دے گا جو لوگ حجت کے چلے جانے کے بعد ایمان لائے ہوں گے وہ بدترین خلق ہوں گے۔ پھر ان کے لئے قیامت قائم ہوگی"۔

یعنی یہ قدرت کا قانون ہے کہ اگر دنیا سے اللہ کا منصوص نمائندہ (ہادی) اٹھا لیا جائے تو قدرت پر یہ بات واجب ہو جاتی ہے کہ قیامت آجائے اور توبہ کا دروازہ بند ہو جائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک توبہ کا قابل قبول رہنا اور قیامت بشکلِ عذاب کا نہ آنا یہ بتا رہا ہے کہ اُس دورِ فترت میں بھی کوئی ہادی من اللہ موجود تھا۔

بصائر الدرجات میں بسند حسن حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ لوگوں نے

انہی حضرت سے پوچھا کہ کیا بیک وقت زمین میں دو امام ہو سکتے ہیں۔ فرمایا نہیں مگر اس صورت میں کہ ایک خاموش رہے اور دوسرا امام اس سے پہلے امامت کا دعویٰ کرے اور اس کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد وہ امام ہو۔ (حیات القلوب)

ان روایات اور استدلال کے بعد سوچئے قبلِ بعثتِ رسولؐ اور بعد وفاتِ حضرت عبدالمطلبؑ اگر حضرت ابوطالبؑ کو الٰہی نمائندہ نہ مانا جائے تو زمین کا دھنس جانا، ہدایت کا مفقود ہونا لازم آتا ہے اور زمین کا نہ دھنسنا، ہدایت کا اترتے رہنا یہ بتاتا ہے کہ اس عہد کا الٰہی نمائندہ بصورت نبی یا وصی حضرت ابوطالبؑ کے سوا کون ہو سکتا تھا؟

قرآنی دلیل:۔

قرآن کریم میں پروردگار انبیاء سے لئے گئے عہد و پیمان کو اس انداز میں بیان فرماتا ہے۔

"وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ"(آل عمران ۸۱)

اور اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے نبیوں سے وعدہ لے لیا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت دے دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو اس سب کچھ کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔

اس آیۂ مبارکہ میں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ جملہ "وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ" (تا) "ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ" کو سورۂ بقرہ کی آیت ۲۱۳ ''كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً'' کی تفسیر میں ذکر کئے گئے مطالب کے تناظر میں دیکھا جائے تو نبوت و رسالت کے درمیان پائے جانے والے فرق سے آگاہی حاصل ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول، نبی ہوتا ہے یعنی

سلسلۂ ہدایت کی ان دو کڑیوں کا رتبہ میں فرق یہ ہے کہ ہر نبی، رسول نہیں ہوتا مگر ہر رسول، نبی ہوتا ہے،...... اور رسالت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے..... لہٰذا آیت مبارکہ کے الفاظ اس حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ جو عہد و میثاق انبیاء سے لیا گیا وہ دراصل مقام نبوت سے مقام رسالت کے لئے لیا گیا تھا لیکن اس کا الٹ نہیں یعنی مقام رسالت سے مقام نبوت کے لئے کوئی عہد نہیں لیا گیا۔

اس لطیف نکتہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے زیر بحث آیۂ مبارکہ کی تفسیر میں بعض مفسرین کے ان ذکر کردہ مطالب پر بحث وتمحیص کی راہ کھل جاتی ہے جن میں انہوں نے کہا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ تمام انبیاء سے تمام انبیاء کے لئے میثاق لیا گیا کہ وہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں یعنی ہر نبی دوسرے نبی کی نبوت کو تسلیم کرے اور اس پر ایمان لانے کا حکم دے، گویا آیۂ مبارک اس مطلب کو بیان کرتی ہے کہ دین ایک ہے اور تمام انبیاءؑ اسی کی دعوت دیتے ہیں،...... اس پر بحث ومباحثہ کا امکان کسی وضاحت کا محتاج نہیں......۔

آیت کے معنی کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے تمام انبیاءؑ اور ان کی امتوں سے یہ عہد و پیمان لیا کہ اگر اللہ انہیں کتاب وحکمت عطا کرے اور ان کے پاس وہ رسول آئے جو ان کے پاس موجود خدا کی عطا کردہ کتاب وحکمت کی تصدیق کرنے والا ہو تو وہ خدا کی دی ہوئی کتاب وحکمت پر ضرور ایمان لائیں اور اس رسول کی نصرت و مدد کریں تو یہی کام انبیاءؑ کی طرف سے ایک دوسرے کی تصدیق کرنے کا نام ہے یعنی بعد میں آنے والے نبی کی طرف سے اپنے ماقبل اور اپنے ہم عصر نبی کی تصدیق اور پہلے آنے والے نبی کی طرف سے بعد میں آنے والے نبی کی تشریف آوری کی بشارت وخوشخبری ہے اور امت کو اس پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت کا تاکیدی فرمان ہے۔ اسی طرح امت کی طرف سے ان انبیاءؑ پر ایمان لانے، ان کی تصدیق کرنے اور ان کی نصرت و مدد کرنے کا معنی بھی یہی ہے، اسی کو دین کا

ایک ہونا کہا جاتا ہے اور اسی سے دین کی وحدت کا ثبوت ملتا ہے......۔ (تفسیر المیزان جلد ۳)

ابوطالبؑ اور تصدیقِ نبوّت:

کلامِ ابوطلابؑ میں تصدیق ختمی نبوت کے اشارے جا بجا ملتے ہیں مثلاً

وَ اِنْ کَانَ اَحْمَدُ قَدْ جَآءَھُمْ

بِحَقٍّ وَ لَمْ یَاْتِھِمْ بِالْکَذِبِ

جبکہ احمد تو ان کے پاس حق لے کر آئے ہیں اور انہوں نے جھوٹ نہیں کہا۔

اَنْتَ الرَّسُوْلُ رَسُوْلُ اللہِ نَعْلَمُہٗ

عَلَیْکَ نَزَلَ مِنْ ذِی الْعِزَّۃِ الْکُتُبُ

ہم یہ جانتے ہیں کہ آپؐ ہی رسول برحق ہیں جس پر کتاب نازل ہوئی ہے۔

انبیاءؑ سے خدائی عہد و پیمان

تفسیر مجمع البیان میں مذکور ہے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"ان اللہ اخذ المیثاق علی الانبیاء قبل نبینا ان یخبرو امھم بمعثہ و یبشر وھم بہ و یامروھم بتصدیقہ"

(خداوند عالم نے ہمارے نبیؐ سے ماقبل انبیاء کرامؑ سے عہد لیا کہ وہ اپنی امتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری و بعثت اور صفات و اوصاف سے آگاہ کریں اور انہیں ان کی آمد کی بشارت و خوشخبری دیں اور انہیں ان کی تصدیق کرنے اور ان پر ایمان لانے کا حکم دیں۔ (مجمع البیان ج ۱ ص ۴۶۸)

حضرت ابوطالبؑ بھی اسی منصب پر فائز تھے اور منصبی ذمہ داریاں نبھاتے رہے اور حکمِ تصدیقِ رسالت دیتے رہے چنانچہ صحیفۂ ابوطالبؑ میں ایک شعر موجود ہے:

ہے کہ آپؑ نے زیر نظر آیت مبارکہ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا:

(وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ ..)

"كل امة بتصديق نبيها والعمل بما جاءهم به فما وفوا به وتركوا كثيراً من شرائعهم وحرفوا كثيراً"

''یاد کرو اس وقت کو جب خدا نے انبیاءؑ کی امتوں سے عہد لیا کہ ہر امت اپنے نبی کی تصدیق کرے (اس پر ایمان لائے) اور وہ جو حکم الٰہی لائیں اس پر عمل کرے''، لیکن امتوں نے اس عہد کو پورا نہ کیا اور ان کے اکثر فرامین و دستورات کو ترک کر دیا اور کثیر احکام میں ردوبدل کر دی۔ (تفسیر مجمع البیان ج ۲ ص ۴۵۸)

اس روایت میں آیت مبارکہ کے ایک واضح مصداق کو بیان کیا گیا ہے، لہٰذا اس سے آیت میں انبیاءؑ اور ان کی امتوں دونوں کے مراد ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔

اقرار و عہد کی وضاحت

تفسیر مجمع البیان میں مذکور ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے ارشاد فرمایا: خداوند عالم نے انبیاء علیہم السلام سے پوچھا:

"ءاقررتم واخذتم على ذلكم اصري"

(کیا تم نے اقرار کر لیا ہے اور اس پر پختہ عہد لے لیا)

تو اس سے مراد یہ ہے کہ کیا تم نے اقرار کر کے اس پر اپنی امتوں سے عہد لے لیا ہے:

(اقررتم اخذتم العهد بذلك على اممكم؟)

قالوا: اقررنا بما امرتنا بالاقرار به.

انہوں نے (انبیاءؑ اور ان کی امتوں نے) کہا: ہاں، تو نے ہمیں جس چیز کے اقرار کا حکم دیا ہم نے اس کا اقرار کر لیا ہے۔

۲۔خدا کی طرف سے ہدایت پانے والا کبھی گمراہ نہیں ہوگا۔

۳۔ہر معصیت گمراہی ہے۔

۴۔خدا نے انبیاء علیہم السلام سے معصیت سرزد ہونے کی نفی کی ہے اوران کی مقدس مقام و مرتبت کو عصیان کی نجاست سے پاک قرار دیا ہے، اسی طرح انہیں وحی وصول کرنے، وحی کا ادراک کرنے اوراسے لوگوں تک پہنچانے میں خطاو غلطی کے ارتکاب سے مبّرا قرار دیا ہے۔گویا خدا کی طرف سے انبیاء کے ہدایت یافتہ ہونے کا اثبات، خدائی ہدایت سے بہرہ مند ہونے والوں سے گمراہی کی نفی اور ہر گناہ ومعصیت کا گمراہی قرار دیا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ خدانے انبیاء کی ذواتِ مقدسہ کو گناہ ومعصیت سے پاک ومنزہ اورفہم الوحی وتبلیغ الوحی کی بابت غلطی سے مبّرا ومنزّہ قرار دیا ہے۔

عصمت انبیاءؑ کے اثبات پر ایک قرآنی بیان!

"رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنذِرِيْنَ لِئَلاَّ يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ" (النساء ۱۶۴)

بھیجا پیغمبروں وخوشخبری دینے والے اور انذار کرنے والے (لوگوں کے دلوں میں خوف پیدا کرکے انہیں معصیت سے باز رکھنے والے) بنا کرتا کہ پیغمبروں کے بعد لوگوں کو خدا پر حجت قائم کرنے (بہانہ پیش کرنے) کا موقع نہ مل سکے۔

نبی نہ ہوتو اللہ کی حجّت قائم نہ ہو:

مندرجہ بالا آیت میں واضح طور پر مذکور ہے کہ خداوند عالم لوگوں کے ارتکاب معصیت میں ان کی بہانہ تراشی کا راستہ روکنا چاہتا ہے اور یہ کام پیغمبروں کو بھیج کر ہی انجام دینا چاہتا ہے کہ وہی اس کی صلاحیت واہلیت رکھتے ہیں، اور یہ بات واضح ہے کہ انبیاءؑ اس کام کو اسی صورت میں

انجام دے سکتے ہیں جب ان کا قول یا فعل خدا کے ارادہ و مرضی کے منافی نہ ہو اور خطا و معصیت کی کوئی صورت ان کے قول و فعل میں نہ پائی جائے تا کہ ان کے ذریعے لوگوں کی معصیت کے ارتکاب پر بہانہ تراشی کا سدِ باب ہو سکے ورنہ لوگ انبیاءؑ کے عمل کو بہانہ کے طور پر پیش کر کے خدا کے سامنے اپنے آپ کو بے قصور قرار دینے کی کوشش کریں گے جو کہ خداوند عالم کی طرف سے انبیاءؑ کے بھیجنے کی غرض کے منافی ہے۔ کیونکہ خدا نے انہیں اس لئے بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو ارتکاب معصیت سے روکیں اور ان کے امر و نہی کے بعد لوگ خدا کے سامنے بہانہ تراشی کا موقع نہ پا سکیں لیکن اگر وہ خود معصیت کا ارتکاب کرتے ہوں تو نہ تو دوسروں کو اس سے منع کر سکتے ہیں اور نہ ہی لوگوں کی بہانہ تراشی کا سدِ باب ہو سکتا ہے جبکہ ان کے بھیجنے کا اصل وہی مقصد تھا۔

عن ابی عبداللہ: اِنَّ فاطمہ بنت اسد
جاء ت اِلٰی ابی طالب لتبشّرہ بمولد
النّبی فقال ابوطالب اصبری سبتا
ابشّرک بمثلہٖ اِلاّ النبوّۃ

امام صادقؑ فرماتے ہیں: بے شک فاطمہؑ بنت اسد
ابوطالبؑ کے پاس آئیں تا کہ ابوطالبؑ کو پیغمبرؐ کی
ولادت کی بشارت دیں تو (فوراً) ابوطالبؑ نے فرمایا:
(اے فاطمہ بنت اسد) صبر کرو میں تم کو بشارت دیتا
ہوں کہ (اللہ تم کو) تیس سال بعد ان کے مثل فرزند عطا
فرمائے گا مگر وہ نبی نہیں ہوگا۔

(اصول کافی، ج ۱، ص ۴۵۲، بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۷۷،
من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۱۲، ص ۲۲۱)

ہے کہ آپؑ نے زیر نظر آیت مبارکہ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا:

(وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ..)

"کل امة بتصديق نبيها والعمل بما جاءهم به فما وفوا به وتركوا كثيراً من شرائعهم وحرفوا كثيراً"

"یاد کرو اس وقت کو جب خدا نے انبیاءؑ کی امتوں سے عہد لیا کہ ہر امت اپنے نبی کی تصدیق کرے (اس پر ایمان لائے) اور وہ جو حکم الٰہی لائیں اس پر عمل کرے"، لیکن امتوں نے اس عہد کو پورا نہ کیا اور ان کے اکثر فرامین و دستورات کو ترک کر دیا اور کثیر احکام میں رد و بدل کر دی۔ (تفسیر مجمع البیان ج ۲ ص ۴۶۸)

اس روایت میں آیت مبارکہ کے ایک واضح مصداق کو بیان کیا گیا ہے، لہٰذا اس سے آیت میں انبیاءؑ اور ان کی امتوں دونوں کے مراد ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔

اقرار و عہد کی وضاحت

تفسیر مجمع البیان میں مذکور ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمایا: خداوند عالم نے انبیاء علیہم السلام سے پوچھا:

"ءاقررتم واخذتم على ذلكم اصري"

(کیا تم نے اقرار کر لیا ہے اور اس پر پختہ عہد لے لیا)

تو اس سے مراد یہ ہے کہ کیا تم نے اقرار کر کے اس پر اپنی امتوں سے عہد لے لیا ہے:

(اقررتم اخذتم العهد بذلك على اممكم؟)

قالوا: اقررنا بما امرتنا بالاقرار به،

انہوں نے (انبیاءؑ اور ان کی امتوں نے) کہا: ہاں، تو نے ہمیں جس چیز کے اقرار کا حکم دیا ہم نے اس کا اقرار کر لیا ہے۔

"قال الله: فاشهدوا بذلك على امكم وانا معكم من الشاهدين عليكم وعلى امكم"

خدا نے فرمایا کہ تم اس میں اپنی امتوں کے گوارہ رہو، اور میں تم پر اور تمہاری امتوں پر گواہ ہوں۔ (تفسیر مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۴۶۸)

انبیاءؑ کی عصمت:

عصمت کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ وحی وصول کرنے کے مرحلہ میں غلطی سے محفوظ ہونا۔

۲۔ تبلیغ اور خدا کے احکامات لوگوں تک پہچانے میں غلطی سے محفوظ ہونا۔

۳۔ گناہ سے پاک ہونا، گناہ ومعصیت سے مراد ہر وہ کام ہے جس سے بندگی کے تقاضوں کی پامالی اور خدا کی نافرمانی لازم آتی ہو، یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ معصیت ہر وہ قول یا فعل ہے جو بندگی کے منافی ہو خواہ اس کا منافی ہونا کسی بھی حوالہ یا نسبت سے ہو اور عصمت سے ہماری مراد یہ ہے کہ انسان ''معصوم'' کے وجود میں ایسی خصوصیت وصلاحیت پائی جائے جو اسے غلطی یا گناہ کے ارتکاب سے محفوظ کرے۔

اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ مذکورہ بالا تین قسموں کے علاوہ دیگر امور میں خطا وغلطی سرزد ہونے کی بابت حقیقت امر کیا ہے؟ آیا ان کے علاوہ ان چیزوں میں انبیاء علیہم السلام سے خطا سرزد ہو سکتی ہے جو عام طور پر انسان کے حواس اور ادراکات وعلوم کے باب سے ہیں اور ان میں انسان سے غلطی سرزد ہو جاتی ہے (یعنی عام معاشرتی مسائل وغیرہ میں ان سے خطا وغلطی کی بابت صحیح نظریہ کیا ہے؟) اسی طرح تکوینی امور میں صحیح وغلط اور نفع ونقصان کی تشخیص میں جو غلطی عام انسانوں سے ہو جاتی ہے انبیاء الٰہیؑ سے بھی ان میں خطا سرزد ہو سکتی ہے؟

بہرحال قرآن مجید مذکورہ تین قسموں میں انبیاء علیہم السلام کی عصمت کو مضبوط طریقے سے

ثابت کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو: وحی کے وصول کرنے اور تبلیغ رسالت (پیام واحکامات خداوندی کو لوگوں تک پہنچانے) میں خطاو غلطی سے محفوظ ہونے کے بارے میں ارشاد حق تعالیٰ ہے:۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. البقرة ۲۱۳

اس آیت میں "انزل معھم الکتاب" (ان کے ساتھ کتاب نازل کی) سے مراد وحی ہے یعنی خداوند عالم نے انبیاء علیہم السلام پر وحی کے ذریعے اپنے احکامات نازل کئے تاکہ وہ لوگوں کو اعتقاد وعمل دونوں میں حق وحقیقت کی واضح رہنمائی کرسکیں اور انہیں آگاہی دلاسکیں کہ کیا عقیدہ صحیح اور کیا عمل درست ہے، یہی امر ہی انبیاء علیہم السلام کو بھیجنے میں خدا کا اصل مقصد و ہدف ہے، چنانچہ سورۂ طٰہٰ کی آیت ۵۲ میں مذکور ہے: "لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى" (میرا رب نہ تو بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے) اس آیت میں واضح طور پر بیان کردیا گیا ہے کہ خدا اپنے کسی فعل میں ہرگز بھولنے وبھٹکنے کا شکار نہیں ہوتا، اس کے کسی بھی کام میں کسی قسم کے نقص وکمی کا تصور نہیں ہوسکتا بلکہ وہ جو کچھ انجام دیتا ہے وہ ہر لحاظ سے صحیح ودرست ہوتا ہے، وہ جس چیز کا بھی ارادہ کرتا ہے اس کی راہ میں کسی خطاء واشتباہ کی گنجائش ہی نہیں ہوتی بلکہ وہ چیز خدا کے ارادے کے عین مطابق وجود میں آجاتی ہے اور جب وہ کسی مقصد کے لئے کوئی روش اپناتا ہے تو اس میں کسی طرح سے بھی بھولنے بھٹکنے سے ہرگز دوچار نہیں ہوتا، ایسا کیوں نہ ہو، اقتدار کا مالک بھی وہی ہے، چونکہ اس نے انبیاءؑ کو اپنے پیغامات واحکامات لوگوں تک پہنچانے کے لئے بھیجا تو ان پر

وحی کی اور انہیں دینی معارف سے بھرپور آگاہی دلائی لہٰذا ضروری ہے کہ وہ وحی کے وصول کرنے میں کمی وبیشی اور خطا و غلطی سے مبرّ اومحفوظ ہوں تا کہ خدا کی ہر بات، پیغام یا حکم صحیح و مکمل طور پر لوگوں تک پہنچا سکیں اور ادائے رسالت الٰہی میں کسی قسم کی غلطی وخطا کے مرتکب نہ ہوں، اس سلسلے میں ارشاد حق تعالیٰ ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا" (الطلاق ۳)

(خدا کا ہر کام پورا ہونے والا ہے، خدا نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر دیا ہے)

"وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰۤی اَمْرِہٖ" (یوسف ۲۱)

(خدا اپنے ہر کام پر غالب وقادر ہے)۔

عصمت انبیاءؑ کی ایک اور دلیل:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِہٖۤ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّہٗ یَسْلُکُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ رَصَدًا ۙ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا. (الجن ۲۶ تا ۲۸)

خدا عالم غیب ہے وہ اپنے غیب سے کسی کو آگاہ نہیں کرتا سوائے اس کے کہ جسے پسند کر لے اور وہ رسول میں سے ہو، وہ ان کے آگے پیچھے نگہبان ونگران رہتا ہے تا کہ آگاہ ہو کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے وہ ان پر محیط ہے اور ہر چیز اس کی گنی ہوئی ہے۔

اس آیت سے واضح ہے کہ خداوند عالم اپنے رسولوں کو وحی کا شرف عطا کرتا ہے' انہیں غیب سے آگاہی دلاتا ہے اور اپنی نگرانی کے ساتھ ان کے تمام اطراف میں ان کی حفاظت کرتا ہے تا کہ جس چیز کی وحی انہوں نے کی ہے وہ نہ تو ضائع ہونے پائے اور نہ ہی کوئی شیطان اس میں

تبدیلیاں پیدا کرنے کی کوشش میں کامیاب ہوسکے اور وہ صحیح طور پر اپنے پروردگار کے پیغامات و احکامات لوگوں تک پہنچا سکیں۔

اسی آیت کی مانند ایک اور آیت میں خداوند عالم نے فرشتوں کے بیان کو ذکر فرمایا ہے:

"وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا" (مریم ۶۴)

ہم نازل نہیں ہوتے مگر آپؐ کے رب کے حکم کے ساتھ، اسی کے ہاتھ میں ہے جو کچھ بھی ہمارے سامنے، ہمارے پیچھے اور اس کے درمیان میں ہے اور آپؐ کا پروردگار ہرگز بھولنے والا نہیں ہے۔

مذکورہ آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ وحی اپنے تمام مراحل میں یعنی نازل ہونے، نبیؐ تک پہنچنے اور نبیؐ کے ذریعے لوگوں تک پہنچنے میں ہر قسم کی تبدیلی اور کسی کی دخل اندازی و دست درازی سے محفوظ رہتی ہے کوئی اس میں تغیر و تبدل نہیں کرسکتا۔

اجدادِ نبیؐ عبادت گذار تھے:

اس لئے ضروری ہے کہ جو بھی اللہ کی طرف سے ہدایت کے منصب کا حامل ہو چاہے وہ نبی ہو، امام ہو یا وصی ہو وہ ادائے منصب الٰہی میں گناہ و معصیت اور احکام الٰہی کی عملی مخالفت سے بھی پاک و مبرّہ اور معصوم ہوں ورنہ ان کی عصمت کامل نہیں ہوگی۔ چنانچہ اجدادِ نبیؐ بشمول حضرت ابوطالبؑ جو سب کے سب اوصیائے انبیا یا خود نبی (مخفی) ہونے کا درجہ رکھتے تھے ان کو معصوم عن الخطا ماننا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ یہ ثابت ہی نہیں کرتی کہ ان حضرات نے کبھی بت پرستی کی ہو اس ضمن میں کمال الدّین و اتمام النعمۃ میں شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت محفوظ کی ہے:

عَنِ الْاَصْبَغْ بِنْ نَبَاتَة و قَالَ: سَمِعْتُ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ يَقُوْلُ: وَ اللهِ مَا عَبَدَ اَبِيْ وَ لَا جَدِّيْ عَبْدُ الْمُطَّلِبْ وَلَا هَاشِمُ وَلَا عَبْدُ مَنَافٍ صَنَمٌ قَطُّ. قِيْلَ لَهُ: فَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ؟ قَالَ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ اِلَى الْبَيْتِ عَلٰى دِيْنِ اِبْرَاهِيْمَ ؑ مُتَمَسِّكِيْنَ بِهٖ.

اصبغ بن بناتہ کہتے ہیں کہ میں نے امیرالمومنینؑ سے سنا انہوں نے فرمایا:

''خدا کی قسم میرے والد نے اور میرے دادا ہاشم اور عبد مناف نے کبھی بتوں کی پوجا نہیں کی۔ وہ سب کے سب خدا پرست تھے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ وہ کس کی عبادت کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا وہ دین ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار تھے اور خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے''۔

لہٰذا یہاں یہ بات ماننا پڑے گی کہ جو شخص معصیت اور خطا سے محفوظ نہ ہو اس سے ادائے رسالتِ الٰہیہ اور تبلیغِ احکامِ خداوندی میں غلطی وخطا کے سرزد ہونے کی نفی کو کس طرح یقینی قرار دیا جا سکتا ہے؟

انبیاء علیہم السلام کی عصمت مطلقہ (ہر چیز میں غلطی وخطا اور معصیت سے پاک ہونے) کی دلیل:

أُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ. (الانعام ۹۰)

یہی وہ لوگ ہیں کہ جنہیں خدا نے ہدایت کی ہے پس انہی کی ہدایت کی اقتدا و پیروی کریں۔

خداوند عالم نے تمام انبیاء علیہم السلام کو یقینی طور پر ہدایت سے نوازا ہے،

"وَمَن يَهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِن مُّضِلٍّ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيزٍ ذِي انْتِقَامٍ" (زمر ۳۷)

جسے خدا گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں کرسکتا اور جسے خدا ہدایت سے نوازے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا۔

مَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ فَہُوَ الۡمُہۡتَدِ (کہف ۱۷)

جسے خدا ہدایت فرمائے وہی ہدایت یافتہ ہے۔

خداوند عالم نے ان لوگوں سے جو اس کی ہدایت کے سبب ہدایت یافتہ ہوئے ہر گمراہ کرنے والے کی اثر آفرینی کی نفی کی کہ کوئی شخص انہیں گمراہ نہیں کرسکتا یعنی اگر کوئی گمراہ کرنے والا انہیں گمراہ کرنے کی کوشش کرے تو اس کی کوششیں نتیجہ بخش ثابت نہیں ہوں گی، بنابرایں خدا کی ہدایت سے بہرہ مند ہونے والوں کو گمراہی ہرگز نہیں چھو سکتی، اور خداوند عالم نے ہر معصیت کو گمراہی قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوا:

اَلَمۡ اَعۡہَدۡ اِلَیۡکُمۡ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّیۡطٰنَ ۚ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ۙ وَّ اَنِ اعۡبُدُوۡنِیۡ ؕ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ وَ لَقَدۡ اَضَلَّ مِنۡکُمۡ جِبِلًّا کَثِیۡرًا ؕ اَفَلَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡقِلُوۡنَ

(یٰسٓ ۶۰تا۶۲)

اے بنی آدمؑ! کیا میں نے تم سے عہد و پیمان نہیں لیا کہ تم شیطان کی پرستش نہ کرنا کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اور یہ کہ تم صرف میری عبادت کرنا، یہی سیدھی راہ ہے، شیطان تو تمہارے بہت سے افراد کو گمراہ کر چکا ہے۔

بہرحال ہر معصیت کو "گمراہی" قرار دیا گیا ہے جو کہ شیطان کی طرف سے گمراہ کرنے کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے اور شیطان کی پیروی کو "اس کی پرستش" کرنے کا نام دیا گیا ہے، ان مطالب کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ:

۱۔ انبیاء خداوند عالم کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں۔

۲۔خدا کی طرف سے ہدایت پانے والا کبھی گمراہ نہیں ہوگا۔

۳۔ہر معصیت گمراہی ہے۔

۴۔خدا نے انبیاء علیہم السلام سے معصیت سرزد ہونے کی نفی کی ہے اوران کی مقدس مقام و مرتبت کو عصیان کی نجاست سے پاک قرار دیا ہے، اسی طرح انہیں وحی وصول کرنے، وحی کا ادراک کرنے اور اسے لوگوں تک پہنچانے میں خطاو غلطی کے ارتکاب سے مبّرا قرار دیا ہے۔گویا خدا کی طرف سے انبیاء کے ہدایت یافتہ ہونے کا اثبات، خدائی ہدایت سے بہرہ مند ہونے والوں سے گمراہی کی نفی اور ہر گناہ و معصیت کا گمراہی قرار دیا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ خدا نے انبیاء کی ذواتِ مقدسہ کو گناہ و معصیت سے پاک و منزہ اور فہم الوحی و تبلیغ الوحی کی بابت غلطی سے مبّرا و منزّہ قرار دیا ہے۔

عصمت انبیاءؑ کے اثبات پر ایک قرآنی بیان!

"رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنذِرِيْنَ لِئَلاَّ يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ" (النساء ۱۶۴)

بھیجا پیغمبروں و خوشخبری دینے والے اور انذار کرنے والے (لوگوں کے دلوں میں خوف پیدا کرکے انہیں معصیت سے باز رکھنے والے) بنا کرتا کہ پیغمبروں کے بعد لوگوں کو خدا پر حجت قائم کرنے (بہانہ پیش کرنے) کا موقع نہ مل سکے۔

نبی نہ ہو تو اللہ کی حجت قائم نہ ہو:

مندرجہ بالا آیت میں واضح طور پر مذکور ہے کہ خداوند عالم لوگوں کے ارتکاب معصیت میں ان کی بہانہ تراشی کا راستہ روکنا چاہتا ہے اور یہ کام پیغمبروں کو بھیج کر ہی انجام دینا چاہتا ہے کہ وہی اس کی صلاحیت و اہلیت رکھتے ہیں، اور یہ بات واضح ہے کہ انبیاءؑ اس کام کو اسی صورت میں

انجام دے سکتے ہیں جب ان کا قول یا فعل خدا کے ارادہ و مرضی کے منافی نہ ہو اور خطا و معصیت کی کوئی صورت ان کے قول و فعل میں نہ پائی جائے تا کہ ان کے ذریعے لوگوں کی معصیت کے ارتکاب پر بہانہ تراشی کا سدِ باب ہو سکے ورنہ لوگ انبیاءؑ کے عمل کو بہانہ کے طور پر پیش کر کے خدا کے سامنے اپنے آپ کو بے قصور قرار دینے کی کوشش کریں گے جو کہ خداوند عالم کی طرف سے انبیاءؑ کے بھیجنے کی غرض کے منافی ہے۔ کیونکہ خدا نے انہیں اس لئے بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو ارتکاب معصیت سے روکیں اور ان کے امر و نہی کے بعد لوگ خدا کے سامنے بہانہ تراشی کا موقع نہ پا سکیں لیکن اگر وہ خود معصیت کا ارتکاب کرتے ہوں تو نہ تو دوسروں کو اس سے منع کر سکتے ہیں اور نہ ہی لوگوں کی بہانہ تراشی کا سدِ باب ہو سکتا ہے جبکہ ان کے بھیجنے کا اصل وہی مقصد تھا۔

عن ابی عبداللّٰه: اِنَّ فاطمه بنت اسد

جاء ت اِلٰی ابی طالب لتبشّره بمولد

النّبی فقال ابوطالب اصبری سبتا

ابشّرك بمثلهٖ اِلاّ النبوّة

امام صادقؑ فرماتے ہیں: بے شک فاطمہؑ بنت اسد

ابوطالبؑ کے پاس آئیں تا کہ ابوطالبؑ کو پیغمبرؐ کی

ولادت کی بشارت دیں تو (فوراً) ابوطالبؑ نے فرمایا:

(اے فاطمہ بنت اسد) صبر کرو میں تم کو بشارت دیتا

ہوں کہ (اللہ تم کو) تیس سال بعد ان کے مثل فرزند عطا

فرمائے گا مگر وہ نبی نہیں ہوگا۔

(اصول کافی، ج۱،ص۴۵۲، بحار الانوار، ج۳۵،ص۷۷،

من لایحضرہ الفقیہ، ج۱۲،ص۲۲۱)

وصی اور وصایت

کتاب وسنت کی اصطلاح میں وصی اسے کہا جاتا ہے جسے کسی شخص نے وصیت کی ہو کہ میری وفات کے بعد میرا فلاں فلاں کام کرنا۔ اس کے لئے وصیت کرنے والا یہ کہتا ہے کہ "میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد فلاں فلاں کام کرنا یا یہ کہ میں تجھ سے عہد لے رہا ہوں کہ تو میرے بعد ایسا ایسا کرنا۔"

الغرض اس طرح کے الفاظ سے وصایت ثابت ہو جاتی ہے اور وصیت کرنے والا دوسروں کو یہ خبر دیتا ہے کہ میرے بعد فلاں شخص میرا وصی ہے۔ اتنا کہہ دینے سے بھی کہ "فلاں شخص میرے بعد میرا وصی ہے" وصایت ثابت ہو جاتی ہے۔

نبی کا وصی وہ ہوتا ہے جس کو نبی نے اپنی شریعت اور امت کے امور کی وصیت کی ہو۔

جب ہم اوصیاء کی سرگزشت پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں تاریخ طبری میں ملتا ہے کہ جناب حواؑ سے ہبۃ اللہ پیدا ہوئے جن کا عبرانی نام شیثؑ ہے۔ حضرت آدمؑ نے شیث کو اپنا وصی بنایا تھا۔ شیث سے انوش ہوئے جب وہ بیمار ہوئے تو انہوں نے انوش کو اپنا وصی بنایا۔ اس کے بعد ان کی وفات ہو گئی۔ انوش سے قینان کے علاوہ بھی بہت سے بیٹے ہوئے مگر قینان کو اپنا وصی بنایا۔ قینان کی مہلائیل اور یارد کے سوا دیگر اولادیں ہوئیں مگر قینان نے مہلائیل کو وصی بنایا۔ یارد سے اخنوخ (ادریسؑ) اور دیگر اولادیں ہوئیں مگر یارد نے ادریس کو وصی بنایا۔ ادریس سے متوشلخ اور دوسری اولادیں ہوئیں مگر ادریس نے متوشلخ کو وصی بنایا۔ (علیہم السّلام)

ابن سعد نے حضرت ادریسؑ کے بارے میں ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ

حضرت آدم کے بعد حضرت ادریسؑ پہلے نبی تھے اور ان کا نام اخنوخ بن یارد تھا...... ادریس سے متوشلخ اور دوسری بہت سی اولادیں ہوئیں۔ ادریسؑ نے متوشلخ کو اپنا وصی بنایا تھا۔ متوشلخ سے لمک اور دوسری بہت سی اولادیں ہوئیں۔ متوشلخ نے لمک کو اپنا وصی مقرر کیا تھا اور لمک سے حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے۔ (علیہم السلام)

مسعودی نے اپنی کتاب "اخبار الزمان" میں جو کچھ کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے: جب خدا نے حضرت آدمؑ کو موت دینے کا ارادہ کیا تو انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت شیثؑ کو اپنا وصی مقرر کریں اور تمام علوم کے اسرار تعلیم کریں جو خدا نے انہیں عطا کئے ہیں۔ حضرت آدمؑ نے خدا کے فرمان پر عمل کیا اور یہ کہ حضرت شیثؑ نے اپنے بیٹے حضرت قینانؑ کو اپنا وصی مقرر کیا۔ انہوں نے ان کو تمام صحیفوں کی تعلیم دی اور (مختلف مقاصد مثلاً تعمیرات اور زراعت وغیرہ کیلئے) زمین کی تقسیم سکھائی۔ انہیں نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے، حج کرنے اور اولاد قابیل سے جہاد کرنے کا حکم دیا۔ حضرت قینانؑ نے اپنے والد کی وصیت پر عمل کیا۔ وفات کے وقت حضرت قینانؑ کی عمر 720 برس تھی۔ حضرت قینانؑ نے اپنے بیٹے حضرت مہلائیلؑ کو اپنا وصی مقرر کیا اور انہیں وہی وصیت کی جو ان کے والد نے انہیں کی تھی۔ وفات کے وقت حضرت مہلائیلؑ کی عمر 875 برس تھی۔

حضرت مہلائیلؑ نے اپنے بیٹے حضرت یاردؑ کو وصی بنایا۔ انہوں نے بھی حضرت یاردؑ کو گزشتہ صحیفوں کی تعلیم دی اور (مختلف مقاصد کے لئے) زمین کی تقسیم بندی سکھائی۔ انہوں نے حضرت یاردؑ کو سرّ الملکوت نامی کتاب پڑھائی جو حضرت مہلائیلؑ نے ان کو پڑھائی تھی۔ اس سے پہلے یہ کتاب مہر شدہ حالت میں نسلاً بعد نسلٍ اوصیاء کے پاس منتقل ہوتی رہی تھی اور کسی نے ان کو کھولا نہ تھا۔

حضرت یاردؑ کے بعد حضرت ادریسؑ نبی ہوئے۔ انہوں نے دینی علوم اور کتب خدا کا اتنا درس حاصل کیا تھا کہ سب ان کو ادریسؑ کہنے لگے۔ خدا نے ان پر تیس صحیفے نازل فرمائے

تھے۔ ان سے قبل حضرت آدمؑ پر اکیس اور حضرت شیثؑ پر انتیس صحیفے نازل ہوئے تھے جو سب تسبیح و تہلیل پر مشتمل تھے۔ (مروج الذہب طبع بیروت، ج ۱، ص ۴۵)

حضرت یاردؑ نے حضرت ادریسؑ کو اپنا وصی مقرر کیا اور انہیں وہی وصیت کی جو ان کے والد نے ان کو کی تھی۔ انہوں نے اپنے تمام علوم حضرت ادریسؑ کو سکھائے اور کتاب سر الملکوت بھی ان کے سپرد کی۔

حضرت شیثؑ کے بعد وہ مصحف حضرت ادریسؑ کے حوالے کیا گیا۔

(اخبار الزمان، ص ۷۵)

یعقوبی نے اوصیاء کے واقعات کو تسلسل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ انہوں نے طبری اور ابن اثیر سے زیادہ تفصیل دی ہے اور امر وصیت کے متعلق کچھ دوسرے واقعات بھی تحریر کئے ہیں مثلاً یہ کہ جب حضرت آدمؑ کی وفات کا وقت ہوا تو شیثؑ اپنے بیٹوں اور پوتوں کے ہمراہ اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت آدمؑ نے انہیں خیر و برکت کی دعا دی اور حضرت شیثؑ کو اپنا وصی مقرر کیا۔

یعقوبی لکھتے ہیں کہ حضرت شیثؑ حضرت آدمؑ کے جانشین ہوئے۔ وہ اپنی قوم کو تقویٰ اور نیک اعمال کی تلقین کرتے تھے اور جب حضرت شیثؑ کی وفات کا وقت آیا تو ان کے بیٹے اور پوتے انوش، قینان، مہلائیل، یارد اور ادریس ان کے پاس آئے۔ ان کے خاندان کی عورتیں اور دیگر اولادیں بھی موجود تھیں۔ حضرت شیثؑ نے انہیں خیر و برکت کی دعا دی اور نصیحت کی کہ وہ قابیل ملعون کی اولاد سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھیں۔ انہوں نے انوش کو اپنا وصی مقرر کیا۔

یعقوبی حضرت نوح علیہ السلام کے واقعات میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی رحلت کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے تینوں بیٹوں سام، حام اور یافث اور ان کی اولاد کو جمع کیا اور انہیں وصیتیں کیں۔ یعقوبی نے سام کے نام حضرت نوح علیہ السلام کی وصیت کی تفصیل بیان کی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں اولاد قابیل میں بت پرستی کو رواج ملا۔ حضرت ادریس علیہ السلام کو حکم ہوا کہ متوشلخ کو اپنا وصی مقرر کرو کیونکہ میں اس کی نسل سے ایک ایسا نبی پیدا کروں گا جس کے افعال پسندیدہ ہوں گے۔ پھر خدا نے حضرت ادریس علیہ السلام کو زندہ آسمانوں میں اٹھالیا اور یوں وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد لوگوں میں بہت اختلافات پیدا ہوگئے۔ ابلیس ملعون نے لوگوں کو یہ کہہ کر گمراہ کیا کہ ادریس علیہ السلام کاہن تھے۔ انہوں نے آسمان پر چڑھنے کی کوشش کی تو وہ جل کر مر گئے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو جوان کے دین پر تھی اس خبر سے شدید صدمہ ہوا۔ ابلیس نے یہ بھی مشہور کر دیا کہ ان کے بڑے بت نے ادریس کو ہلاک کیا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں میں بت پرستی جڑ پکڑنے لگی اور وہ اپنی قربانیاں بتوں کی بھینٹ چڑھانے لگے۔ انہوں نے اپنے بتوں کی خوشنودی کے لئے ایک خاص دن مقرر کیا جس دن وہ جشن مناتے۔ اس جشن میں چھوٹے بڑے سب جوش وخروش سے شریک ہوتے۔

اس وقت ان کے تین بت تھے جن کے نام یہ ہیں:

(۱) وَدّ (۲) سواع (۳) نسر۔

جب حضرت متوشلخ علیہ السلام نے اس دنیا سے مفارقت کی تو انہوں نے حضرت لمکؑ کو اپنا وصی مقرر کیا۔ لمک کے معنی ہیں جمع کرنے والا۔ حضرت متوشلخ علیہ السلام نے ان سے عہد لیا اور انبیاء کے صحائف اور حضرت ادریسؑ کی مہر شدہ کتاب ان کے سپرد کی۔ وفات کے وقت حضرت متوشلخ علیہ السلام کی عمر 900 برس تھی۔

حضرت لمکؑ کے فرزند حضرت نوح علیہ السلام پچاس برس کے ہوئے تو خدا نے انہیں بت پرست قوم میں مبعوث فرمایا۔ حضرت نوح علیہ السلام اولوالعزم رسولوں میں سے تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر 2500 سال تھی اور انہوں نے 950 سال تک تبلیغ

کی 950 کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت توحید، نماز، روزے، حج اور دشمنان خدا (اولاد قابیل) سے جہاد پر مشتمل تھی۔ آپ نے حلال کا حکم دیا اور حرام سے منع کیا۔ آپ پوری زندگی لوگوں کو خدا کی طرف بلاتے رہے اور عذاب آخرت سے ڈراتے رہے اور لوگوں کو خدا کی نعمتیں یاد دلاتے رہے۔

مسعودی لکھتے ہیں کہ خدا نے حضرت سام علیہ السلام کو حکومت عطا فرمائی تھی اور انہیں صحائف انبیاء کا وارث بنایا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ان کی اولاد میں ہی وصیت کی تھی۔ حضرت سامؑ کے دوسرے بھائیوں میں وصیت نہیں کی تھی۔

مسعودی کی کتاب ''اخبار الزمان'' میں وصایت کا یہیں تک تذکرہ موجود ہے۔ البتہ مسعودی نے اپنی دوسری کتاب ''اثبات الوصیت'' میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیاء کے اوصیاء کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔

تورات وانجیل میں اوصیاء کے حالات

''قاموس کتاب مقدس'' میں یوشع کے باب میں تورات سے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں:

یوشع بن نون جبل سینا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے اور انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کے زمانے میں بچھڑے کی پوجا نہیں کی تھی۔

تورات کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند سے کہا کہ ٥ خداوند سارے بشر کی روحوں کا خدا کسی آدمی کو اس جماعت پر مقرر کردے ٥ جس کی آمد ورفت ان کے روبرو ہو اور وہ ان کو باہر لے جانے اور اندر لے آنے میں ان کا رہبر ہو تا کہ خداوند کی جماعت ان بھیڑوں کی مانند نہ رہے جن

کا کوئی چرواہا نہیں ○ خداوند نے موسیٰ سے کہا تو نون کے بیٹے یشوع کو لے کر اس پر اپنا ہاتھ رکھ کیونکہ اس شخص میں روح ہے ○ اور اسے الیعزر کاہن اور ساری جماعت کے آگے کھڑا کر کے ان کی آنکھوں کے سامنے اسے وصیت کر ○ اور اپنے رعب داب سے اسے بہرہ ور کر دے تا کہ بنی اسرائیل کی ساری جماعت اس کی فرمانبرداری کرے ○ وہ الیعزر کاہن کے سامنے کھڑا ہوا کرے جو اس کی جانب سے خداوند کے حضور اور مریم کا حکم دریافت کیا کرے گا۔ اسی کے کہنے سے وہ اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت کے لوگ نکلا کریں اور اسی کے کہنے سے لوٹا بھی کریں ○ سو موسیٰ علیہ السلام نے خداوند کے حکم کے مطابق عمل کیا اور اس نے یشوع کو لے کر اسے الیعزر کاہن اور ساری جماعت کے سامنے کھڑا کیا ○ اور اس نے اپنے ہاتھ اس پر رکھے اور جیسا کہ خداوند نے اس کو حکم دیا تھا اسے وصیت کی ○

یشوع کی خلافت اور اس کے غزوات کا ذکر سفر یشوع بن نون کے باب ۲۳ میں مذکور ہے۔

''اور داؤدؑ کے مرنے کے دن نزدیک آئے سو اس نے اپنے بیٹے سلیمانؑ کو وصیت کی اور کہا کہ میں اسی راستے جانے والا ہوں جو سارے جہاں کا ہے۔ اس لئے تو مضبوط ہو اور مردانگی دکھا ○ اور جو موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں لکھا ہے اس کے مطابق خداوند کی ہدایت کو مان کر اس کی راہوں پر چل اور اس کے آئین پر اور اس کے فرمانوں اور حکموں اور شہادتوں پر عمل کر تا کہ جو کچھ تو کرے اور جہاں کہیں تو جائے سب میں تجھے کامیابی ہو۔''

تورات میں شمعون پطرس کا نام سمعون آیا ہے جیسا کہ انجیل متی کے دسویں باب میں مرقوم ہے۔

''پھر اس نے اپنے بارہ شاگردوں کو پاس بلا کر ان کو ناپاک روحوں پر اختیار بخشا کہ ان کو نکالیں اور ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری کو دور کریں ○ اور بارہ رسولوں کے نام یہ

ہیں پہلا شمعون جو پطرس کہلاتا ہے۔ اسی شمعون کے متعلق انجیل یوحنا کے باب ۲۱، آیت ۱۵ تا ۱۸ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اپنا وصی مقرر کیا تھا اور ان سے فرمایا تھا کہ ''تم میری بھیڑیں چراؤ'' اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ تم میری امت کے نگہبان ہو۔''

قاموس کتاب مقدس میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے انہیں کنیسہ کی ہدایت پر مامور کیا تھا تورات کے مطابق حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنا وصی مقرر کیا تھا اور انہیں وصیت کی تھی کہ وہ شریعت موسیٰ علیہ السلام پر عمل کریں۔ انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواری کو اپنا وصی مقرر کیا تھا۔'' غرض کوئی بھی عہدِ انسانی نبی یا اُس کے وصی سے خالی نہیں تھا۔

قرآن مجید میں انبیاء اور اوصیاء کے نام:

(۱) آدم علیہ السلام	(۲) ادریس علیہ السلام
(۳) نوح علیہ السلام	(۴) ہود علیہ السلام
(۵) صالح علیہ السلام	(۶) ابراہیم علیہ السلام
(۷) اسماعیل علیہ السلام	(۸) اسحاق علیہ السلام
(۹) یعقوب علیہ السلام	(۱۰) یوسف علیہ السلام
(۱۱) لوط علیہ السلام	(۱۲) شعیب علیہ السلام
(۱۳) ایوب علیہ السلام	(۱۴) موسیٰ علیہ السلام
(۱۵) ہارون علیہ السلام	(۱۶) یونس علیہ السلام
(۱۷) الیاس علیہ السلام	(۱۸) الیسع علیہ السلام
(۱۹) ذوالکفل علیہ السلام	(۲۰) داؤد علیہ السلام
(۲۱) سلیمان علیہ السلام	(۲۲) زکریا علیہ السلام
(۲۳) یحییٰ علیہ السلام	(۲۴) عیسیٰ علیہ السلام
(۲۵) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	

تبرکاتِ انبیا اور منتقلی وراثت:۔

بسند موثق امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ خداوند عالم نے آدم علیہ السلام سے عہد لیا تھا کہ اس درخت ممنوعہ کے پاس نہ جائیں۔ لیکن وہ گئے اور اس درخت سے کھایا جیسا کہ خدا فرماتا ہے:

" وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً"(طٰہٰ۱۱۵)

خدا نے ان کو زمین پر بھیجا تو ہابیل اور قابیل پیدا ہوئے۔ حضرت آدمؑ نے اپنے دونوں بیٹوں ہابیل وقابیل کو خدا کی بارگاہ میں قربانی کا حکم دیا۔ ہابیل مویشیوں کے مالک تھے اور قابیل زراعت کرتا تھا۔ ہابیل نے ایک نہایت عمدہ گوسفند کی قربانی کی اور قابیل نے جو کہ اپنی زراعت سے بے خبر رہتا تھا معمولی اور وہ بالیاں جو پاک وصاف نہ تھیں، قربانی کے لئے پیش کیں اس لئے ہابیل کی قربانی قبول ہوگئی اور قابیل کی نہیں ہوئی جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے:۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَاناً فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الآخَرِ.(المائدۃ۲۷)

اے رسولؐ ان لوگوں سے آدمؑ کے دونوں بیٹوں کا صحیح قصہ بیان کردو جب ان دونوں نے قربانیاں خدا کی بارگاہ میں پیش کیں تو ان میں سے ایک کی قربانی ہوئی اور دوسرے کی نہیں۔''

اس زمانہ میں جب قربانی قبول ہوتی تھی تو ایک آگ پیدا ہو کر اس کو جلا دیتی تھی۔ پس قابیل نے آتش کدہ بنایا اور وہ پہلا شخص تھا جس نے آگ کے لئے گھر بنایا اور کہا میں اس آگ کی پرستش کروں گا تاکہ میری قربانی قبول کرے۔ دشمن خدا شیطان نے قابیل سے کہا کہ ہابیل

کی قربانی مقبول ہوگئی اور تیری قبول نہیں ہوئی۔ اگر تو اس کو زندہ چھوڑ دے گا تو اس کے فرزند پیدا ہوں گے جو تیرے فرزندوں پر اس بارے میں فخر کریں گے یہ سن کر قابیل نے ہابیل کو مار ڈالا۔ پھر جب آدمؑ کے پاس آیا تو حضرتؑ نے پوچھا کہ ہابیل کہاں ہے۔ اس نے کہا میں نہیں جانتا۔ آپ نے مجھ کو اس کی حفاظت ونگرانی کے لئے نہیں مقرر کیا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جا کر دیکھا تو ہابیل کو مقتول پایا۔ فرمایا اے زمین تجھ پر خدا کی لعنت ہو کیوں کر تو نے خون ہابیل کو قبول کر لیا۔ پھر چالیس شب و روز روتے رہے اور خدا سے دعا کرتے تھے کہ ایک فرزند عطا فرمائے، تو ان کے ایک فرزند پیدا ہوا جس کا نام انہوں نے ہبۃ اللہ رکھا کیونکہ خداوند عالم نے ان کو سوال کے عوض بخشا تھا۔ حضرت آدمؑ اس فرزند کو بہت دوست رکھتے تھے۔ جب آدمؑ کی پیغمبری تمام ہوئی اور ان کی عمر کا آخری زمانہ آیا تو خدا نے وحی کہ اے آدمؑ تمہاری پیغمبری ختم ہوئی اور تمہاری عمر کے ایام پورے ہو چکے تو وہ علم جو ایمان واسم بزرگ خدا اور میراث علم و آثار پیغمبری کے تمہارے پاس ہیں اپنے بیٹوں میں سے ہبۃ اللہ کے سپرد کر دو۔ بے شک میں ان تبرکات وعلوم وغیرہ کو تمہارے بعد تمہاری ذریت سے قیامت تک ہرگز منقطع نہ کروں گا اور کبھی زمین کو خالی نہ چھوڑوں گا۔ اس میں ایک عالم کو ہمیشہ باقی رکھوں گا جس کے ذریعہ سے لوگ میرا دین اور طریق اطاعت وعبادت کو پہچانیں جس سے ہر اس شخص کی نجات ہوگی جو تمہارے اور نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہوگا۔ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام نے نوح علیہ السلام کو یاد کیا اور کہا حق تعالیٰ ایک پیغمبر بھیجے گا جو لوگوں کو خدا کی طرف بلائے گا۔ لوگ اس کی تکذیب کریں گے تو خدا اس کی قوم کو طوفان کے ذریعہ سے ہلاک کرے گا۔ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس پشت کا فاصلہ تھا جو سب پیغمبران خدا تھے۔ اور آدم علیہ السلام نے ہبۃ اللہ علیہ السلام سے نوح علیہ السلام کے بارے میں وصیت کی کہ تم میں سے جو ان سے ملاقات کرے چاہیئے کہ ان پر ایمان لائے اور ان کی پیروی کرے تاکہ طوفان سے نجات پائے۔ جب آدم علیہ السلام مرضِ موت میں مبتلا ہوئے تو ہبۃ اللہ کو طلب فرمایا اور کہا

کہ اگر جبرئیلؑ یا دوسرے فرشتوں کو دیکھو تو میرا اسلام پہنچاؤ۔ اور کہو کہ میرے پدر نے تم سے بہشت کے میووں میں ایک ہدیہ طلب کیا ہے۔ ہبتہ اللہ نے جبرئیلؑ سے ملاقات کی اور اپنے پدر کا پیغام پہنچایا۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ اے ہبتہ اللہ تمہارے پدر نے عالمِ قدس کی طرف رحلت فرمائی اور میں ان پر نماز پڑھنے کے لئے نازل ہوا ہوں۔ ہبتہ اللہ واپس آئے تو دیکھا کہ حضرت آدمؑ نے دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔ پھر جبرئیلؑ نے آنحضرتؑ کو غسل میت کی تعلیم دی۔ ہبتہ اللہ نے ان کو غسل دیا جب نماز کا موقع آیا تو ہبتہ اللہ نے کہا اے جبرئیلؑ سامنے کھڑے ہو کر آدمؑ پر نماز پڑھو جبرئیلؑ نے عرض کی اے ہبتہ اللہ چونکہ خدا نے ہم کو حکم دیا کہ تمہارے باپ کو بہشت میں سجدہ کریں لہٰذا ہم کو لازم نہیں ہے کہ ان کے کسی فرزند کی امامت کریں۔ پھر ہبتہ اللہ آگے کھڑے ہوئے اور آدمؑ پر نماز پڑھی۔ جبرئیلؑ ان کے پیچھے ملائکہ کے ایک گروہ کے ساتھ کھڑے ہوئے اور تیس تکبیریں کہیں۔ پھر خدا نے جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ پچیس تکبیریں فرزندانِ آدمؑ کے لئے کم کردو۔ لہٰذا آج ہم میں پانچ تکبیریں سنت ہیں اور رسولؐ اللہ نے اہل بدر پر سات اور نو تکبیریں بھی کہی ہیں۔ جب ہبتہ اللہ نے آدمؑ کو دفن کیا قابیل ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے ہبتہ اللہ مجھے معلوم ہے کہ میرے باپ آدمؑ نے تم کو اس علم سے مخصوص کیا ہے جس سے مجھ کو محروم کر دیا تھا۔ اور وہ وہی علم ہے جس سے تمہارے بھائی ہابیل نے دعا کی تو اس کی قربانی قبول ہوئی اور میں نے اس لئے اس کو مار ڈالا کہ اس کے لڑکے نہ پیدا ہوں جو میرے فرزندوں پر فخر کریں اور نہ کہیں کہ ہم اس کے فرزند ہیں جس کی قربانی قبول ہوئی اور تم اس کے فرزند ہو جس کی قربانی قبول نہیں ہوئی اور اگر تم مجھ پر وہ علم کچھ ظاہر نہ کرو گے جس سے تمہارے باپ نے تم کو مخصوص کیا ہے تو تم کو بھی مار ڈالوں گا جس طرح تمہارے بھائی ہابیل کو مار ڈالا پس ہبتہ اللہ اور ان کے فرزند جو کچھ ان کے پاس علم و ایمان و اسم اکبر و میراث وعلم و آثار علم پیغمبری سے تھا پوشیدہ رکھتے تھے یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے اور وصیت ہبتہ اللہ ظاہر ہوئی تو اس زمانہ کے لوگوں نے جب

حضرت آدمؑ کی وصیت پر نظر کی تو معلوم ہوا کہ ان کے باپ آدمؑ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں خوشخبری دی ہے تو ان پر ایمان لائے اور ان کی پیروی و تصدیق کی۔ حضرت آدمؑ نے ہبۃ اللہ کو یہ بھی وصیت کی تھی کہ اس وصیت کو ہر سال کے شروع میں سب دیکھا کریں اور اس پر قائم رہنے کا عہد کرتے رہیں وہ دن ان کے لئے عید کا ہوگا۔ لہٰذا وہ لوگ اس وصیت کو دیکھا کرتے اور عہد کیا کرتے تھے۔ یہی سنت ہر پیغمبر کی وصیت میں حضرت محمدؐ کے مبعوث ہونے تک جاری رہی۔ اور نوحؑ کو لوگوں نے اسی علم کے ذریعہ سے پہچانا جو ان کے پاس تھا۔ یہی معنی ہیں اس آیت کے۔

لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا تا آخر (الاعراف ۵۹)

اور آدمؑ و نوحؑ کے درمیان کچھ پیغمبر ایسے گزرے ہیں جو اپنے کو پوشیدہ رکھتے تھے اسی سبب ان کا ذکر قرآن میں مخفی رکھا گیا ہے اور ان کا نام نہیں لیا گیا۔ اور کچھ پیغمبر ایسے تھے جو اپنے کو ظاہر کرتے تھے اس لئے ان کا نام لیا گیا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنَاهُمۡ عَلَيۡكَ مِن قَبۡلُ وَرُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَيۡكَ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسَىٰ تَكۡلِيمًا۔ (النساء ۱۶۴)

یعنی ''کچھ رسول ایسے ہیں جن کا قصہ ہم نے تم کو بتلایا ہے اور کچھ ایسے رسول ہیں جن کا قصہ ہم نے نہیں بیان کیا۔''

حضرتؑ نے فرمایا کہ جن کا نام نہیں لیا گیا وہ پوشیدہ رہے ہیں اور جن کا نام لیا گیا ہے وہ ظاہر بظاہر مبعوث تھے۔ غرض نوح علیہ السلام نے اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ کی ان کی پیغمبری میں کوئی شریک نہ تھا لیکن وہ مبعوث ہوئے تھے۔ اس گروہ پر جو تکذیب کرنے والے تھے انہوں نے ان پیغمبروں کی بھی تکذیب کی جو نوح علیہ السلام اور آدم علیہ السلام کے درمیان گزرے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ قومِ نوح علیہ السلام نے خدا کے ان پیغمبروں کی تکذیب کی جو ان کے اور آدم علیہ السلام کے درمیان ہوئے۔ پھر جب نوح علیہ السلام کی پیغمبری ختم ہوئی اور ان کا زمانہ تمام ہوا حق

تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اے نوحؑ اب تم اسمِ بزرگ و میراثِ علم و آثار علم پیغمبری اپنے بعد اپنی ذریت میں سے سامؑ کے سپرد کرو جس طرح ان چیزوں کو میں نے پیغمبروں کے خاندان سے منقطع نہیں کیا جو تمہارے اور آدمؑ کے درمیان ہوئے ہیں اور ہرگز زمین کو خالی نہیں چھوڑوں گا مگر یہ کہ اس میں کوئی عالم رہے گا جس سے میرا دین و عبادت کا طریقہ لوگ سمجھیں جو ان لوگوں کی نجات کا سبب ہوتا ہے جو ایک پیغمبر کی موت کے وقت سے دوسرے پیغمبر کے مبعوث ہونے تک پیدا ہوتے ہیں۔ سامؑ کے بعد ہود علیہ السلام پیغمبر ہوئے۔ نوحؑ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ ایک پیغمبر بھیجے گا جس کا نام ہودؑ ہوگا۔ وہ اپنی قوم کو خدا کی طرف دعوت دے گا اور وہ اس کی تکذیب کرے گی تو خدا اس قوم کو ہلاک کرے گا۔ لہٰذا تم میں سے جو شخص اس کے زمانہ تک رہے بے شک اس پر ایمان لائے اور اس کی پیروی کرے۔ حق تعالیٰ اس کو عذاب سے نجات دے گا اور نوحؑ نے اپنے بیٹے سامؑ کو حکم دیا کہ اس وصیت کو سال کے آغاز میں جس روز کہ عید ہوتی ہے ملاحظہ کیا کریں اور اس پر قائم رہنے کا عہد کرتے رہیں۔ جب خدا نے حضرت ہودؑ کو مبعوث کیا تو لوگوں نے ان کو اسی خوشخبری کے مطابق پایا جو ان کے باپ نوحؑ نے کی تھی تو ان پر ایمان لائے اور ان کی تصدیق و پیروی کی اور عذاب خدا سے نجات پائی جیسا کہ خدا فرماتا ہے:

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا. (الاعراف ۶۵)

پھر فرمایا ہے:

كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ. (الشعراء ۱۲۳)

اور فرمایا ہے:

وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ. (البقرہ ۱۳۲)

دو رسولوں کے درمیان سب انبیا:۔

پھر فرمایا ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ کو اسحقؑ و یعقوبؑ (سے فرزند) عطا کئے اور ہر ایک کی

ہدایت کی اور بعض کی پہلے ہدایت کی تا کہ پیغمبری کو ان کے اہلبیت میں قرار دیں۔ تو پیغمبروں کی ذریت سے وہ لوگ مامور ہوئے جو ابراہیمؑ سے پیشتر تھے تا کہ حضرت ابراہیمؑ کے آنے کی خبر دیں اور آنحضرتؐ کے بارہ میں عہد و وصیت کرتے رہیں۔ اور ہودؑ اور ابراہیمؑ کے درمیا ۱۰ دس پشت کا فاصلہ تھا جو سب کے سب پیغمبر تھے۔ پس یہی سنت الٰہی تھی کہ ہر مشہور نبی و پیغمبر کے درمیان دس یا نو یا آٹھ پشت کا فاصلہ تھا جو سب کے سب پیغمبر ہوتے تھے اور ہر پیغمبر اپنے بعد کے پیغمبر کے مبعوث ہونے کی خبر اور اپنے اوصیاء کو اس وصیت پر عہد کرتے رہنے کا حکم دیا کرتا تھا جیسا کہ آدمؑ و نوحؑ و صالحؑ و شعیبؑ و ابراہیمؑ نے کیا یہاں تک کہ یہ سلسلہ یوسفؑ بن یعقوبؑ بن اسحٰق بن ابراہیمؑ تک پہنچا، اور یوسفؑ کے بعد ان کے بھائی کے فرزندوں میں جاری ہوا جو اسباط تھے۔ ان سے حضرت موسیٰؑ بن عمران تک منتہی ہوا اور یوسفؑ اور موسیٰؑ کے درمیان دس پیغمبر گزرے پھر خداوند عالم نے ان کو فرعون و ہامان اور قارون کی طرف بھیجا۔ اور حق تعالیٰ نے ہر امت کی طرف پے در پے پیغمبروں کو بھیجا اور لوگ تکذیب کرتے رہے خدا ان کو معذب کرتا رہا پھر بنی اسرائیل کا زمانہ آیا جنہوں نے ایک روز میں دو دو تین تین چار چار پیغمبروں کو قتل کیا یہاں تک کہ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ ستر ستر پیغمبر مار ڈالے جاتے تھے اور وہ لوگ مطلق پرواہ نہ کرتے تھے۔ بازار صبح سے شام تک کھلے رہتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل ہوئی تو انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بشارت دی۔ موسیٰ علیہ السلام کے وصی یوشع بن نون اور ان کے وصی فتا تھے۔ جیسا کہ خدا نے قرآن میں فرمایا ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ (کھف-٦٠)

پس برابر پیغمبرانِ خدا محمدؐ کے بارے میں بشارت دیتے رہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے یجدونہ یعنی یہود و نصاریٰ صفتِ نامِ محمدؐ پاتے ہیں۔

مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (الاعراف ۱۵۷)

ان کے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا موجود ہے جو ان کو نیکی کا حکم اور بدی کی ممانعت کرتی ہے۔

اور عیسیٰؑ بن مریم کی زبانی حکایت کی ہے:

وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ أَحْمَدُ. (الصف۶)

انہوں نے اس رسولؐ کی بشارت دی جو ان کے بعد آئیں گے جن کا نام احمدؐ ہوگا۔"

غرض موسیٰؑ و عیسیٰؑ نے محمدؐ کے بارے میں خوشخبری دی جیسا کہ بعض پیغمبروں نے بعض پیغمبروں کی بشارت دی تھی یہاں تک کہ یہ سلسلہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا۔ جب آنحضرتؐ کی پیغمبری کا زمانہ تمام ہوا اور آپ کی عمر آخر ہوئی حق تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اے محمدؐ اب تم ان تمام تبرکات اسم اکبر و میراث علم و آثار پیغمبری علیؑ بن ابی طالبؑ کے سپرد کرو کیوں کہ میں ان چیزوں کو تمہارے بعد تمہارے فرزندوں سے قطع نہ کروں گا جس طرح ان پیغمبروں کے خانوادوں سے قطع نہیں کیا جو تمہارے اور تمہارے باپ آدمؑ کے درمیان تھے۔ چنانچہ قرآن میں فرامایا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوحًا وَّاٰلَ إِبْرٰهِيمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِينَ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (آل عمران۳۳،۳۴)

"خدا نے آدمؑ و نوحؑ و آل ابراہیمؑ و آل عمرانؑ کو سارے جہان سے برگزیدہ کیا اور ان میں سے بعض کی ذریت کو بعض پر فضیلت دی اور خدا سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے"۔

اور محمد و آل محمد علیہم السلام آل ابراہیمؑ میں داخل ہیں۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک خدا نے علم کو جہل نہیں قرار دیا ہے یعنی علما کے معاملہ کو تاریکی میں نہیں چھوڑا ہے بلکہ ہر عالم اور ہر پیغمبر اور ہر امام پر نص فرمایا ہے اور مخلوق میں ان لوگوں کو پہچنوا دیا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں

ہوتا کہ خدا اس شخص کو خلق کے لئے مقرر فرمائے جس کی خلافت پر لوگ یقین نہیں کرتے اور جو احکامِ خدا اور خلق کی مصلحتوں سے واقف نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ خداوند عالم نے اپنے امر دین کو کسی ملک مقرب اور کسی پیغمبر مرسل پر کبھی نہیں چھوڑا بلکہ وہ ملائکہ میں سے ایک رسول کو ان باتوں کا حکم دے کر جن کو پسند کرتا ہے اور ان باتوں سے منع کرکے جن کو پسند نہیں کرتا اپنے پیغمبر کی طرف بھیجا کرتا ہے اور اس پیغمبر کو اسی ملک کے ذریعہ سے علم گذشتہ اور آئندہ سے خبردار کرتا رہا پس اس علم کو پیغمبرانِ خدا اور اس کے برگزیدہ نے اپنے باپ دادا اور بھائیوں سے سیکھا جو برگزیدہ ذریت سے تھے جیسا کہ خداوند عالم نے قرآن میں فرمایا ہے بہ تحقیق کہ ہم نے آل ابراہیمؑ کو کتاب و حکمت عطا کی اور بادشاہی بزرگ مرحمت فرمائی۔ کتاب سے مراد پیغمبری اور حکمت سے یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ حکیم اور دانا اور برگزیدہ لوگوں میں سے ہیں اور پیغمبر ہیں اور سب کے سب اسی ذریت سے ہیں جن میں بعض کو بعض سے برگزیدہ کیا ہے اور جن میں حق تعالیٰ نے پیغمبری قرار دی ہے اور ان میں نیک عاقبت اور عہد کی حفاظت کرنے کو مقرر کر رکھا ہے یہاں تک کہ دنیا ختم ہو۔ پس وہ لوگ دانا اور والیٔ امر خدا اور علم خدا کے استنباط کرنے والے اور لوگوں کے ہدایت کرنے والے ہیں۔ یہ ہے اس فضیلت کا بیان جسے خدا نے پیغمبروں رسولوں اور حکیموں اور پیشوایانِ ہدایت اور خلیفہ ہائے خدا میں جو اس کے والیٔ امر اور اس کے علم کے استخراج کرنے والے اور اہلِ آثار ہیں اس ذریت سے جو بعض سے بعض برگزیدہ لوگوں میں سے ہوئے ہیں۔ پیغمبروں کے بعد آل و برادران سے اور اس ذریت سے جن سے پیغمبروں کی خانہ آبادی تھی پس جو شخص کہ ان کے علم و ہدایت کے ساتھ عمل کرتا ہے ان کی مدد سے نجات پاتا ہے۔ اور جو شخص کہ والیانِ امرِ خلافتِ خدا اور اہل استنباط علم خدا کو پیغمبروں کے غیر برگزیدہ رشتہ داروں میں سے قرار دیتا ہے وہ حکم خدا کی مخالفت کرتا ہے اور جاہلوں کو والیٔ امر خدا بناتا ہے اور جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ خدا کی جانب سے ہدایت کے بغیر علمِ الٰہی کے جاننے والے ہیں اور اہل استخراج علمِ خدا

ہیں تو وہ لوگ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں اور وصیت وفرمانبرداری خدا سے پھر گئے ہیں انہوں نے فضلِ خدا کو اس مقام پر نہیں قرار دیا جس جگہ کہ خدا نے قرار دیا ہے پس وہ لوگ گمراہ ہیں اور اپنے پیروی کرنے والوں کو گمراہ کرتے ہیں قیامت میں ان کے لئے کوئی حجت نہ ہوگی اور سوائے آل ابراہیمؑ کے کوئی حجت نہیں ہے۔ اس لئے کہ خدا نے فرمایا کہ

فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ الْکِتٰبَ. (النساء۵۴)

پس حجت پیغمبروں کی اور ان کے گھر والوں کی قیامت کے دن تک ثابت ہے کیوں کہ کتاب خدا اس وصیت پر ناطق ہے۔ خدا نے خبر دی ہے کہ یہ خلافتِ کبریٰ فرزندانِ انبیاء اور گھروں کے چندر ہنے والوں میں ہے جن کو حق تعالیٰ نے تمام لوگوں پر بلندی عطا فرمائی ہے اور فرمایا ہے:

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ. (نور۳۶)

ان مکانوں میں جن میں کہ خدا نے اجازت دی ہے اور مقدر ومقرر فرمایا ہے کہ بلند کئے جائیں اور اس میں اس کا ذکر کیا جائے۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ یہ مکانات ہمارے یا پیغمبروں اور رسولوں اور دانا لوگوں اور ہدایت کے پیشواؤں کے ہیں۔ یہی ہے ایمان کا سرا جس کو پکڑنے کے سبب تم سے پہلے نجات پانے والوں نے نجات پائی ہے اور اسی سے وہ نجات پائے گا جو تمہارے بعد ہدایت کی متابعت کرے بے شک خدا نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ

> "پہلے نوح علیہ السلام کی ہم نے ہدایت کی اور اس کی ذریت سے داؤدؑ وسلیمانؑ وایوبؑ ویوسفؑ وموسیٰؑ وہارونؑ کی۔ اور اسی طرح میں نیک بندوں کو زکریاؑ ویحییٰؑ وعیسیٰؑ والیاسؑ کی خبر دیتا ہوں کہ ہر ایک ان میں شائستہ تھے اور اسمٰعیلؑ ویسعؑ ولوطؑ بھی برگزیدہ تھے اور ہم نے کل عالم پر ہر ایک کو اور

ان کے باپ دادا اور ان کی ذریت کو اور ان کے بھائیوں کو فضیلت دی اور
ان کو برگزیدہ کیا اور راہِ راست کی ہدایت کی۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم
نے کتاب و حکمت و پیغمبری عطا کی۔ اگر یہ گروہ ان لوگوں سے انکار کرے
گا تو ہم نے ایک ایسی قوم کو ان کے ساتھ موکل کیا ہے جو ان کی منکر نہیں''۔
(سورۂ انعام آیت ۸۵ تا ۸۹)

حضرت نے فرمایا یعنی اگر امت کافر ہو جائے گی تو ہم نے تیرے اہل بیت کو اس ایمان کے ساتھ موکل کیا ہے جس کے ساتھ تجھ کو (آراستہ کر کے) بھیجا ہے تو یہ لوگ ہرگز کافر نہ ہوں گے اور میں اس ایمان کو ضائع نہ کروں گا جس سے تجھے آراستہ کر کے بھیجا ہے اور تیرے اہل بیت کو تیرے بعد تیری امت میں راہِ ہدایت کا مرکز اور تیرے بعد امرِ خلافت کا والی اور اپنے علم کا حامل قرار دیا ہے جن میں قطعی کوئی جھوٹ کوئی گناہ مکر فریب اور ریا نہیں ہے۔ اس بیان میں جو کچھ کہ خدا نے اس امت کے معاملہ کے متعلق ان کے پیغمبر کے بعد ظاہر فرمایا ہے کوئی ابہام نہیں ہے اس لئے کہ خدا نے اپنے پیغمبر کے اہلبیت کو مطہر و معصوم بنایا ہے اور ان کی محبت کو آنحضرتؐ کی رسالت کا اجر قرار دیا ہے اور ان کے لئے ولایت و امامت جاری کی ہے اور ان کو آنحضرتؐ کی امت میں آپ کے بعد اوصیاء، دوست اور امام بنایا ہے۔ پس اے گروہ مردم عبرت حاصل کرو۔ جو کچھ میں کہتا ہوں اس پر غور کرو کہ حق تعالیٰ نے کہاں اپنی امامت و اطاعت و استنباط علم قرار دیا ہے پس اس کو قبول کرو اور اس سے تمسک کرو تا کہ نجات پاؤ اور تمہارے لئے قیامت کے روز اس پر حجت ہو اور رُستگاری حاصل کرو کیوں کہ یہ لوگ تمہارے اور خدا کے درمیان وسیلہ اور واسطہ ہیں اور تمہاری ولائت خدا تک نہ پہنچے گی مگر ان ہی لوگوں کے ذریعہ سے۔ پس جو شخص اس پر عمل کرے گا خدا پر لازم ہے کہ اس کو دوست رکھے اور اس پر عذاب نہ کرے۔ اور جو شخص اس کے خلاف عمل کرے گا خدا پر لازم ہے کہ اس کو ذلیل اور معذب کرے۔

انبیا کی نبوّت کا حدودِ اربعہ:

بے شک بعض پیغمبروں کی رسالت ایک گروہ سے مخصوص تھی اور بعض کی رسالت عام تھی۔ نوح علیہ السلام رُوئے زمین کے تمام باشندوں کی طرف بھیجے گئے ان کی پیغمبری عام تھی اور رسالت شامل تھی اور ہود علیہ السلام قوم عاد کی طرف مخصوص پیغمبری کے ساتھ بھیجے گئے تھے۔ اور صالح علیہ السلام ثمود کی طرف جو ایک چھوٹے گاؤں کے باشندے تھے اور دریا کے کنارے صرف چالیس گھروں کی آبادی تھی اور شعیب مدائن والوں پر مقرر ہوئے جو چالیس گھر بھی پورے نہ تھے۔ اور ابراہیمؑ کی پیغمبری پہلے کوثاریا والوں کے لئے تھی جو عراق کے موضعوں میں سے ہے پھر اس جگہ سے ہجرت کی۔ جنگ وجدل کے لئے ہجرت نہیں کی جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیمؑ نے کہا:

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ۔ (الصافات ۹۹)

یعنی "میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں وہ جلد میری ہدایت کرے گا"۔

پس ابراہیمؑ کی ہجرت بغیر جنگ کی تھی اور اسحٰق علیہ السلام کی نبوت ابراہیم علیہ السلام کے بعد تھی اور یعقوب علیہ السلام کی نبوت زمین کنعان کے لئے تھی۔ اور اس جگہ سے وہ مصر گئے اور وہیں عالم بقا کی طرف رحلت فرمائی۔ آپ کی میت کنعان میں لاکر دفن کی گئی۔ اور جو خواب کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ گیارہ ستاروں نے اور آفتاب و ماہتاب نے ان کو سجدہ کیا تو ابتدا میں آپ کی نبوت مصر والوں کے لئے تھی۔ اور آپ کے بعد بارہ نفر اسباط ہوئے۔ پھر خدا نے موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کو مصر کی طرف بھیجا اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع علیہ السلام بن نون کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا۔ ان کی پیغمبری پہلے اس صحرا میں تھی جس میں اسرائیل سرگشتہ پھرتے رہے اس کے بعد بہت سے دوسرے پیغمبر ہوئے کہ جن میں سے بعض کا قصہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خدا نے ذکر فرمایا ہے اور بعض کا نہیں پھر حق تعالیٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا اور

بس۔ آپ کی پیغمبری بیت المقدس کی طرف تھی۔ آپ کے بعد بارہ نفر حوارین ہوئے اور آپ کے بقیہ عزیزوں میں ہمیشہ ایمان پوشیدہ رہا اور آثار بتاتے ہیں کہ یہی اخفائے ایمان و کتمِ منصب حضرت ابوطالبؑ تک بحکمِ خدا برقرار رہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے بعد حق تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جن وانس کی طرف بھیجا اور وہ آخری پیغمبرؐ تھے ان کے بعد بارہ وصی مقرر فرمائے ہم نے بعض سے ملاقات کی، بعض گزر گئے اور بعض آئندہ ہوں گے۔ یہ ہے امر پیغمبری و رسالت اور ہر پیغمبر جو کہ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوا خاص ہو یا عام ہر ایک کے وصی ہوئے ہیں اور سنت الٰہی جاری ہوئی ہے اور اوصیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہیں سنّتِ اوصیائے عیسیٰ علیہ السلام پر ہیں اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام حضرت مسیح علیہ السلام کی سنت پر تھے۔

اجدادِ رسولؐ (ابن آدمؑ سے خاتمؐ تک) اور خصائلِ نبوّت

۲۔ حضرت شیث علیہ السلام

آپ کا لقب ہبۃ اللہ ہے اور اپنے والد ماجد کے جانشین اور حامل نور محمدیؐ تھے۔ آپ پر پچاس صحیفے نازل ہوئے۔ زراعت کا کام آپ کے زمانہ سے شروع ہوا لباس بھی انہیں کے زمانہ کی ایجاد ہے حضرت آدم علیہ السلام کی تجہیز و تکفین کے فرائض آپ نے انجام دیئے بعد وفات حضرت آدم علیہ السلام ہزار سال چالیس دن زندہ رہے اور (۹۱۲) سال نبوت کے فرائض انجام دیئے اور پہلوئے آدمؑ میں دفن ہوئے آپ کے صلب سے ایک فرزند انوش حامل نور محمدیؐ پیدا ہوئے۔

۳۔ انوش

آپ اپنے پدر بزرگوار کے جانشین اور حاملِ نور محمدیؐ تھے بعض مؤرخین نے ان کا

نام یابس بھی لکھا ہے۔ خدا تعالیٰ نے خلافت الٰہیہ کے علاوہ دنیوی بادشاہت بھی عطا فرمائی دنیا کی تاریخ میں انوش پہلے بادشاہ گذرے ہیں ۹۶۵ سال کی عمر میں وفات پائی ان کے صلب سے ایک پسر قینان پیدا ہوئے۔

۴۔قینان

بقولے قینان آپ اپنے والد ماجد کے جانشین اور حامل نور محمدی تھے (۷۲۰) سال کی عمر ہوئی آپ کے صلب سے ایک پسر مہلائیل پیدا ہوئے۔

۵۔مہلائیل یا بروصلائیل

آپ نہایت حسین وجمیل اور عابد وزاہد تھے دن کو روزہ اور شب بھر عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ (۹۶۱) سال زندہ رہے آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے بوجہ زہد وتقدس آپ کا بت بنا کر پرستش شروع کردی آپ حامل نور محمدی اور والد کے جانشین تھے آپ کے صلب سے ایک پسر یارد پیدا ہوئے۔

۶۔ یارد

بعض نے یرد یا نزال لکھا ہے آپ حامل نور محمدیؐ اور اپنے پدر بزرگوار کے جانشین تھے ۵۳۵ سال کی عمر میں وفات پائی آپ کے صلب سے ایک پسر اخنوخ پیدا ہوئے۔"

۷۔اخنوع یا اخنوخ (ادریس)

لقب ادریس حامل نور محمدیؐ اور اپنے والد کے جانشین تھے زیادہ تر درس وتدریس میں مصروف رہنے کے سبب ادریس لقب ہوا علوم ریاضی ونجوم وغیرہ آپ ہی کی ایجاد ہیں۔ فن خیاطی میں بھی ماہر تھے اور کتاب لکھنے میں بھی باکمال تھے آپ ہی نے اولاً نظام حکومت کے قواعد و ضوابط لکھے اور ایک سو اسی شہر آباد کئے اور مسجد سہلہ میں رہتے تھے اور کوفہ عراق میں مبعوث

ہوئے ایک جماعت نے آپ کی مخالفت کی تو آپ کی بددعا سے سات برس تک قحط رہا آخر ان لوگوں نے توبہ کی پھر آپ کی دعا سے بارش ہوئی اور مصحف آسمانی میں سے تیس مصحف ان پر نازل ہوئے اور سن شریف آپ کا ۸۸۲ برس کا ہوا ایک فرشتہ آپ کی دعا سے بارگاہ احدیت میں مقرب ہوا تھا اس نے استدعا کی کہ اگر آپ کوئی حاجت رکھتے ہوں تو ارشاد فرمائیں فرمایا کہ مجھ کو آسمان پر لے چل وہ فرشتہ آپ کو آسمان پر لے گیا۔ یہاں تک کہ آپ نے عجائبات آسمان و بہشت کو ملاحظہ فرمایا اور پھر واپس تشریف نہیں لائے۔ آسمان ملک الموت کے قریب پہنچے عزرائیل نے کہا کہ میں یہاں قبض روح کے لئے مامور کیا گیا ہوں۔ یہ سن کر اضطراب طاری ہوا اور وہ فرشتہ کے پروں سے لپٹ گئے اور روح قبض کی گئی، آپ کے صلب سے ایک پسر متوشلخ پیدا ہوئے۔

۸۔ متوشلخ

آپ حامل نور محمدی اور اپنے والد حضرت ادریس علیہ السلام کے جانشین ہوئے ۹۸۲ سال کا سن ہوا ان کے صلب سے ایک پسر لمک پیدا ہوئے۔

۹۔ لمک یا لامک

حامل نور محمدیؐ اور اپنے والد متوشلخ کے جانشین ہوئے جو لوگ مہلائیل نبی اللہ کے بت کی پرستش کرتے تھے ان کو وعظ و نصیحت فرمائی ان میں سے بہت سے لوگ راہ مستقیم پر آ گئے آپ کی عمر (۷۰۰) سال کی ہوئی آپ کے صلب سے حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے۔

۱۰۔ عبدالعلیٰ ملقب حضرت نوح علیہ السلام نجی اللہ:

بعض مؤرخین نے آپ کا نام عبدالغفار یا عبدالملک یا عبدالرحمٰن بھی لکھا ہے آپ مدت دراز تک اپنی قوم کی بداعمالیوں پر نوحہ کرتے رہے اس لئے نوح کے لقب سے شہرت پائی۔ اور چونکہ بعد طوفان آپ کی نسل سے خلائق پیدا ہوئی اس لئے آپ آدم ثانی بھی کہلاتے ہیں

الوالعزم پیغمبر تھے عمر آپ کی ۲۵۰۰ برس اور بقولے ۱۴۵۰ برس کی ہوئی، دولتکدہ کوفہ (عراق) میں تھا آپ نے ساڑھے نو سو سال تک اپنی امت کو نیکی کی ہدایت کی مگر امت نافرمان رہی اور امت کفر و شرک سے باز نہ آئی پھر بحکمِ خدا حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنائی آخر عذاب الٰہی نازل ہوا ایک روایت ہے کہ طوفان نوحؑ کی ابتدا صحن مسجد کوفہ سے ہوئی اور تنور سے پانی ابلنا شروع ہو گیا اس کا نشان آج تک مسجد کوفہ میں موجود ہے ایک طرف زمین پانی اگل رہی تھی دوسری طرف آسمان کے دروازے کھل گئے۔ جہاں تھوڑی دیر پہلے زندگی کی چہل پہل تھی وہاں اب کوئی متنفس دکھائی نہیں دیتا تھا سر بہ فلک عمارتیں طویل القامت منارے اونچے اونچے درخت سب غرقِ آب ہو گئے حد ہے طوفان کا پانی پہاڑوں کی چوٹیوں سے بلند ہو گیا اور پانی کے شور کے علاوہ کچھ سنائی نہیں دیتا تھا اگر کوئی صدا سنائی دیتی تو وہ کشتی نوح علیہ السلام پر سوار ہونے والے آدمیوں کی آواز تسبیح و تہلیل، حضرت نوح علیہ السلام کا سوتیلا بیٹا بام معروف بہ کنعان کافر تھا آپؑ نے کشتی پر سوار ہونے کے لئے بہت کچھ سمجھایا لیکن وہ انکار کرتا رہا چنانچہ شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ علل الشرائع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ نجف ایک عظیم الشان پہاڑ تھا اور یہ وہی پہاڑ تھا جس کو دیکھ کر فرزند (بام معروف کنعان) نوحؑ کہتا تھا کہ میں پہاڑ پر امان لے لوں گا جو مجھ کو پانی کے عذاب سے بچا سکتا ہے اس پر خداوند عالم نے اس پہاڑ سے خطاب کیا کہ کیا تجھ میں یہ طاقت ہے کہ میرے عذاب سے بچا لے یہ خطاب سن کر پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور بہت باریک رمل کی صورت میں مبدّل ہو کر بلاد شام میں منتشر ہو گیا اور پھر اس جگہ عظیم الشان سمندر موجیں مارنے لگا اور نوح علیہ السلام کا فرزند غرق طوفان ہو گیا۔ تمام روئے زمین پر پانی پھیل گیا۔ بڑے بڑے پہاڑ پانی میں غرق ہو گئے کرۂ ارض پر کوئی متنفس باقی نہ بچا البتہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی پر سوار ہونے والے اس عذاب خداوند سے محفوظ و مامون رہے، اللہ کا نبی اپنے ساتھیوں سمیت کشتی سے اترا، تشکر کے طور پر نفل ادا کئے اور ہاتھ بلند کر کے فرمایا الٰہی میں تیری بے حساب

تعریف کرتا ہوں۔ پروردگار تیرا بے شمار شکر ہے تو نے مجھے عذاب سے بچایا اور تیرے رسول احمدؐ کا بھی شکر گذار ہوں اور اس ایلیاؑ کا بھی شکر گذار ہوں جس نے مدد فرمائی جو تیرے گھر میں جنم لے گا اور تیرے نبی محمدؐ کی بیٹی کا بھی شکریہ اور اس کے دونوں بیٹوں کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے میری امداد کی۔ (تاریخ عالم از سجاد یزدانی مطبوعہ بمبئی ۱۹۱۳ء)

اسی لئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"مثل اهلبیتی کمثل سفینة النوح من دخلها فنجی"

میرے اہلبیت کی مثال کشتیٔ نوح کے مانند ہے کہ جو اس میں داخل ہوا (اور کماحقہ اطاعت کی) وہ نجات پا گیا۔"

حضرت نوح علیہ السلام بعدِ طوفان پانچ سو برس از سر نو آباد دنیا میں زندہ رہے۔ آپ کی تین ازواج تھیں ایک زن کافرہ الغا نام جو بعد میں مسلمان ہوئی دوسری ہیکل جو مسلمان تھی عموزہ مادر حضرت سام تھیں آپ کے صلب سے چار فرزند تولّد ہوئے۔ (۱) حضرت سام فرزند اکبر حامل نور محمدیؐ اور اپنے والد کے جانشین ہوئے (۲) حام (۳) یافث۔ حضرت نوح علیہ السلام نے تینوں فرزندوں کو بحکم خدا دنیا کی آبادی کا کام دوبارہ شروع کرایا اور شہر و بستیاں آباد کیں، کرۂ ارض پر انہیں کی نسل سے تمام دنیا آباد ہوئی۔

حام

یہ فرزند حضرت نوح علیہ السلام (۵۶۰) سال زندہ رہے ان کے صلب سے ستّر فرزند پیدا ہوئے، حبش، بربر، قبط، سوڈان، ہند، سندھ، کنعان، بلغریہ، بیصر وغیرہ کنعان کا پسر کوس ان کا پسر نمرود اُن کا پسر سخاریب ان کا پسر نمرود اور ان کا پسر مصرائم اس نے مصر آباد کیا ان کا پسر فیطم یہ زبان قبطی کا موجد اور قبطی قوم اسی سے منسوب ہے اس کا پسر قبط ریم ان کا پسر بودیر، ان کا پسر علویم ان کا پسر شداد اس نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ (بحوالہ تحفۃ الانساب و تاریخ گلزار شمس تبریز و تاریخ فرشتہ)

یافث

سات سو برس دنیا میں زندہ رہے ان کے صلب سے بیس فرزند پیدا ہوئے، استقلاب، خلج، روس، سدمان، غربان، یاجوج، ماجوج، چین، خرز، شلشخ، ترک خان، کاری، اندلس، یونان، علوان عرف فردوس، عامر عرف کیومرث، ارشد اول وغیرہ ارشد اول کی اولاد میں ترک تمام دنیا کے مغل، ازبک، چغتائی، رومانیہ، ایرانیہ، ترکمان ہیں اور علوان کے دو پسر ضحاک و عامر کا پسر نریمان ان کے پسر سام ان کے دو پسر سنان وزال، زال کا پسر تہمتن عرف رستم، چار ہزار برس سے کچھ زیادہ زمانہ گذرا جب عرب میں ایک بادشاہ فردوس تھا جو یافث کی اولاد سے تھا۔

١١۔ سام بن حضرت نوح علیہ السلام نبی اللہ

فرزند اکبر اور حامل نور محمدیؐ اور اپنے والد بزرگوار کے جانشین تھے آپ کی والدہ کا نام عموزہ تھا بعد طوفان نوح بحکم خدا ان کو اور ان کے دو بھائیوں کو حضرت نوح علیہ السلام نے دنیا کی آبادی اور کاشتکاری کے لئے مامور کیا ان کے ننانوے فرزند پیدا ہوئے جو حضرت سام نے اطراف عالم میں پھیلا دیئے، غرض سام، حام، یافث تینوں برادران کی نسل سے دنیا آباد ہوئی سام کی اولاد میں سے اہل یمن، شام، عرب، عراق، خراسان وغیرہ ہیں۔ والد کی وفات کے بعد چھ سو برس زندہ رہے۔

١٢۔ ارفخشد

بعض مؤرخین نے آپ کا نام ارشد بھی لکھا ہے اور بعض نے ارفخشد لکھا ہے۔ حامل نور محمدیؐ اور اپنے پدر بزرگوار سام کے جانشین تھے چار سو پینسٹھ سال زندہ رہے ان کے صلب سے چار فرزند پیدا ہوئے شالخ، ارم، قحطان، قبط اور قبائل عرب اور طائف انہیں کی نسل یعنی فرزند قحطان سے ہیں آپ تین سو سال سے زیادہ امت کو وعظ و نصیحت کرتے رہے شالخ فرزند اکبر

تھے۔

۱۳۔شالخ یا سلخ

حامل نور محمدیؐ اور اپنے والد ارفخشد کے جانشین چار سو سال کے سن میں فوت ہوئے آپ کے صلب سے ایک پسر عابر بلقب ہود علیہ السلام پیدا ہوئے۔

۱۴۔عابر معروف حضرت ہود علیہ السلام

آپ حامل نور محمدی اور اپنے والد شالخ کے جانشین ہوئے جب اولاد حضرت نوح علیہ السلام رفتہ رفتہ گمراہ ہونے لگی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو لوگوں کی ہدایت کے لئے نبی بنا کر بھیجا۔ارم بن سام کی اولاد قوم عاد اولیٰ کے نام سے مشہور ہے اس قوم کے تیرہ قبیلے مقامات احقاف عمان حضر موت، شام، مدینہ منورہ کے درمیان آباد تھے اور اس قوم عاد کا بادشاہ ساد تھا جو چاند کو پوجتا تھا بارہ سو سال کی عمر میں فوت ہوا یہ لوگ طویل القامت فربہ جسم اور کثیر العمر تھے موّرخین نے ان کا قد ساٹھ اور اسی گز تک لکھا ہے اور یہ لوگ ستارہ پرست تھے۔حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو عرصہ تک وعظ و نصیحت کی اور راہِ حق پر لانے کی کوشش کی حتیٰ کہ عذابِ نوح یاد دلایا لیکن بے سود اور اللہ کے نبی کی تکذیب ہی کرتے رہے آخر ان پر عذاب نازل ہوا ایک ایسی تیز گرم ہوا چلی کہ وہ ایک ایک کو آسمان کی طرف اٹھا کر پھر الٹا کر کے زمین کی طرف پھینک دیا اور سر علیحدہ ہو گئے جسم بلا سر رہ گئے میدانوں میں ایسے پڑے ہوئے تھے جیسے بڑے بڑے کھجوروں کے درخت پڑے ہوں کئی دن تک تیز و گرم مثل آگ کے ہوا چلتی رہی آخر سب جاندار فنا ہو گئے جو لوگ ایمان لائے تھے ان کو نجات ملی۔آپ کی قبر مبارک عراق وادی السلام نجف اشرف میں ہے ان کے صلب سے دو فرزند ہوئے (۱) قانع۔حامل نور محمد اور جانشین ہوئے (۲) عبید۔ان کے صلب سے حضرت صالح علیہ السلام پیدا ہوئے۔

۱۵۔قانع یا فالخ

حامل نور محمدیؐ اور دنیوی بادشاہ بھی تھے اور اپنے پدر بزرگوار کے جانشین تھے۔

۱۶۔ارغو یا ارعو

حامل نور محمدیؐ اور ملک بابل کے بادشاہ تھے فیاضی وسخاوت میں یگانہ زمانہ تھے۔

۱۷۔شاروخ یا شارغ

حامل نور محمدیؐ اور اپنے والد کے جانشین ہوئے۔

۱۸۔ناخور یا ناحور

علم نجوم یا علم فلکیات میں ماہر زمانہ اور اپنے والد کے جانشین تھے اور آپ کے صلب سے تین فرزند متولد ہوئے، (۱) تارخ والد حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ (۲) نور (نور کی دختر سارہ) (۳) آذر بت تراش، بت پرست۔

۱۹۔تارخ

بابل کے علاقہ قریہ کوش میں ولادت ہوئی آپ کے زمانہ میں نمرود بن کنعان بن کوش بادشاہ وقت اور عرب کے علاقہ میں عوف بن خاران حکمران تھا جو کہ آپ کے خاندان سے تھا یہ خاندان ہمیشہ معزز ومکرم رہا آپ کا خاندان تقدس، زہد وتقویٰ میں مشہور تھا اور آپ بذات خود عابد وزاہد اور دیندار اور دیانتداری میں یگانہ زمانہ تھے اس لئے نمرود نے آپ کو شاہی خزانہ کا کلید بردار (خزانچی) مقرر کیا اور نمرود کی دربار میں معزز اور بلند مرتبہ مانے جاتے تھے۔

(کتاب مواہب لدنیہ وحیات القلوب)

یقین کامل ہے کہ مومن آل فرعون (حزقیلؑ) کی طرح تارخ بھی اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے۔

تارخ کا برادر آذر نمرود کے شاہی بت خانہ کا بت تراش اور منتظم تھا، تارخ حامل نور محمدی اور اپنے والد کے جانشین تھے آپ کے صلب سے تین پسر پیدا ہوئے (۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۲) نحور (۳) حاران۔ حاران حضرت لوط علیہ السلام کے والد تھے۔ بائبل پیدائش باب ۱۱ آیت ۲۷،۲۸ میں بھی آپ کے تین فرزند ابرام (ابراہیم) نحور، خاران مذکور ہیں۔

۲۰۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

اکثر مسلمانوں کی روایت کے بموجب مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے والد آذر مشرک اور بت تراش تھے لیکن حقیقتاً یہ بات بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ جیسا کہ ہم ''عصمتِ انبیاء'' کے ذیل میں تحریر کر چکے ہیں تمام انبیا و اوصیائے کرام تمام قسم کے عیبوں سے پاک ہیں یہی وجہ ہے کہ انہیں بہ اصطلاحِ شریعتِ غرّا معصومین کہا جاتا ہے معصوم کی تعریف یہ ہے کہ جس انسان سے از پیدائش تا موت باوجود اختیار سہواً عمداً کوئی گناہ کبیرہ وصغیرہ سرزد نہ ہو سکے یہ شرف انبیاء و اوصیا علیہم السلام کے سوا کسی غیر کو نصیب نہیں اسی وجہ سے اکثریت فرقۂ اسلامیہ انبیاء و مرسلین کی عصمت کے قائل ہیں اور انبیاء کے والدین بھی فطری طور پر سیرتِ صالحہ کے مالک اور وارث ہوتے ہیں چنانچہ ارشاد ربّ العزّت ہے:

وَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ ۚ وَ اجْتَبَیْنٰهُمْ وَ هَدَیْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ. (الانعام ۸۷)

''ان کے باپ داداؤں اور ان کی اولاد اور ان کے بھائی بند سے اور ان کو منتخب کیا اور انہیں سیدھی راہ کی ہدایت کی ہے''۔

اسی لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے مجھ کو پاک و پاکیزہ پشتوں اور ارحام طاہرہ میں محفوظ رکھا یہاں تک کہ اس دنیا میں مجھے پیدا کیا اور کفر و جاہلیت کی

نجاست سے پاک و پاکیزہ رکھا اس حدیث کی روشنی میں یہ بات صاف واضح ہے کہ اگر آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ ہوتا جو کہ کافر تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی یہ نہ فرماتے کہ میں پاک پشتوں اور پاکیزہ رحموں میں رہا ہوں کیونکہ مشرکین کو تو اللہ تعالیٰ نے نجس قرار دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ۔(توبہ ۲۸)

یعنی "جتنے مشرک ہیں سب ناپاک ہیں"

بغیر اسلام لائے طاہر ہو ہی نہیں سکتے پس ثابت ہوا کہ انبیاء واوصیا علیہم السلام کے تمام آباو اجداد پکے مسلم اور موحد تھے اور کافر و مشرک نہیں تھے۔ پھر یہ قول کیونکر مانا جا سکتا ہے کہ معاذ اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آذر ہو وہ بھی کافر۔ اب تحقیق طلب امر یہ ہے کہ قرآن مجید میں آذر کو حضرت ابراہیم کا باپ کیوں کہا گیا۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں آذر کو والد ابراہیم نہیں کہا گیا البتہ "اب" کہا گیا ہے اب اور والد دو جدا جدا لفظ ہیں اب کے معنی باپ، دادا، چچا ہیں یعنی اب کا لفظ باپ کے علاوہ دادا، چچا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔(البقرہ ۱۳۳)

"کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کے سر پر موت آ کھڑی ہوئی اس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے کہنے لگے کہ ہم آپ کے معبود اور آپ کے آبا ابراہیم، اسماعیل، اسحاق علیہم السلام کے یکتا و یگانہ معبود کی عبادت کریں گے اور ہم اسی کے مسلمان

(فرمانبردار) ہیں"۔

"آبا" "اب" کی جمع ہے جس کے تحت اللہ تعالیٰ نے تین ناموں کا ذکر کیا ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے دادا تھے ثابت ہوا کہ اب کے معنی صرف باپ ہی نہیں بلکہ دادا بھی ہے پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نام لیا جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے اسی سے معلوم ہوا کہ اب کے معنی صرف باپ ہی نہیں بلکہ چچا بھی ہیں پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کا ذکر کیا واضح ہوا کہ یہاں "اب" کے معنی باپ نہیں لہٰذا اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ چچا کو بھی اب کہتے ہیں اس بنا پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنے چچا آذر بت تراش، بت فروش، بت پرست کو اب کہا کرتے تھے وہ ان کے والد نہیں تھے ان کے والد کا نام تارخ تھا جو مومن موحّد تھے اور بائبل سے بھی اس کی تصدیق ہو رہی ہے۔ "تارخ سے ابرام، نحور اور حاران پیدا ہوئے"۔ (پیدائش باب ۱۱۔ آیت ۲۷، ۲۸)

ازروئے قرآن ابراہیمؑ کے "اب" آذر والد یعنی باپ نہیں تھے بلکہ چچا تھے ارشاد رب العزت ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ۔ (توبۃ ۱۱۳، ۱۱۴)

"نبی اور مومنین پر ظاہر ہو چکا ہے کہ مشرکین جہنمی ہیں تو اس کے بعد مناسب نہیں کہ ان کے لئے مغفرت کی دعائیں مانگیں اگرچہ یہ مشرکین ان کے قرابتدار ہی کیوں نہ ہوں اور ابراہیم کا باپ (اب) کے لئے مغفرت کی دعائیں مانگنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اپنے

''اب'' سے کرلیا تھا پھر جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ یقینی خدا کا دشمن ہے تو اس پر تبرا کیا (یعنی اس سے بیزار ہو گئے) بے شک ابراہیم بڑے دردمند اور بردبار تھے''۔

گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ''اب'' سے بیزار ہو چکے تھے اس پر تبرا کر چکے تھے اور اس کے بعد انہوں نے اس کے لئے کبھی دعائے مغفرت نہیں کی مگر اپنے والد یعنی صلبی باپ کے لئے اپنی کبیر سنی تک عالم پیری میں دعائے مغفرت کرتے رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی کبیر سنی کی ایک دعا کا ذکر فرماتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ. (ابراھیم ۳۹ تا ۴۱)

''اس خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے مجھے ضعیفی آنے پر اسماعیل اور اسحاق جیسے دو فرزند عطا کئے اس میں شک نہیں کہ میرا پالنے والا دعا سننے والا ہے اے پالنے والے مجھے اور میری اولاد کو نماز کا پابند بنا دے اے ہمارے پالنے والے ہماری دعا قبول فرما اے پالنے والے جس دن اعمال کا حساب ہونے لگے تو مجھے اور میرے ماں باپ اور سارے ایمان داروں کو تو بخش دے''۔

پس ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اب یعنی چچا سے بیزار ہو چکے اس پر تبرا کر چکے اس کے لئے دعائے مغفرت کو ترک کر چکے اور والد یعنی تارخ کے لئے یوم قیامت میں بخشش کی دعائیں عالم پیری میں فرما رہے ہیں اگر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے والد مشرک ہوتے تو وہ

اپنی عمر کے آخری حصے تک اس کی مغفرت کی دعائیں نہ کرتے۔ بہر حال انبیاء و آئمہ علیہم السلام کے متعلق صحیح اسلامی عقیدہ یہی ہے کہ وہ سب معصوم ہوتے ہیں اور ان کے آباؤ اجداد مسلم و موحد اور مومن ہوتے ہیں تمام قسم کے عیبوں سے پاک و پاکیزہ ہیں۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پیغمبران اولوالعزم سے ہیں لقب آپ کا ابوالانبیاء اور خلیل اللہ ہے صاحب شریعت عظیم ہیں مذہبی اعتبار سے دین اسلام ازل سے ہے اور سب پیغمبر خدا کی طرف سے اسی دین کی اشاعت کے لئے آئے مگر اس دین کے پیروکاروں کا نام مسلم سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھا اور اس اعتبار سے وہ مسلمانوں کے مورثِ اعلیٰ سمجھے جاتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند اسمٰعیل علیہ السلام کو شیر خوارگی کے عالم میں آپ کی والدہ گرامی ہاجرہ کے ساتھ مکہ کی سرزمین پر پہنچا دیا جس پر خانہ کعبہ واقع ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرزند کو اپنے خواب کا واقعہ سنایا حضرت اسمٰعیل نے ذبح ہونے پر آمادگی ظاہر فرمائی حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کو پہاڑ کے ایک گوشہ میں لے جا کر ذبح کیلئے لٹا دیتے ہیں مگر محبت پدری جوش کرتی ہے فوراً آنکھوں پر پٹی باندھ لیتے ہیں اور چھری اٹھا کر ذبح کرنا ہی چاہتے تھے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ دنبہ ذبح ہو جاتا ہے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بچ جاتے ہیں آپ کی زوجہ جناب ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور جناب سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام متولد ہوئے اور یدین و مدین وفروخ تین پسر اور پیدا ہوئے۔

۲۱۔ حضرت اسمٰعیلؑ:

آپ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کے فرزندِ اکبر اور جناب حاجرہ کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے۔ والدِ ماجد کے حقیقی جانشین اور حاملِ نورِ محمدیؐ تھے۔ ان کے پدر بزرگوار حضرت ابراہیمؑ نے آپ کو اور آپ کی مادرِ گرامی جناب حاجرہ کو بحکمِ خدا سرزمینِ حجاز میں پہنچا دیا تھا ان دونوں ماں بیٹے کے قریب اس صحرا میں آب و دانہ موجود نہ تھا کوہِ صفا مروہ پہاڑی کی سعی اور

دعائے جناب حاجرہ سے اور حضرت اسمٰعیلؑ کی خاطر ایک چشمہ جاری ہو گیا جس کا نام آبِ زم زم مشہور ہوا اس چشمے کی وجہ سے چرند پرند جمع رہتے تھے ایک قافلہ بنی جرہم کا جو یمن سے شام جاتا تھا یہاں آیا اور چشمۂ آبِ زم زم کے آس پاس بود و باش اختیار کی یہ چشمہ اور آس پاس کی جگہ ملکیت حضرت اسمٰعیلؑ ذبیح اللہ تھی اس وجہ سے قبیلہ جرہم کا سردار ممنون ہوا اور رہائش کے بعد اس قبیلہ بنی جرہم میں حضرت اسمٰعیلؑ کی شادی ہوئی آپ کے صلب سے بارہ فرزند متولّد ہوئے۔

قیدار، روئیل، شماع، دومہ، حدر، طیمہ۔ قطور، قیس، میان، تالوت، قیدمہ اور فتاج۔

۲۲۔ قیدار

آپ نہایت شجاع خاص کر تیر اندازی و تلوار کے ماہر تھے اپنے پدر بزرگوار کے حقیقی جانشین اور حامل نورِ محمدیؐ تھے آپ کے صلب سے ایک پسر حمل یا حمد پیدا ہوا۔

قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے دوسرے فرزند تھے اور شہرت اور اعزاز میں تمام بھائیوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ قیدار عبرانی کا لفظ ہے جس کے معنی سیاہی اور غم کے ہیں۔ شاید حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے یہ نام باپ سے مفارقت، وطن سے جدائی اور صحرانوردی کے غم میں رکھا ہو۔ اس سے بڑھ کر قیدار کی عظمت اور جلالت اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ نورِ الٰہی جو آدمؑ اور ابراہیمؑ کو ودیعت ہوا تھا وہ اسی قیدار کی پشت سے جلوہ افروز عالم ہوا۔ یعنی پیغمبر عالم حضور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نسلِ قیدار کی ایک شاخ عدنان سے پیدا ہوئے۔ (اسوۃ الرسول)

ایک قوم ہونے کی حیثیت سے بنو قیدار کا ذکر ۱۰۱۱ سنہ ق م میں زبور میں ملتا ہے۔ یہ لوگ خیموں میں رہتے تھے۔ ان کے خیمے سیاہ رنگ کے کمبلوں کے ہوتے تھے جن کا رواج آج تک بدو عربوں میں موجود ہے۔ مکہ معظمہ جو آج عربوں کا عظیم شہر ہے۔ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ عرصہ قبل تک یہ بھی کالے رنگ کے خیموں کا شہر تھا۔

یشیعاہ نبی جو سنہ ۵۰۷ ق م میں ہوئے ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو قیدار ایک

شاندار اور بہادر قوم تھی۔ قیدار کی اولاد سے عربوں کے نزدیک سب سے زیادہ مشہور عدنان ہیں۔ قیدار کی نسل کی تمام شاخیں اسی عدنان تک منتہی ہوتی ہیں۔ (شجرۂ انساب)

بخت نصر ۶۱۵ء تا ۵۶۲ء ق م اسیریا کے تخت پر قابض ہوا۔ اس نے شام مصر اور عرب کی خاک اڑادی۔ اس ظالم بادشاہ کے دور میں عربوں کے رئیس کل (حاکم اعلیٰ) عدنان کے فرزند معد تھے۔ اسی دور میں یشیعاہ نبی ۵۰۷ء ق م حزقیل نبی ۵۹۷ء ق م اور یرمیاہ نبی ۵۸۵ء ق م بھی پیدا ہوئے۔ ان انبیاء نے اولاد قیدار کو اس ظالم اور خونخوار بادشاہ کے خروج اور عرب پر حملہ سے آگاہ کیا۔

تاریخ عرب شاہد ہے کہ اولادِ قیدار کے تمام افراد اپنے اپنے دور میں دنیا کی عظیم شخصیت تھے، ان میں سے ہر شخص اپنے آداب اور طرز معاشرت میں ایک تہذیب خاص کا حامل مسلک ابراہیمیؑ کا پیرو اصلاح وتجدید کا پیغامبر، ذہنی وعملی انقلاب کا داعی اور بے داغ کردار کا مالک تھا۔ انہوں نے کفرستان عرب کی تاریکی میں دینِ حنیف کی شمعیں بلند رکھیں، جہالت اور اخلاقی زبوں حالی کے دور میں اخلاقی اقدار کی حفاظت کی اور اپنے عمل وکردار سے انسانی عظمت کے نقوش روشن کئے۔ شروفساد کے عناصر کو کچلنے۔ اخوت وہمدردی کے جذبات پیدا کرنے کے لئے اپنی مساعی کو سرگرم عمل رکھا۔ تفرقہ بندیوں کو ختم کرنے کے لئے جماعتی تنظیم کی بنیاد رکھی۔ تجارت کو فروغ دے کر معاشی فلاح وبہبود کا سامان کیا۔ مظلوموں کی حمایت اور حق رسی کا بیڑا اٹھایا اور دور دراز سے آنے والے حاجیوں کی مہمان داری، مسافروں اور بے نواؤں کی خدمت و اعانت کا ذمہ لیا۔ یہی وہ امتیازات تھے جن کی وجہ سے عوام کے دلوں میں شایان شان مقام حاصل کیا اور غیر معمولی عزت وتوقیر کی نظروں سے دیکھے گئے۔

۲۳۔ حمل یا حمد

اپنے والد ماجد کے حقیقی جانشین اور حامل نور محمدی اور آپ کی زوجہ سعیدہ قبیلہ بنی جرہم

کی تھیں۔

۲۴۔نبت یا نابت

آپ اپنے والد ماجدؑ کے حقیقی جانشین اور حامل نور محمدیؐ تھے۔

۲۵۔سلامان یا سلاما

مؤرخین نے آپ کو نبی اور دنیوی بادشاہ بھی لکھا ہے اہل عرب و بنی اسرائیل اپنا سردار مانتے تھے اپنے پدر بزرگوار کے حقیقی جانشین اور حامل نور محمدی تھے!

۲۶۔ہمیسع یا الیسع

علم لغت کی ایجاد آپ سے ہوئی، والد کے حقیقی جانشین اور حامل نور محمدی تھے۔

۲۷۔اود یا اوز

بہت سی زبانوں کے جاننے والے اور ذی علم تھے اپنے باپ کے جانشین اور حامل نور محمدی تھے۔

۲۸۔اُدّ

قوی الجثہ بلند قامت اور بھاری آواز تھی۔

۲۹۔عدنان

آپ کے دور میں اولاد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بکثرت تھی حتیٰ کہ مکہ معظمہ میں رہائش کی گنجائش نہ رہی تو علیحدہ علیحدہ قبائل مضافات مکہ میں آباد ہو گئے جو قبیلہ مکہ معظمہ سے ہجرت کرتا تھا وہ ایک پتھر شبیہہ حجر اسود اپنے ہمراہ لے جاتا اس بنا پر بت پرستی بعض قبائل میں پھیل گئی آپ ان کو وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔آپ قیدار کی اولاد میں نمایاں شخصیت تھے۔آپ کے والد کا نام اُدّ اور والدہ کا نام بلہا تھا چونکہ اولاد قیدار حجاز میں سکونت پذیر تھی۔لہٰذا آپ حجاز (مکہ) میں پیدا

ہوئے۔بچپن سے ہی آپ کے چہرہ پر بزرگی اور شرافت فطانت اور ذہانت کے آثار نمایاں تھے۔جبین مبارک کے نور کی تابندگی سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اسی ہستی کی نسل سے نور قدسی ظہور پذیر ہوگا۔جس کے رخ انور کی شعاع سے ظلمت کافور ہو جائے گی۔آپ کے جبین مبارک کے نور کو دیکھ کر اس دور کے کاہنوں اور منجموں نے پیش گوئی کی کہ عدنان کی نسل سے ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جس کے انسان کے علاوہ جن بھی مطیع ومنقاد ہوں گے۔

عدنان اس دور کے باوقار اور پر تمکنت سردار، معروف ترین شجاع اور میدان جنگ کے یکہ تاز و شہسوار تھے۔اسی شجاعت و دلیری کی بنا پر عرب ریاست کے حکمران ہوئے۔یثرب و بطحیٰ کے لوگوں کے علاوہ صحرائی قبائل (بدو عرب) نے بھی آپ کی سیادت کو تسلیم کرلیا۔

معجزۂ نبوّت:

اس میں شک نہیں کہ عدنان نہایت خلیق، ملنسار، زیرک اور راست گو انسان تھے۔ قبائل عرب کے لوگ آپ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کی وجہ سے آپ کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے۔مگر بعض حاسد مزاج محض بغض اور حسد کی بنا پر آپ کے دشمن بھی تھے۔ایک مرتبہ بیابان شام میں آپ کو اکیلا پا کر اتنی سواروں نے آپ پر حملہ کر دیا۔اس اچانک حملہ سے نہ خوفزدہ ہوئے نہ گھبرائے اور نہ راہِ فرار اختیار کرنے کی کوشش کی۔ بلکہ نہایت جرأت و استقلال کے ساتھ دشمن کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔آخر لڑتے لڑتے خود سخت زخمی ہوئے اور گھوڑا مارا گیا۔ پھر بھی ہمت نہ ہاری اور پیادہ ہی لڑنے لگے۔لڑتے لڑتے دامنِ کوہ کی طرف ہٹنے لگے۔دشمن نے موقعہ پا کر پشت کی جانب سے حملہ کر دیا۔عین اس وقت جبکہ آپ زخموں سے نڈھال ہو چکے تھے۔پردۂ غیب سے ایک قدرتی ہاتھ ظاہر ہوا جس نے آپ کو اٹھا کر پہاڑ پر کھڑا کر دیا۔ساتھ ہی پہاڑ سے ایک ہیبت ناک آواز پیدا ہوئی جس سے خوف کھا کر دشمن بھاگ گئے۔

والد کے بعد عدنان ہی قبیلہ کے سردار اور کعبہ کے متولی مقرر ہوئے۔ خانہ کعبہ کی

عظمت وتوقیر کے پیش نظر سیاہ رنگ کا پردہ تیار کروا کر بطور غلاف خانہ کعبہ پر چڑھانے کا شرف حاصل کیا۔ بلاذری نے لکھا ہے:

"اول من کساء الکعبۃ عدنان"

عدنان نے سب سے پہلے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا۔

(سیرۃ امیر المومنین بحوالہ انساب ج ا ص ۱۵)

زمانہ عدنان میں کلدانی فرمانروا بخت نصر نے بیت المقدس کی فتح کے بعد بلاد عرب کی تسخیر کا ارادہ کیا اور ایک کثیر تعداد لشکر کے ساتھ عرب پر حملہ آور ہوا۔ عدنان قبائل عرب کا لشکر جمع کر کے اس کے مقابلہ پر نکلے۔ عرب قبائل عدنان کی قیادت میں جان توڑ کر لڑے۔ بخت نصر کے سینکڑوں سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ آخر بخت نصر کے بے شمار لشکر کی تاب نہ لا کر مصلحتاً پسپائی اختیار کی۔ عدنان اپنے بیٹوں کے ساتھ یمن کی طرف نکل گئے۔ پھر آخر وقت تک وہیں رہے اور وہیں اس دار فانی سے دار البقا کی طرف کوچ کیا۔ اس کے برعکس اسوۃ الرسول جلد اول میں ہے کہ چھٹی صدی قبل مسیح میں بنوخذ ندر (بخت نصر) ۶۱۵ء تا ۵۶۲ء ق م اسیریا کے تخت پر جلوہ نما ہوتا ہے اور عراق سے لے کر شام مصر اور عرب تک کی خاک اڑا دیتا ہے۔ اہل عرب کا بیان ہے کہ اس وقت عربوں کے رئیس کل معد بن عدنان تھے۔ قیدار کی اولاد کے مختلف روساء میں سے عربوں کے نزدیک سب سے زیادہ مشہور عدنان ہیں۔ قیدار کی نسل کی تمام شاخیں شجرۂ انساب میں انہی عدنان تک منتھی ہوتی ہیں۔

عدنان کے معد، عک، عدن، اذ، غنی، ضحاک، عود، لمک، غنث اور غت دس بیٹے تھے۔ ان میں سب سے نامور اور بلند مرتبت معد تھے۔ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور جو ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے صلب بہ صلب اور رحم بہ رحم منتقل ہوتا چلا آرہا تھا۔ وہ نور عدنان سے معد میں منتقل ہوا۔

۳۰۔ معد

تمام عرب میں شجاع اور شہسوار تھے آپ کے چاروں بیٹے بھی نہایت دلیر اور بہادر تھے۔ اکثر بنی اسرائیل سے نبرد آزما رہے آپ کے صلب سے چار فرزند بہادر پیدا ہوئے، نزار، قصاعہ، قیض، آیاد۔ نزار اپنے پدر بزرگوار کے حقیقی جانشین اور حامل نور محمدی تھے۔

آپ کی والدہ مہدو بنت اللہم بنی جرہم سے تھیں۔ معد اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ یمن میں مقیم تھے جب بخت نصر گیا۔ لوگوں کو اس کے شر سے امان ملی اور فضائے عرب پُرسکون ہوئی تو قبائلِ عرب نے انہیں حجاز واپس لانے کے لئے ایک وفد بھیجا۔ معد اس وفد کے ساتھ واپس حجاز آ گئے اور حسب دستور قبائل کے سردار اور کعبہ کے کلید بردار بن گئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب بخت نصر نے عرب پر حملہ کیا۔ بنی عدنان اور بنی جرہم نے شکست کھائی۔ بخت نصر نے صرف شہر میں لوٹ مار ہی نہیں کی بلکہ یہاں کے سینکڑوں باشندوں کو پکڑ کر اپنے ساتھ بابل لے گیا۔ اس وقت بنی ارمیاہؑ نے بحکم خدا معد کی مدد کی۔ ارمیاہؑ اور ان کے وصی و جانشین (کاتب وحی) انہیں اپنے ساتھ شام لے گئے۔ اور اس وقت تک بحفاظت تمام اپنے پاس رکھا جب تک بخت نصر مر نہ گیا۔ اس کے مرنے کے بعد جب عرب کی فضا میں سکون پیدا ہوا تو معد کو حجاز واپس بھیج دیا۔ یہاں پہنچ کر یہ پھر عرب کی ریاست اور سرداری کے منصب پر فائز ہوئے۔

یعقوبی لکھتا ہے کہ عزت اور عظمت کی جن بلندیوں پر معد فائز ہوئے۔ اولاد اسماعیل علیہ السلام کا کوئی فرد ان بلندیوں تک نہیں پہنچ سکا۔ معد اپنی حق گوئی، راست بازی اور خوش اطواری کی وجہ سے پورے عرب میں انتہائی عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ اپنے پدر بزرگوار کی طرح بہت شجاع اور فنونِ جنگ میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ نہ کبھی کسی دشمن کو پیٹھ دکھائی اور نہ کبھی شکست سے دوچار ہوئے۔ صاحب تاریخ خمیس لکھتے ہیں:

لم یحارب احداً الا رجع بالنصر والظفر۔

جس سے جنگ کی اس کے مقابلہ میں فتح وکامرانی سے پلٹے۔

(سیرت امیر المومنین بحوالہ تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۱۴۷)

سب سے پہلے اونٹوں پر کجاوہ رکھنے اور اس کو تنگ سے باندھنے کا رواج معد سے شروع ہوا اور حرم کے حدود پر پتھر نصب کر کے ہمیشہ کے لئے اس کی حد بندی کردی۔

نورِ نبوّت:

معد کے نزار، قضاعہ قیض اور آیاد چار بیٹے تھے۔ قضاعہ سب سے بڑا تھا۔ اسی کے نام پر آپ کی کنیت ابوقضاعہ قرار پائی۔ نزار شرف خاص (نور نبوت) کے حامل ہوئے۔ معد نے نزار کی ولادت پر اس مولود کی پیشانی میں نور نبوت کی چمک کو دیکھا تو بیحد مسرت ہوئی اور کہا: ان هذا اکله نور فی حق هذا المولود، اسی وقت ایک ہزار اونٹ ذبح کر کے غربا اور مساکین کو کھانا کھلایا۔

۱۳۔ نزار

علم وفضل کے علاوہ شب بیدار اور عبادت گزار تھے اسی وجہ سے تمام عرب میں عابد کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کی والدہ کا نام مُعانہ بنت خوشم تھا۔ جو بنی جرہم سے تھیں۔ نزار حسن صورت، عقل ودانش کے لحاظ سے مثل ونظیر نہ رکھتے تھے۔ دیار بکری نے لکھا ہے:

خرج اجمل اهل زمانه واکثرهم عقلا۔

آپ اپنے دور میں حسن وجمال اور عقل ودانش میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔

(سیرت امیر المومنین بحوالہ تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۱۴۸)

معد کے انتقال کے بعد قبائل عرب کے سردار اور خانہ کعبہ کے محافظ مقرر ہوئے۔ ربیعہ، انمار، مضر اور ایاد چار فرزند تھے۔ آخری عمر میں بیٹوں کے ساتھ بادیہ (صحرا) میں مقیم تھے۔ وفات کے وقت مکہ واپس آگئے۔ بیٹے بھی باپ کے ساتھ ہی شہر آگئے اور وہیں انتقال

ہوا۔آپ نے سب سے پہلے عربی تحریر کی ابتدا کی اور عربی رسم الخط ایجاد کیا۔

جب جناب نزار بیمار ہوئے تو مکہ معظمہ میں پہنچ کر اپنے بیٹوں کو اپنا سرمایہ بقدر حصہ مساوی چاروں میں تقسیم کر دیا خیمہ وزر مضر کو دیئے گھوڑے ربیعہ کو دیئے بکریاں وغیرہ ایاد کو اور سامان مجلس و فرش وغیرہ چوتھے بیٹے انمار کو ملا۔ مضر ہمیشہ دین اسلام کی اشاعت کے لئے سعی کرتے رہے۔

۳۲۔مضر

اپنے والد ماجد کے حقیقی جانشین تھے۔ مسماۃ عصلیکہ ہم نسب عدنان سے شادی ہوئی ان کے بطن سے دو فرزند پیدا ہوئے۔الیاس اور عیلان۔

آپ کا نام عمرو تھا۔والدہ کا نام سودہ بنت عک تھا۔نزار کی اولاد سے آپ ہی حامل نور نبوت اور ورثہ دار امانت خلیل تھے۔والد گرامی کے بعد آپ ہی قبائل عرب کے سردار اور خانہ کعبہ کے متولی مقرر ہوئے۔آپ ملت ابراہیمؑ سے وابستہ اور دین حنیف کے پیرو تھے۔زندگی بھر دین ابراہیمؑ کی تبلیغ و ترویج میں کوشاں رہے۔

حدیث نبویؐ:

دین حنیف سے وابستگی کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا تسبو مضر فانه کان قد اسلم

مضر کو برا نہ کہو۔کیونکہ وہ مسلمان تھے۔ایک اور حدیث میں ہے۔

انهما کان علی دین ابراهیم

ربیع اور مضر دونوں دین ابراہیمؑ پر تھے۔

سیرۃ امیر المومنینؑ میں ہے کہ مضر جود و کرم اور عقل و فہم میں یگانہ روزگار تھے۔اپنے

بھائیوں میں ہر لحاظ سے ممتاز تھے۔ اگرچہ نزار کے سب ہی فرزند عقل و دانش، فہم و فراست میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے مگر مضر میں معاملہ فہمی اور حقیقت شناسی کا خصوصی جوہر تھا۔

بنی جرہم کے بعد آپ نے خانہ کعبہ کی نئے سرے سے تعمیر کی۔ بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: جو شر کا بیج بوتا ہے وہ ندامت اور شرمندگی سمیٹتا ہے۔ عمدہ بھلائی وہ ہے جو فوراً ہو۔ اپنے نفس کو ان ناگوار چیزوں پر ابھارو جو تمہاری اصلاح و درستگی کریں اور ان پسندیدہ چیزوں سے روکو جو خرابی کا باعث ہوں اس لئے کہ صبر اور ضبط نفس ہی وہ چیز ہے جو اصلاح اور فساد کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ (تاریخ یعقوبی جلد ا ص ۲۲۶)

عیلان اور الیاس آپ کے دو فرزند تھے۔ اولاد عیلان سے عرب کے کئی قبیلے ہوئے۔

۳۳۔ الیاس

حامل نور محمدی یعنی اپنے والد بزرگوار مضر کے حقیقی جانشین تھے ان کے صلب سے تین پسر عمر ملقب مدرکہ عامر و عمیرہ ہوئے۔ عمر ملقب مدرکہ دین الٰہی کے مبلغ تھے!

آپ کا اصلی نام حبیب تھا۔ جب پیدا ہوئے تو مضر پر ضعیفی اور یاس کا عالم طاری تھا۔ اسی بنا پر الیاس کے نام سے مشہور ہوئے۔ والدہ کا نام رباب بنت جیدہ تھا۔ والد گرامی کے انتقال کے بعد قبائل کے رئیس ہوئے اور سید العشیرہ کے لقب سے پکارے گئے۔ بیوی کا نام لیلیٰ بنت حلوان قضاعیہ تھا۔ جن کو خندف بھی کہا جاتا ہے۔ اسی لئے اولاد الیاس کو بنی خندف کہتے ہیں۔ نور نبوت مضر سے انہیں میں منتقل ہوا۔ عرب کے لوگ آپ کو معظم اور بزرگ جانتے تھے۔ عقل و حکمت میں مثل لقمان سمجھتے تھے لہٰذا جملہ امور کے فیصلے اور مہمات آپ کے صلاح و مشورہ سے طے پاتے۔

حدیث نبویؐ:

تاریخ خمیس میں ہے کہ عرب الیاس بن مضر کی اسی طرح تعظیم کرتے تھے جس طرح لقمان اوران کے پائے کے دوسرے حکماء اور دانشوروں کی۔ ان کی زندگی پر ملت ابراہیمیؑ کا گہرا سایہ تھا۔ ایک ایک عمل دین حنیف کا آئینہ دار تھا۔ اسی کو رسول اکرم ﷺ نے آپ کے ایمان کی شہادت دیتے ہوئے فرمایا،

لاتسبوا الیاس فانه کان مومنا۔

الیاس کو برا نہ کہو اس لئے کہ مومن تھے۔

قبائل عرب کا ان کی سوجھ بوجھ اور اصابت رائے پر مکمل اعتماد تھا۔ لہٰذا قبائلی معاملات اور نزاعی امور انہیں کی صوابدید سے طے ہوتے تھے۔ ان کی زندگی کا درخشاں کارنامہ یہ ہے کہ اس تاریک دور میں جبکہ دین ابراہیمیؑ میں سے جو آثار رہ گئے تھے۔ وہ بھی مٹتے اور ختم ہوتے نظر آرہے تھے۔ اس میں نظر وفکر کی روشنی پیدا کی۔ اپنے آباواجداد کے طریق ومسلک کا کھوج نکالا اور اس میں جو تغیر وتبدّل ہو چکا تھا۔ اسے مٹایا اور ملت ابراہیمیؑ کی تجدید کر کے اولاد اسمٰعیلؑ کو اس کا پابند بنایا۔ اس طرح دین حنیف کی حفاظت اور ملت ابراہیمؑ کے تحفظ کا فریضہ ادا کیا۔ یعقوبی لکھتا ہے:

کان اول من انکر علی بنی اسمٰعیل ماغیروا من سنن اباؤهم و ظهرت منه امور جمیله حتیٰ رضوابه رضالم یرضوه باحد من ولد اسمٰعیل بعد ادو فردهم الیٰ سنن اباءهم حتیٰ رجعت السنة تامة علیٰ اولها۔

الیاس اول فرد ہیں جنہوں نے بنی اسمٰعیل کی اس روش پر تنقید کی کہ انہوں نے آبائی سنت کو بدل ڈالا ہے اور ایسے اچھے کام انجام دیئے کہ تمام لوگ ان سے اتنا خوش ہوئے کہ ادد کے بعد اولاد اسمٰعیلؑ میں سے کسی سے اتنا خوش نہ ہوئے تھے۔ انہوں نے اولاد اسمٰعیل علیہ السلام کو آبائی

سنت کی طرف پلٹایا۔ یہاں تک کہ تمام سنن واحکام سابقہ شکل وصورت پر پلٹ آئے۔

(تاریخ یعقوبی ج ا ص ۲۲۷)

الیاس مرض میں مبتلا تھے۔ آپ کی زوجہ نے قسم کھائی کہ اگر الیاس کو اس مرض سے شفا نہ ہوئی اور وہ فوت ہو گئے۔ تو اپنی بیوگی کا زمانہ جنگلوں اور صحراؤں میں گذار دیں گی۔ الیاس فوت ہو گئے تو لیلیٰ بنت حلوان صحرا کی طرف نکل گئیں۔ بقیہ عمر صحرا و بیابان میں روتے دھوتے گذر گئی۔ بالخصوص پنجشنبہ کا دن طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک نوحہ وزاری میں گذارتیں کیونکہ یہی الیاس کی وفات کا دن تھا۔ آخر اسی غم واندوہ میں زندگی کے بقیہ ایام گذار دیئے۔ (سیرت المومنینؑ)

ایک اور روایت میں ہے کہ خندف کو الیاس سے والہانہ محبت تھی۔ یہ اسی محبت کی وجہ تھی کہ الیاس کی وفات کے بعد آپ کی قبر پر سر رکھ کر بیٹھ گئیں۔ پھر آخر وقت تک قبر سے جدا نہ ہوئیں۔

الیاس کے عمر، عامر اور عمیر تین بیٹے تھے جو بعد میں بالترتیب مدرکہ، طانجہ اور قمعہ کے ناموں سے پکارے گئے۔ الیاس کے بیٹے اور ان کی طرف منسوب ہونے والے قبائل بنی خندف کہلاتے ہیں۔

۴۳۔ عمرو بلقب مدرکہ

فیاضی اور جود وکرم کے لئے عرب میں مشہور زمانہ تھے حامل نور محمدی یعنی والد کے حقیقی جانشین تھے۔ اصل نام عمرو اور کنیت ابوالہذیل تھی۔ منتھی الآمال فی تاریخ النبی وآلال میں شیخ عباس قمی لکھتے ہیں کہ ان کو مدرکہ کہے جانے کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ الیاس بال بچوں کے ساتھ صحرا کی طرف گئے۔ ایک منزل پر اونٹوں میں خرگوش گھس آیا۔ اونٹ بدکنے لگے۔ عمرو نے خرگوش کا تعاقب کیا اور اسے پالیا۔ اسی روز سے ان کا نام مدرکہ (پالینے والا) ہو گیا۔

ایک اور قول یہ ہے کہ ان کا نام مدرکہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے تمام محاسن وکمالات کو پالیا تھا چنانچہ دیار بکری نے تاریخ خمیس میں لکھا ہے کہ ان کا نام مدرکہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے باپ دادا کی عزتوں کو حاصل کرلیا تھا۔ اسی شرف وامتیاز کی وجہ سے قبائل عرب کی سیادت وقیادت پر فائز ہوئے۔ آپ کی زوجہ کا نام سلمٰی تھا۔ جو اسد ابن ربیعہ بن نزار کی دختر تھیں۔ سلمٰی کے بطن سے آپ کے دو فرزند پیدا ہوئے ایک کا نام خزیمہ اور دوسرے کا ھذیل تھا۔ نور نبوت مدرکہ سے خزیمہ میں منتقل ہوا۔

۳۵۔ خزیمہ:

صاحب جاہ جلال وتمام قبائل عرب کے سردار تھے تمام عرب میں سید العرب والعجم کہلاتے تھے اپنے والد کے حقیقی جانشین اور حاملِ نورِ محمدیؐ تھے انانہ بنت سعد بن قیس بن غیلان سے عقد ہوا۔ ان کی والدہ کا نام سلمٰی بنت اسلم قضاعیہ تھا اور کنیت ابوالاسد تھی۔ دین حنیف کے اصول وقوانین پر جس طرح خود عمل پیرا تھے۔ اسی طرح دوسروں کو عمل کرنے کا حکم بھی دیتے تھے آباواجداد کی طرح قبائل عرب کے سردار وسربراہ بھی تھے۔ قبائل کے فرمانرداؤں میں سے ایک ممتاز شخصیت تھے۔ عرب آپ کی انصاف پرستی عدل پروری کے معترف تھے اسد، ہون اور کنانہ تین فرزند تھے۔ حامل نور نبوت کنانہ تھے۔

۳۶۔ کنانہ

نہایت قوی ہیکل وشجاعت میں بے نظیر تھے مثل والد ماجد کے تمام قبائل عرب کے سردار تھے مسماۃ برہ بنت مرہ بن اذ بن طالعہ بن الیاس مذکور سے شادی ہوئی ان کے بطن سے تین فرزند متولد ہوئے نفر یا فہر ملقب بہ قریش اور مالک اور ملکان، اپنے پدر بزرگوار کے حقیقی جانشین اور حاملِ نورِ محمدیؐ تھے۔

کِنانہ کی کنیت ابونضر تھی۔ ماں کا نام عوانہ تھا۔ جو سعد بن قیس بن غیلان بن مضر کی دختر تھیں۔ پدر گرامی کے بعد جب رئیس مکہ اور سربراہ قبائل ہوئے تو خواب میں کسی نے کہا کہ تم برہ بنت مرّہ بن اد بن طالعہ (عمیر) بن الیاس کو حبالہ نکاح میں لاؤ۔ اس سے خداوند عالم تمہیں ایک یگانہ روزگار فرزند عطا فرمائے گا۔ دوسری بیوی جس کا نام ہالہ تھا اس سے صرف ایک بیٹا (عبد مناف) پیدا ہوا۔ ان فرزندوں سے نضر نورِ نبوت کے حامل اور امین قرار پائے۔ کنانہ بلند کردار اور عظیم المرتبت بزرگ تھے۔ علم و فضل کی وجہ سے مرجع عرب تھے۔ قبائل کے لوگ انہیں نہایت عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ ان کی رفعت و بلندی کا دل سے اعتراف کرتے تھے۔ کنانہ اپنے جود و کرم کی وجہ سے کبھی اکیلے کھانا نہ کھاتے۔ جب تک کسی کو اپنا مہمان نہ بنا لیتے۔ اگر کسی روز ساتھ بیٹھ کر کھانے والا نہ ملتا تو کسی پتھر کو ہی مہمان تصور کر کے ایک لقمہ خود کھاتے اور دوسرا اس پتھر پر رکھ دیتے۔ (سیرۃ امیر المومنینؑ جلد اول)

۳۷۔ نضر ملقب قریش

آپ کو اہل عرب جلیل القدر بزرگ اور سردار مانتے تھے آپ کا دسترخوان بہت وسیع تھا ہر قبیلہ کے افراد کھانا کھاتے تھے اور یہ بزرگ ہر مسکین و پریشان کی مدد کرتے تھے ان کا لقب قریش تھا قبیلہ قریش انہی کے لقب سے مشہور ہوا۔ قریش کے کل خانوادے انہی کی نسل سے تھے ان کی زوجہ عاتکہ بنت اد بن عمرو بن قیس کے بطن سے دو پسر پیدا ہوئے۔ مالک اور نخیلہ۔

آپ کا اصل نام تو قیس تھا لیکن حسن و جمال اور چہرے کی رونق اور شادابی کی وجہ سے نضر (خوشرو) کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نور نبوت جو آپ کی جبین مبارک سے ساطع تھا۔ اسی کی درخشانی کی وجہ سے آپ کا نام ہی نضر رکھا گیا۔ کنیت ابومَخلد اور لقب قریش تھا۔ آپ کے قریش کے لقب سے ملقب ہونے کی ایک وجہ تو مؤرخین نے یہ بیان کی ہے کہ آپ کے خاندان اور قبیلہ کے لوگ ہر روز صبح شام آپ کے وسیع دسترخوان پر اکٹھے ہوتے

تھے۔اس اجتماع کی وجہ سے آپ کا لقب قریش ہو گیا۔اس لئے کہ تقرش کے معنی اکھٹا ہونے کے ہیں۔ دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ آپ کشتی پر سمندر میں سفر کر رہے تھے کہ مسافروں نے ایک بہت بڑے دریائی جانور کو دیکھا جس کو قریش کہا جاتا ہے۔آپ کے ہمراہی اس کو دیکھ کر ڈر گئے۔آپ نے تلوار سے حملہ کر کے اس کو ہلاک کر دیا۔آپ اس کو اٹھا کر مکّہ لے آئے اور کوہ ابوقبیس کی چوٹی پر رکھ دیا جو اس کو دیکھتا حیرت و استعجاب سے کہتا: **قتل النضر قریشا.** (نضر نے قریش کو مار ڈالا) اسی بنا پر ان کا لقب قریش ہو گیا۔

اخبار الطّوال میں ہے کہ جب سکندر یمن فتح کر کے مکّہ معظمہ پہنچا اور نضر بن کنانہ سے ملاقات کی اس وقت رئیس مکّہ اور قبائل کے سردار بنی خزاعہ تھے سکندر نے بنی خزاعہ کو مکّہ سے نکال کر حرم کی نگہداشت اور مکّہ کا نظم ونسق نضر اور ان کے بھائیوں کے سپرد کر دیا۔عدنان کی اولاد کو تحفے اور ہدایا سے نوازا۔نضر نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد معاشی اصلاح کی۔ برائیوں کو روکا۔ظلم واستبداد کو مٹا کر عظمت اور بزرگی میں بڑا نام پیدا کیا۔بعض مؤرّخین کا کہنا ہے کہ عرب میں قتل پر سو اونٹ کی دیت انہوں نے مقرر کی تھی۔

مالک اور یَخلُدُ آپ کے دو فرزند تھے بعض مؤرّخین نے لکھا ہے ایک اور فرزند بھی تھا جس کا نام صلت تھا۔

۳۸۔مالک

اپنے والد ماجد کے حقیقی جانشین اور حاملِ نورِ محمدیؐ تھے۔آپ کی کنیت ابوالحارث اور والدہ کا نام عاتکہ یا عکرشہ تھا جو عدوان بن عمرو بن قیس بن غیلان کی دختر تھیں آپ عرب کے حکمرانوں میں ممتاز اور سب سے زیادہ بااثر حکمران تھے۔آپ دین ابراہیمی کے پیرو تھے۔ اپنے بعد تین فرزند حارث،شیبان اور فہر چھوڑے۔

۳۹۔فہر ملقب عامر

آپ اپنے والد بزرگوار کے حقیقی جانشین اور حامل نور محمدی تھے ان کے صلب سے چار فرزند پیدا ہوئے غالب، حارث، محارب، اسد۔ ماسوائے غالب کے باقی فرزندان سے تین قبائل ہوئے، ابوعبیدہ جراح کا شمار عشرہ مبشرہ میں کیا گیا جو حارث کی اولاد سے ہیں۔

آپ کی کنیت ابوغالب اور ماں کا نام جندلہ بنت حارث جرہمیہ تھا۔ بعض مورّخین نے ان کا نام قریش اور لقب فہر لکھا ہے۔ لیکن کچھ مورّخین کا خیال ہے کہ قبیلہ کے لوگ جو مکّہ کے گردو نواح میں بکھرے ہوئے تھے۔ آپ نے ان کو اکھٹا کیا۔ اسی وجہ سے ان کو قریش کے نام سے پکارا جانے لگا۔

آپ نے علم و فضل میں بڑا نام پیدا کیا۔ شجاعت و بسالت میں شہرۂ آفاق ہوئے۔ انہیں کے دور حکومت میں حسّان بن عبدکلال نے حمیریوں اور یمنیوں کے لشکر کے ساتھ مکّہ پر حملہ کیا تا کہ خانہ کعبہ کو مسمار کر کے اس کے پتھر اور دوسرا سامان یمن لے جائے اور وہیں خانہ کعبہ تعمیر کرے۔ یوں مکّہ کی اس مرکزیت کو جو اس کو خانہ کعبہ سے حاصل ہے ختم کر کے یمن کو ادائے حج کا مقام قرار دے۔

فہر کو یمنی لشکر کے آنے کی خبر ملی تو انہوں نے قبائل عرب سے ایک لشکر تیار کیا اور اس کے مقابلہ پر نکلے۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ فہر کا ایک بیٹا حارثہ بھی اس جنگ میں مارا گیا۔ آخر یمینیوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ حسان گرفتار ہوا۔ تین سال فہر کی قید میں رہنے کے بعد فدیہ دے کر آزاد ہوا۔ یمن جاتے ہوئے راستہ میں ہی مر گیا۔ اس طرح قدرت نے دشمن کعبہ کو تباہ برباد کر دیا۔ اور نگہبان کعبہ کی سطوت اور شوکت کا سکّہ لوگوں کے دلوں پر بٹھا دیا۔ (بحوالہ سیرۃ امیرالمومنین)

لیلیٰ بنت سعد بن ہذیل کے بطن سے آپ کے چار فرزند غالب، محارب، حارث اور

اسد متولد ہوئے۔ فہر سے نور نبوت غالب میں منتقل ہوا۔

۴۰۔ غالب

تمام عرب آپ کی شجاعت کی وجہ سے مطیع و فرمانبردار تھے سلمٰی بنت عمر بن ربیعہ سے عقد ہوا۔ حاملِ نور محمدی تھے۔

آپ کی کنیت ابو تیم تھی۔ والد کے بعد رئیس مکہ اور قبائل کے حکمران ہوئے۔ شرف و فضیلت میں وہ بلند مقام حاصل کیا کہ آسمان عزت و جلال کے نیر تاباں ہوئے۔ سلمٰی بنت عمرو بن ربیعہ سے ان کے دو فرزند لوئی اور تیم پیدا ہوئے۔ لوئی حامل نور نبوت ہوئے۔

۴۱۔ لوئی

آپ اپنے پدر بزرگوار کے جانشین اور بادشاہ ہوئے ہیں ان کے صلب سے چار فرزند پیدا ہوئے کعب، عامر، سالیہ اور عوف ان کے قبیلہ کا نام غیلان کے نام سے مشہور ہوا جس نے ارض عطفان میں بود و باش اختیار کی لوئی ''لا'' کی تصغیر ہے جس کے معنی نور اور درخشندگی کے ہیں۔ کنیت ابو کعب اور ماں کا نام عاتکہ بنت یخلد تھا۔ والد کے بعد قبائل عرب کے سربراہ ہوئے۔ فضل و کمال میں نمایاں امتیاز اور عز و شرف میں مقام بلند حاصل کیا۔ حرم کے باہر ایک کنواں کھدوایا جو الیسیرہ کے نام سے موسوم ہوا۔ نور نبوت لوئی سے صلب کعب میں منتقل ہوا۔

۴۲۔ کعب

جلیل القدر فاضل اور فصاحت و بلاغت کی وجہ سے خطیب العرب کے لقب سے مشہور تھے اپنے پدر بزرگوار کے جانشین حامل نور محمدیؐ تھے ان کی زوجہ خشیہ دختر شیبان بن مہارب بن فہر کے بطن سے تین فرزند مُرّہ، عدی، ہَصِیص۔ کنیت ابو ہَصِیص تھی۔ ماں کا نام ماریہ تھا جو کعب قضاعیہ کی دختر تھیں۔ آپ کے اخلاق و اطوار نہایت پاکیزہ اور سیرت و کردار میں

انتہائی بلند تھے۔ مظلوموں کی دادرسی کرنا۔ کمزوروں اور مصیبت زدوں کی دستگیری کرنا آپ کا شیوہ تھا عرب قبائل کے لوگوں کے دلوں میں جو ان کی عزت وعظمت تھی وہ صرف اسی سے ظاہر ہے کہ عربوں میں سن اور تاریخ مقرر کرنے کا دستور یہ تھا کہ جب کسی سال میں کوئی واقعۂ عظیم یا امر عجیب واقع ہوتا تو وہ اسی سے سن اور تاریخ مقرر کر لیتے تھے۔ چنانچہ کعب کی وفات جو ہبوط آدم سے پانچ ہزار چھ سو چوالیس سال بعد واقع ہوئی اس کو قوم کے لئے سانحۂ عظیم تصور کرتے ہوئے ان کے یوم وفات سے سنہ مقرر کیا گیا جو سنہ عام الفیل تک جاری رہا۔ یہ سنہ ۵۲۰ سال تک رائج رہا۔ یہی آپ کی وفات اور واقعہ فیل کا درمیانی عرصہ ہے۔

کعب اور اسلامیات:

آپ سے پہلے عرب یوم جمعہ کو عروبہ کہا کرتے تھے۔ آپ نے اس روز کا نام عروبہ سے بدل کر جمعہ تجویز کیا۔ اس روز اجتماعات کی بنیاد ڈالی۔ آپ ان اجتماعات میں خطبہ دیتے۔ خطبہ میں اما بعد کہنا سب سے پہلے آپ نے ہی شروع کیا۔

کعب اپنے دور کے ایک سحر بیان خطیب تھے جمعہ کے خطبوں کے علاوہ ایام حج میں جب اطراف وجوانب سے لوگ سمٹ کر مکہ میں جمع ہوتے تھے تو آپ کے خطبات فضائے بطحا میں گونجا کرتے تھے۔ ان خطبات میں وفائے عہد، صلہ رحم، حسن سلوک اور بیت اللہ کی تعظیم و تکریم کی تلقین فرماتے۔ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی نوید سناتے ایک خطبہ میں فرمایا۔

واعظموا هذا الحرام و تمسكوا به نبأ ويبعث منه خاتم الانبياء وبذالك جاء موسیٰ و عیسیٰ

اس حرم کی عظمت کو پہچانو۔ اس سے تمسک رکھو عنقریب اس سے خبر عظیم ظاہر ہوگی۔ اسی مقام سے خاتم الانبیا مبعوث ہوں گے اور یہی خبر موسیٰ اور عیسیٰ لے کر آئے تھے۔ (سیرۃ امیر المومنین بحوالہ انساب الاشراف)

۴۳۔ مرّہ:

آپ نے تمام عمر ریاضت وعبادت الٰہی میں بسر کی روزہ دار وشب بیدار تھے اس وجہ سے راہب مشہور ہوئے ان کی زوجہ ہند دختر سریر بن ثعلبہ بن حارث بن نضر بلقب قریش ان کے بطن سے کلاب پیدا ہوئے اور زوجہ ثانیہ رقیّہ جو قبیلہ عدی سے تھیں ان کے بطن سے دو پسر تیم ویقظہ ہوئے یقظہ کا پسر مخزومہ جس سے قبیلۂ مخزوم ہوا اور تمیم سے قبیلہ تمیم ہوا۔ آپ کی کنیت ابو یقظہ تھی۔ اپنے دور کے نامور سردار اور عظیم قائد تھے۔ آپ نے عرفات کے قریب ایک کنواں کھدوایا جس کو الرّ وا کہا جاتا تھا۔ اہل مکّہ اور ادھر سے گذرنے والے اس سے سیراب ہوتے تھے۔

کلاب، تیم اور یقظہ تین بیٹے تھے۔ کلاب کی ماں ھند دختر سریر بن ثعلبہ تھیں۔ دوسرے دو بیٹوں تیم اور یقظہ کی ماں کا نام رقیہ تھا۔ نور رسالت صلب مرہ سے کلاب میں منتقل ہوا۔

۴۴۔ کلاب:

کنیت ابوزید اور حکیم بھی کہتے تھے شکار کے فن میں باکمال اور شجاع تھے شکار کو بغیر کسی حربہ کے پکڑ لیتے تھے۔ شعرائے عرب نے آپ کی شان میں قصائد لکھے ہیں ان کی زوجہ فاطمہ دختر سعد بن سہل قبیلہ جدرہ سے تھیں یہ قبیلہ یمن میں رہتا تھا۔ اصلی نام حکیم تھا لیکن اکثر کتوں کے ساتھ شکار کھیلنے کی وجہ سے کلاب کے نام سے مشہور ہو گئے۔ کنیت ابوزہرہ تھی۔ ماں کا نام ھند بنت سریر تھا۔ چونکہ فہم وفراست اور تدبّر و اصابت رائے میں مشہور تھے۔ لہٰذا عرب اپنے جھگڑے چکانے اور اختلافات مٹانے کے لئے انہیں کے پاس آتے تھے اور انہی کے مشوروں پر عمل کرتے تھے رفاہ عامہ کے لئے خم، رم اور حضر تین کنوئیں کھدوائے۔

زہرہ اور قصیٰ دو بیٹے تھے۔ حضر آمنہ سلام اللہ علیہا زہرہ کی اولاد سے ہیں۔ پیغمبرؐ آخر

الزمان کا نور کلابؑ سے قصیٰ میں منتقل ہوا۔

۴۵۔ قصیٰ یا قصیؑ:

قُصیؑ بھی کہتے ہیں۔ اصلی نام زید اور کنیت ابو مغیرہ تھی والدہ کا نام فاطمہ بنت سعد ازدی ہے۔ بنی ازد شہر مآرب علاقہ یمن سے آ کر مکّہ میں بس گئے تھے۔ بنی الدّیل بن بکر سے شادی بیاہ کر کے انہیں میں مل جل گئے۔ فاطمہ بنت سعد ازدی اس قبیلہ سے تھیں جن سے کلاب بن مرہ کی شادی ہوئی۔ فاطمہ کے بطن سے کلاب کے بیٹے زہرہ پیدا ہوئے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد قصیؑ بن کلاب متولد ہوئے۔ قصیؑ کے بچپن میں ہی کلاب کا انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات کے بعد فاطمہ نے ربیعہ بن حزام قضاعی سے شادی کر لی۔ ربیعہ نے کچھ دن کے بعد فاطمہ کو اپنے وطن شہر عذرہ (علاقہ شام) چلنے کے لئے مجبور کیا۔ چار و ناچار فاطمہ کو شوہر ثانی کے ساتھ جانا پڑا۔ زُہرہ کو جوسِن تمیز تک پہنچ چکے تھے۔ ان کے قبیلہ والوں میں چھوڑا۔ اور قصیؑ کو کمسن ہونے کی بنا پر ہمراہ لے گئیں۔ یوں مکّہ سے دور ہو جانے کی وجہ سے آپ کو قصیؑ (دور افتادہ) کہا جانے لگا۔ چونکہ قصیؑ نے بنی قضاعہ میں۔ ربیعہ بن حزام کے گھر پرورش پائی تھی۔ اس لئے لوگ قصیؑ کو ربیعہ کا فرزند اور بنی قضاعہ کا ایک فرد جانتے تھے۔

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ تیر اندازی کے مقابلہ میں بنی قضاعہ کے ایک شخص سے جھگڑا ہو گیا۔ اس مرد قضاعی نے طنز آمیز لہجہ میں کہا۔ تم باہر سے آ کر ہمارے قبیلہ میں شامل ہو گئے ہو۔ حالانکہ نہ یہ شہر عذرہ تمہارا وطن ہے۔ نہ بنی قضاعہ تمہارا قبیلہ ہے۔ قصیؑ نے کہا اگر میں قضاعی نہیں تو بتاؤ میں کس قبیلہ سے ہوں؟ کہا یہ بات اپنی ماں سے پوچھو۔ قصیؑ کو یہ تعریض بہت بری معلوم ہوئی۔ چنانچہ قصیؑ اس جھگڑے کو کسی نہ کسی طرح رفع دفع کر کے اپنی والدہ کے پاس آئے اور آتے ہی ماں سے پوچھا۔ اماں بتایئے میرا باپ کون ہے اور میں کس قبیلہ سے ہوں۔ ماں قصیؑ کے انداز گفتگو سے سمجھ گئی۔ آج اس کو کسی نے اس حقیقتِ حال سے آگاہ کر دیا ہے جس کو میں نے

اس سے چھپایا ہوا تھا ماں نے کہا:

یا بنی انت اکرم منه نفسا واباً۔ انت ابن کلاب بن مرة وقومك بمكة عند البيت الحرام۔ (تاریخ کامل ج۲)

اے بیٹے تم ذاتی جوہر کے لحاظ سے اور باپ کے اعتبار سے اس عذری سے کہیں زیادہ شریف تر اور باوقار ہو۔ تم کلاب بن مرہ کے فرزند ہو۔ تمہارا پورا قبیلہ مکّہ میں خانہ کعبہ کے پاس آباد ہے۔

ماں سے اتنا سننا تھا کہ آپ کے دل میں غیرت قومی کا وہ غیر متحمل جوش پیدا ہوا کہ آپ یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ خدا کی قسم! اب میں یہاں ہرگز نہ رہوں گا۔ ماں نے کہا: بیٹا اتنی دیر رک جاؤ کہ حج کا موسم آجائے اور میں تمہیں حجاج کے کسی قافلہ کے ساتھ کردوں تا کہ تم بحفاظت مکہ پہنچ جاؤ۔

حج کا زمانہ آیا تو قصیٰ اپنے سوتیلے بھائی زراج بن ربیعہ کے ہمراہ بنی قضاعہ کے حجاج کے ایک قافلہ کے ساتھ مکّہ آ گئے اور اپنے بڑے بھائی زہرہ بن کلاب کے ہاں مقیم ہوئے۔ اس وقت مکّہ پر بنی خزاعہ کی حکومت تھی اور جلیل بن حبشہ خزاعی مسند اقتدار پر فائز تھا۔ قصیٰ نے مکّہ میں مستقل قیام کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جلیل کی دختر جبی سے شادی کرلی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قرابت سے قصیٰ کو آئندہ کامیابی کے حصول میں بڑی قوت پہنچی لیکن آپ نے اس رشتہ پر کبھی فخر نہیں کیا اور نہ کبھی اس قرابت کو اپنی نسبی شرافت ونجابت پر ترجیح دی۔

جبی کے بطن سے قصیٰ کے چار فرزند عبد مناف، عبدالعزیٰ، عبدالقصیٰ اور عبداللہ ار متولد ہوئے۔ جب یہ جوان ہوئے تو جلیل نے کہا۔ قصیٰ کے بیٹے میری دختر کے بطن سے ہیں۔ لہٰذا یہ میرے فرزند ہیں۔ میرے بعد یہی خانہ کعبہ کے متولی اور مکّہ کے حکمران ہونگے۔ آخر وقت جلیل نے **فاوصیٰ بولاية البيت والقيام بامر مكة الى قصیٰ وقال انت احق**

یہ "وصیت کی کہ خانہ کعبہ کی تولیت اور مکّہ کی امارت قصیٰ سے متعلق ہوگی اور ان سے کہا تم ہی اس کے حق دار ہو"۔

قصیٰ نے اولادِ فہر کو مکّہ میں یکجا کرنے اور بسانے کے علاوہ اپنے زمانہ اقتدار میں سقایہ اور رفادہ کے عہدے قائم کئے تا کہ حجاج بیت اللہ کو کھانا، پانی اور دوسری آسائشیں مہیا ہوسکیں۔ چنانچہ اہل مکّہ کے اشتراک سے دور دراز سے آنے والے حاجیوں کو کھانا کھلاتے، پانی پلاتے اور ان کی دوسری ضروریات کو پورا کرتے۔ اہل مکّہ کو حجاج کی خدمت و اعانت پر آمادہ کرنے کے واسطے اپنے خطبوں میں فرماتے۔

انکم جیران اللہ واھل بیتہ وان الحاج ضیف اللہ وزوار بیتہ وھم احق الضیف بالکرامۃ فاجعلو الھم طعاما و شرابا ایام الحج

تم لوگ اللہ کے ہمسائے اور حرم میں بسنے والے ہو۔ یہ حجاج اللہ کے مہمان ہیں اور اس گھر کے زائر ہیں اور سب مہمانوں سے بڑھ کر عزت و تکریم کے مستحق ہیں۔ ان کے کھانے پینے کا سامان کرو۔

آپ نے اپنی باعمل زندگی میں بہت سے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔

(۱) خانہ کعبہ کی عمارت کو از سرِ نو تعمیر کیا اور اس پر کھجور کی لکڑیوں کی چھت ڈالی۔

(۲) عرفات و منیٰ کے درمیان ایک عمارت تعمیر کر کے اس کو مشعر الحرام کے نام سے موسوم کیا۔ ایام حج میں اس پر چراغ جلائے جاتے تھے تا کہ حجاج کو وہاں تک پہنچنے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔

(۳) مزدلفہ میں رات کے وقت آگ روشن کرنے کا انتظام کیا تا کہ عرفات سے آنے والے حاجیوں کے قافلے منزل سے بھٹکنے نہ پائیں۔

(۴) آپ نے خانہ کعبہ کے قریب ایک گھر تعمیر کیا۔ جس کا ایک دروازہ خانہ کعبہ میں کھلتا تھا۔ یہ گھر دارالندوہ کے نام سے مشہور ہوا۔ قریش اس گھر کو نہایت عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ شادی بیاہ کے رسم ورواج اسی گھر میں سرانجام پاتے۔ قومی اور ملی معاملات طے کرنے اور جھگڑے چکانے کے لئے یہیں جمع ہوتے۔ جنگ کے لئے نکلتے تو لوائے جنگ یہیں آراستہ کرتے۔

(۵) قصیٰ کے دور حکومت سے پہلے اہل مکّہ لوئی بن غالب کے کنوئیں ایسیرہ اور مرہ بن کعب کے کنوئیں الرّ وا اور ان جوہڑوں اور تالابوں سے پانی پیتے تھے جن میں بارشوں کا پانی جمع ہوتا تھا۔ آپ نے حدود مکّہ کے اندر اہل مکّہ کی ضرورت کے پیش نظر ایک کنواں کھدوایا جس کو عجول کہا جاتا تھا۔

ان تعمیری یادگاروں کے علاوہ ان کے کلمات کو بھی سرمایہ حکمت ودانش سمجھ کر محفوظ رکھا گیا ہے۔ ان کے ارشادات وفرمودات صرف دوسروں ہی کے باعث ہدایت نہیں بلکہ اپنے ان کلمات میں خود آپ کے اخلاق وکردار اور طرز زندگی کی جھلک بھی صاف دکھائی دیتی ہے۔ ان کے حکیمانہ کلمات میں سے چند کلمے یہ ہیں۔

جو کسی ذلیل کمینہ آدمی کا ہمنوا ہوگا وہ اس کے کمینہ پن میں برابر کا شریک ہوگا۔ جو برائی کو اچھی نظروں سے دیکھے گا وہ برائی میں مبتلا ہوگا۔ جس کی اکرام واحترام سے اصلاح نہ ہو اس کی درستی تذلیل وتحقیر ہی کے ذریعہ ہوگی۔ جو اپنی حیثیت سے زیادہ کا طلب گار رہتا ہے وہ محرومی کا حق دار پاتا ہے۔ حاسد چھپا ہوا دشمن ہے۔

زندگی کے آخری لمحات میں اولاد کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

اجتنبوا الخمرة فانها تصلح الابدان و تفسد الاذهان

شراب سے پرہیز کرنا اگرچہ اس سے جسموں کی اصلاح ہوتی ہے مگر عقل و

شعور کو تباہ کر دیتی ہے۔ (سیرۃ امیر المومنینؑ بحوالہ سیرۃ حلبیہ جلد ا ص ۱۳)

اس خانوادۂ اسماعیلؑ کے سرمایہ ناز وارث خون خلیل الٰہی۔ افتخار قبیلہ نے ۸۰ ؁ء میں مکّہ معظمہ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ کوہ حجون کے دامن میں دفن ہوئے۔ عربوں نے اپنے محبوب فرمانروا اور عظیم محسن کا بڑا سوگ منایا۔ لوگ ان کی قبر کی زیارت کو آتے اور ان کی عظمت کا اعتراف کرتے۔

پیغمبر خدا کے اجداد میں سے ہر ایک اپنی اولاد سے عہد لیتا تھا کہ اپنے دور کی عفیف ترین لڑکی سے شادی کرنا اور یہ معاہدہ لکھ کر خانہ کعبہ میں آویزاں کئے جاتے تھے آپ کی زوجہ اولیٰ دختر جلیل بن حبشہ کے بطن سے ایک پسر عبدالمناف اور زوجہ ثانیہ عاتکہ بنت مانح بن لمیک کے بطن سے تین پسر عبدالعزیٰ وعبدالدار وعبدالقصی پیدا ہوئے۔

(طبری جلد ۲ ص ۱۸۹ و تاریخ خمیس جلد ا ص ۱۷۶)

۴۶۔ عبد مناف ملقب مغیرہ

آپ کو بوجہ حسن و جمال قمرالبطحٰی کہتے تھے، بعد وفات پدر بزرگوار کے بنی عبدالمطلب تقسیم ہو گئے اور آپ والد ماجد کی زندگی میں قبائل عرب کے سردار بن چکے تھے۔ ان کی زوجہ عاتکہ بنت مرّہ بن بلال بن فالح بن ذکوان بن ثعلبہ کے بطن سے چار فرزند متولد ہوئے حضرت ہاشم نام عمرو مطلب وعبدالشمس ونوفل۔

۴۷۔ حضرت ہاشم (عمرو)

اپنے جود وسخا دیانت وشرافت، ضیافت و مدارات کے باعث بہت زیادہ ممتاز اور ہر دلعزیز تھے اور اوصاف وکمالات میں اپنے اجداد کے حقیقی جانشین اور حامل نور محمدی تھے آپ نے اپنی خدمات جلیلہ سے خانہ کعبہ کی عزت و اہمیت کو دوبالا کر دیا آپ نے قبائل قریش کے امراء وغرباء میں دولت کو متوازن رکھا اہل عرب کے مختصر سے سرمایہ کو صحیح طور سے صرف کرایا

حضرت ہاشم کا یہ احسان تاریخ عرب نہ بھلا سکے گی کہ باہمی تجارت کے کاروبار کا آغاز کیا آپ ہمیشہ یکم ذوالحجہ کو تمام قبائل مکہ معظمہ کو جمع کر کے ایک خطبہ ارشاد فرماتے تھے جس کا مفہوم یہ ہے کہ بخدا میرے پاس اگر خزائن ہوتے تو سب اللہ کے نام پر اس کے مبارک مہمانوں کے لئے صرف کر دیتا لیکن مجھ میں زیادہ مالی گنجائش نہیں میں اپنے حلال وطیب مال سے ابتدا کرتا ہوں جس میں نجاست کا شائبہ بھی نہیں سب نے متفق ہو کر آپ کا اتباع کیا اور باہمی تعاون سے حجاج کا انتظام کیا اور ہر سال اسی طرح حجاج کی دعوت کا انتظام ہوتا تھا آپ کے لقب ہاشم کی وجہ یہ ہے کہ ایک زمانہ میں قریش مکہ مصیبت قحط میں مبتلا ہوئے آپ نے عوام کی پرورش کا یہ طریقہ نکالا کہ گوشت کا قورمہ پکوا کر اس کے شوربے میں روٹی کے ٹکڑے بھگوئے اور پھر قحط زدہ لوگوں کو دسترخوان عام پر شکم سیر کرایا لہٰذا ان الفاظ ''ہشم الثرید'' سے عمرو کا لقب ہاشم مشہور ہوا اور اس واقعہ کو اس عہد کے شاعر عبداللہ ابن ابی الزبعری نے لکھا ہے

عَمْرُو الَّذِیْ ھَشَمَ الثَّرِیْدَ لِقَوْمِہٖ وَ رِجَالُ مَکَّۃَ مُسْنِتُوْنَ عِجَافِ

''عمرو ہی وہ شخص ہے جس نے اپنی قوم کو شوربے میں روٹیاں چور کر کے ایسی حالت میں کھلائیں جب وہ لوگ مکہ میں قحط سے نحیف وزار ہو گئے تھے۔''

غرض کہ آپ کی جود وسخا و مدارات بالخصوص قحط زدہ لوگوں کے لئے اعلان عام تھا کہ اہل مکہ بالعموم میرے دسترخوان پر کھانا کھایا کریں آپ حج کے موقعہ پر زم زم اور منیٰ پر سبیلیں رکھتے تھے حضرت ہاشم ہی نے سفر تجارت شام و یمن کی ابتدا کی تمام قبائل عرب سے عہد لے کر امن و امان کو عرب میں نافذ فرمایا ورنہ اس سے پہلے قافلے ہر جگہ لوٹ لئے جاتے تھے۔

(روض الانف سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۹۴ و سیرۃ النبی علامہ شبلی جلد ۱ ص ۱۲۰)

آپ فخر خاندان اور اوصاف حمیدہ کے مالک تھے۔ فیاضی اور سخاوت میں یگانہ زمانہ

تھے تمام عرب آپ کا مدح خوان تھا یہی وجہ تھی کہ عبدالشمس آپ کے اوصاف اور بلند کردار دیکھ کر جلنے لگا اور مخالفت کرنے لگا آپ کی زوجہ سلمٰی بنت عمرو بن زید بن لوید بن خضراشق بن عامر تھیں جو بنی نجار کی ایک پاکدامن نیک سیرت عفیفہ خاتون تھیں ان معظمہ کے متعلق تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۱۷۸ پر لکھا ہے سلمٰی ایک عقلمند اور پاکدامان بی بی تھیں جیسے اپنے زمانہ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا تھیں سلمٰی کے بطن اطہر سے حضرت عبدالمطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و حضرت علی علیہ السلام ہوئے ان کی ولادت کے بعد اسد پیدا ہوئے جو حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے نانا تھے اور دوسری زوجہ سے ابو صیفی و فضل تھے۔ اور تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۱۷۹ و تاریخ آئمہ ص ۹۳ میں لکھا ہے کہ حضرت ہاشم کی زوجہ سلمٰیؑ کے بطن سے حضرت عبدالمطلب اور اسد کی ماں تھے، مادرِ اسد عامر بن مالک بن خزاعی کی دختر تھیں مکہ کی رہنے والی تھیں اور ابو صیفی پسر حمنہ ورقیہ دختران کی ماں ہند بنت عمرو بن ثعلبہ خزرجیہ تھیں اور فضل پسر و شفا دختر کی ماں قبلیہ قضاعہ کی ایک خاتون تھیں۔ (تاریخ خمیس جلد ۱ و تاریخ الائمہ)

یعنی آپ کے صلب سے چار پسر اور پانچ دختران پیدا ہوئیں پسران (۱) عبدالمطلب (۲) اسد (۳) ابو صیفی (۴) فضل اور دختران (۱) حمنہ (۲) رقیہ (۳) شفاء (۴) خالدہ (۵) صفیہ

مختصر جائزہ از آدم علیہ السلام تا خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آنحضرتؐ کا مشہور شجرۂ نسب یہ ہے: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ علیہ السلام وہ عبدالمطلب علیہ السلام کے بیٹے وہ ہاشم کے وہ عبدمناف کے وہ قصیؑ کے وہ کلاب کے وہ مرہ کے وہ لوئی کے وہ غالب کے وہ فہر کے وہ مالک کے وہ نضر کے وہ کنانہ کے وہ خزیمہ کے وہ مدرکہ کے وہ الیاس کے وہ مضر کے وہ نزار کے وہ معد کے وہ عدنان کے وہ اد کے وہ اود کے وہ الیسع کے وہ سلامان کے وہ النبت کے وہ حمل کے وہ قیدار کے وہ اسمٰعیل کے وہ ابراہیم خلیلؑ کے وہ تارخ کے وہ ناخور کے وہ شاروخ

کے وہ ارغو کے وہ فالغ کے وہ عابر کے وہ شالخ کے وہ ارفخشد کے وہ سام کے وہ نوحؑ کے وہ لمک کے وہ متوشلخ کے وہ اخنوخ کے وہ الیارد کے وہ مہلا ئیل کے وہ قینان کے وہ انوش کے وہ شیث کے اور وہ حضرت آدم علیہ السلام کے فرزند ہیں۔

آنحضرتؐ کے نور مبارک کی خلقت اور نور کا سفر

ابن بابویہؒ نے اپنی سند سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور آسمانوں اور زمین، عرش وکرسی، لوح وقلم اور بہشت و دوزخ کی خلقت اور تمام پیغمبروں کی پیدائش سے چار لاکھ چوبیس ہزار سال پہلے پیدا کیا۔ پھر اسی نور سے بارہ حجابات یعنی حجاب قدرت، حجاب عظمت، حجاب منت، حجاب رحمت، حجاب سعادت، حجاب کرامت، حجاب منزلت، حجاب ہدایت، حجاب نبوت، حجاب رفعت، حجاب ہیبت، اور حجاب شفاعت خلق فرمائے اور اس نور مقدس کو حجاب قدرت میں بارہ ہزار سال رکھا۔ وہ اس میں **سبحان ربّی الاعلی** کہتا تھا اور حجاب عظمت میں گیارہ ہزار سال رکھا۔ وہ اس میں **سبحان عالم السر** کہتا رہا اور حجاب منت میں دس ہزار سال رکھا جس میں وہ **سبحان من ھو قائم لا یلھو** کہتا رہا اور نو ہزار سال حجاب رحمت میں جگہ دی وہ اس میں **سبحان رفیع الاعلی** کہتا رہا۔ اور آٹھ ہزار سال حجاب سعادت میں رکھا جہاں وہ **سبحان من ھو دائم لا یسھو** کہتا رہا پھر حجاب کرامت میں سات ہزار سال رکھا وہاں وہ **سبحان من ھو غنی لا یفتقر** کہتا رہا۔ پھر حجاب منزلت میں چھ ہزار سال رکھا وہاں وہ **سبحان العلیم الکبیر** کہتا رہا۔ پھر حجاب ہدایت میں پانچ ہزار سال رکھا جس میں وہ **سبحان ذی العرش العظیم** کا وظیفہ پڑھتا رہا۔ پھر چار ہزار سال حجاب نبوت میں رکھا اس میں وہ **سبحان رب العزۃ عما یصفون** پڑھتا رہا۔ پھر اس کو تین ہزار سال حجاب رفعت میں مقیم کیا۔

وہ اس میں سبحان ذی الملك والملکوت پڑھتا رہا۔ پھر دو ہزار سال حجاب ہیبت میں رکھا جس میں وہ سبحان الله وبحمدہ کہتا رہا۔ پھر ہزار سال حجاب شفاعت میں رکھا جس میں سبحان ربی العظیم و بحمدہ پڑھتا رہا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک لوح پر ثبت فرمایا اور چار ہزار سال تک وہ لوح پر چمکتا رہا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامِ اطہر عرش پر ظاہر کیا اور ساقِ عرش پر ثبت فرمایا۔ وہاں وہ سات ہزار سال تک نور افشانی کرتا رہا۔ اسی طرح وہ نور رفعت وجلال کے ساتھ گھومتا رہا یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اس کو پشتِ آدم علیہ السلام میں جگہ دی۔ پھر وہ منتقل ہوتا ہوا صلبِ نوح علیہ السلام میں پہنچا۔ اسی طرح وہ ایک کے بعد دوسرے طاہر صلبوں میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ خدا نے اس کو صلب عبداللہ بن عبدالمطلبؑ میں ظاہر فرمایا اور اس کو چھ کرامتوں سے گرامی فرمایا: اس کو پیراہن خوشنودی پہنایا، ردائے ہیبت سے آراستہ کیا، تاج ہدایت اس کے سر پر رکھ کر اس کو رفعت کی بلندی پر پہنچایا، اور اس کے بدن کو جامۂ رفعت پہنایا، اور محبت کا کمر بند اس کی کمر میں باندھا، اور نعلینِ خوف وبیم اس کے پاؤں میں ڈالی، اور عصائے منزلت ہاتھ میں دیا۔ پھر وحی کی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے پاس جاؤ اور کہو کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کریں۔

بسند معتبر منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا کہ قبل اس کے کہ حق تعالیٰ آسمان وزمین اور روشنی وتاریکی کو پیدا کرے، آپ حضرات کہاں تھے۔ حضرتؑ نے فرمایا عرش کے گرد ہم نور کے چند اجسام تھے، اور خدا کی حمد کیا کرتے تھے پچیس ہزار سال قبل اس کے کہ خدا نے آسمان وزمین و روشنی وتاریکی خلق فرمائے جب خدا نے آدمؑ کو پیدا کیا، ہم کو ان کے صلب میں رکھا اور ہمیشہ پاک صلب سے پاکیزہ رحم میں منتقل کرتا رہا یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

متعدد طریق سے عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ حضرت سرورِ کائناتؐ نے فرمایا

کہ خدا نے آدم علیہ السلام کی خلقت سے بارہ ہزار سال پہلے مجھ کو اور علیؑ کو زیر عرش ایک نور سے پیدا کیا۔ جب آدم علیہ السلام کو خلق فرمایا، اس نور کو ان کے صلب میں قرار دیا۔ پھر وہ نور ایک صلب سے دوسرے صلب میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ ہم دونوں صلب عبداللہ و ابوطالب علیہما السلام میں علیحدہ علیحدہ ہوئے۔ (حیات القلوب)

پیغمبروں سے کیا عہد لیا گیا:

بسند ہائے معتبر حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب حق سبحانہ، وتعالیٰ نے روحوں کو پیدا کیا اور ان کو اپنے نزدیک پھیلایا تو ان سے خطاب فرمایا کہ تمہارا پروردگار کون ہے تو سب سے پہلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علیہ السلام اور آئمہ اطہار علیہم السلام نے جو ان کے فرزندوں میں سے ہیں کہا تو ہی ہمارا پروردگار ہے، تو خدا نے اپنا علم اور دین ان میں سمو دیا۔ پھر ملائکہ سے فرمایا کہ یہ لوگ میرے علم اور دین کے حامل اور میری مخلوقات میں میرے امین ہیں، میرے علوم ان سے حاصل کرنا چاہئے۔ پھر آدم علیہ السلام کی اولاد سے خطاب فرمایا کہ خدا کی ربوبیت اور اس گروہ کی فرمانبرداری، ولایت اور محبت کا اقرار کرو۔ انہوں نے جواب دیا بے شک اے معبود ہم نے اقرار کیا۔ تو خدا نے فرشتوں سے کہا کہ تم سب گواہ رہنا۔ ملائکہ نے عرض کی ہم سب گواہ ہوئے۔ تاکہ کل یہ نہیں کہیں کہ ہم اس سے غافل تھے۔ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا واللہ ہماری ولایت کی پیغمبروں کو روز الست میثاق میں تاکید کی گئی ہے۔

ابغض اباطالب فهو كافر

جوابوطالبؑ سے بغض رکھے وہ کافر ہے۔

(ضیاء العالمین ج۵،ص۲۰۸)

نبی آخرؐ کے باپ دادا

آپؐ کا نور پشتِ ابوالبشرؑ سے جناب شیثؑ میں منتقل ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے شیثؑ سے آخری وقت میں وصیّت فرمائی:

''اس نور مبارک کو پاک بیبیوں میں منتقل کرنا'' بعد میں حضرت شیثؑ نے اپنے فرزند جن کا نام انوش تھا یہی وصیّت کی اس طرح اس وصیّت کا سلسلہ ایک قرن سے دوسرے قرن تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ یہ نور مبارک حضرت عبدالمطلب علیہ السلام سے حضرت عبداللہ علیہ السلام تک آیا''۔

محدّث دہلوی نے سنن بیہقی کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ ''میں جاہلیت کی کسی برائی سے متولّد نہیں ہوا حتیٰ کہ ہمیشہ اسلامی نکاح ہی سے پیدا ہوا''۔

آپ کا شجرۂ نسب حضرت آدم علیہ السلام سے چلتا ہے تو شیث، انوش، قینان، مہلائیل، یارد، ادریس، متوشلخ، لمک۔ نوح، سام، ارفخشد، شالخ، عابر، فالغ، ارغو، شاروخ، ناحور، تارخ اور ابراہیم سے ہو کر اسمٰعیلؑ تک پہنچتا ہے۔ جن میں بعض اتنے اولوالعزم پیغمبر گزرے ہیں کہ محتاجِ تعارف نہیں۔ حضرت سام کے ننانوے بیٹے تھے جن میں ارشد پہلے اور ارفخشد دوسرے تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام انہی کی نسل سے ہیں اور عرب کے بیشتر قبیلوں کا سلسلۂ نسب انہی سے جا کر ملتا ہے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے حضرت عبدالمطّلب علیہ السلام تک جن بزرگوں کے نام آتے ہیں۔ وہ عرب کی تاریخ میں وحدانیت کا اعلامیہ ہیں۔

اسمٰعیل، قیدار، حمل، نبت، سلاماں، ہمیسع، الیسع، اود، آد، عدنان، معد، نزار، مضر،

الیاس، مدرکہ۔ خذیمہ، کنانہ، نصر، مالک، فہر، غالب، لوئی، کعب، مرّہ، کلاب، قصیٰ، عبد مناف، ہاشم، عبدالمطلب۔

آباءواجداد کا یہ سلسلہ یقین کے ساتھ مکمل سلسلۂ انبیاء تو نہیں کہا جا سکتا لیکن ان میں کی ہر فرد سیرت و کردار میں ممتاز اور خدائے واحد کی قائل تھی حسب و نسب میں پاک و پاکیزہ تھی اور صلب طاہر سے پیدا ہوئی تھی چنانچہ حضرت عائشہ سے روایت ہے۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے نقل کیا کہ میں نے زمین کے مغارب و مشارق کو دیکھا ہے مگر کسی شخص کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل نہیں دیکھا اور کسی کی اولاد کو میں نے نہیں دیکھا جو بنی ہاشم سے افضل ہو۔ (مدارج النبوۃ حصہ ۲)

نسب کی اس فضیلت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسلاف میں کسی کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا خواہ عبدالمطلب علیہ السلام ہوں، عبداللہ علیہ السلام ہوں یا ابوطالب علیہ السلام۔

مادّی زندگی اور بعثت کے لحاظ سے حضرت آدمؑ اول النبیین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختم المرسلین تھے۔ دیگر انبیاء اور رسل کے زمانے ان دونوں کے مابین ہیں جن کے ادوار کا تعین قدرے مشکل ہے تاہم ابنِ خلدون نے فکر و تحقیق سے سنین کا حساب لگانے کی کوشش کی ہے جس کو حتمی تو نہیں کہا جا سکتا مگر ازروئے قیاس زمانے اور علاقے کے متعلق ایک اندازہ ہو سکتا ہے۔

ملاحظہ ہو:

حضرت آدمؑ: زمانہ نامعلوم، مقام غیر متعین۔ ہندوستان نے جگوں کی جو تقسیم کی ہے اس سے دنیا کی ابتدا لاکھوں سال قبل ہوئی تھی اور انسانی عمر کا تخمینہ دس ہزار سال ہے۔ مورّخ فرشتہ نے آدمؑ کا تعین سات ہزار سال ق کیا ہے اور شروع کے انسانوں کی عمر ہزار بارہ سو سال بتائی ہے۔

حضرت شیثؑ: زمانہ نامعلوم، مقام غیر معین۔ ہندوستان میں اجودھیا کے ویرانے میں

ایک بہت ہی لمبی چوڑی قبر بنی ہوئی ہے۔ جس کے بارے میں مشہور ہے کہ حضرت شیثؑ کی قبر ہے۔

حضرت ادریسؑ: ۳۳۸۲ق م/تا/۳۰۱۷ق م/مقام عراق

حضرت نوحؑ: ۳۹۴۰ق م/تا/۱۹۹۸ق م/مقام عراق کہا جاسکتا ہے مگر طوفان کے بعد کی جگہ کا تعین نہیں ہوسکتا۔

حضرت ابراہیمؑ: ۳۱۶۱ق م/تا/۱۹۹۶ق م عراق وشام وعرب

حضرت اسمٰعیلؑ: ۲۰۷۰ق م/تا/۱۸۷۴ق م عراق وشام وعرب

حضرت اسحٰقؑ: ۲۰۶۰ق م/تا/۱۸۸۰ق م عراق وشام

حضرت لوطؑ: ---------- اردن

حضرت یعقوبؑ: ۲۰۰۰ق م/تا/۱۸۵۳ق م فلسطین ومصر

حضرت یونسؑ: ۱۹۱۰ق م تا ۱۸۰۰ق م فلسطین ومصر

حضرت ہودؑ: ۲۲۰۰ق م حضر موت (عرب) قوم عاد

حضرت صالحؑ: ۱۷۹۷ق م شمالی مغربی عرب اور شام قوم ثمود

حکیم لقمانؑ: ۱۶۰۰ق م

حضرت ایوبؑ: ۱۹۰۰ق م

حضرت شعیبؑ: ۱۵۵۰ق م مدائن

حضرت موسیٰؑ: ۱۵۳۰ق م/تا/۱۴۰۰ق م مصر وعلاقہ سینا

حضرت ہارونؑ: ۱۵۲۳ق م/تا/۱۴۰۰ق م ایدوم

حضرت داؤدؑ: ۱۰۲۴ق م ۹۶۲ق م الخلیل

حضرت سلیمانؑ: ۹۹۰ق م/تا/۹۲۳ق م حکومت شام وفلسطین ومصر

حضرت الیاسؑ: ۸۷۰ق م/تا/ ۸۴۰ق م فلسطین وشام

حضرت یونسؑ: ۷۸۱ق م/تا/ ۷۴۱ق م نینوا وموصل

حضرت عزیرؑ: ۵۸۵ق م فلسطین وعراق

حضرت ذوالکفلؑ: ۵۹۲ق م عراق

حضرت عیسیٰؑ: ۴ق م

حضوؐر کے نورِ رسالت کا سفر کائنات کی زندگی سے طویل تر ہے۔ آدمؑ سے عیسیٰؑ تک جتنے بھی پیغمبر گزرے، آپ کا سایۂ رحمت ہر ایک پر سایہ فگن رہا، ایک نبی دوسرے کو نوید سُناتا چلا گیا اور عیسیٰؑ چونکہ آخری پیش رو تھے لہٰذا عیسیٰؑ نے حیاتِ چند روزہ میں اور صلیب کی بلندی پر بھی آپ کو یاد کیا۔ قوم کو اپنے پلٹ کر آنے کا مژدہ بھی دیا اور فارقلیط (محمدؐ) کی آمد کی خبر بھی سنائی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گزرے ہوئے ۵۷۰ سال گذر چکے تھے۔ ابرہہ کے واقعہ کو تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ رئیسِ مکہ عبدالمطلبؑ کی غم زدہ اور بیوہ بہو کے گھر سے ایک بچے کا ظہور ہوا۔ دادا نے اس کا نام محمدؐ رکھا۔ عام الفیل کے پہلے سال ربیع الاوّل کی بارھویں یا سترھویں تاریخ تھی۔ دوشنبہ کو صبح صادق کا وقت تھا کہ تخلیقِ کائنات کا مقصد پورا ہوا۔ آسمان پر طلوعِ آفتاب سے قبل عبدالمطلبؑ کے گھر سے ایک آفتابِ جہاں تاب کی کرنیں پھوٹنے لگیں۔

اسلافِ رسولؐ

آپ کا نور بطونِ پاکیزہ اور اصلابِ مطہرہ سے گذرتا ہوا حضرت عبداللہؑ تک پہنچا تھا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے حضرت عبدالمطلب علیہ السلام تک انتیس پشتیں گزر چکی تھیں۔ سب کے سب مسلکِ ابراہیمی پر قائم اور بیقینِ توحید پر دائم تھے۔

بنی ہاشم

قصیٰ کے پدر بزرگوار کلاب کے ایک بیٹے تھے زہرہ جن کے بیٹے کا نام بھی عبدمناف تھا۔ ان کے بیٹے کا نام وہب تھا وہب کی بیٹی تھیں حضرت آمنہ جو حضورؐ کی والدہ گرامی تھیں۔

ہاشم عبد مناف کی تاریخ ساز اولاد میں تھے، فضلہ، ابوصیفی، اسد اور شیبہ یعنی عبد المطلب۔ اسد کی بیٹی فاطمہ حضرت علی علیہ السلام کی عالی مرتبت ماں تھیں جنھیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ماں کا درجہ دیتے تھے۔

عبد المطلبؑ کے بارہ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ دو بیٹیوں کے نام ہیں قثم اور حجل لیکن انہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، دس کے نام یہ ہیں۔ حارث، ابولہب، ابوطالب، زبیر، عبداللہ، ضرار، عباس، مقوّم، الغیداق اور حمزہ اور بیٹیوں میں عاتکہ، اُمیمہ، اروٰی، برہ، اُم حکیم (البیضا) اور صفیہ۔ صفیہ کے بطن سے زبیر پیدا ہوئے جنگ جمل میں پیش پیش تھے، حارث کی بیٹی کا نام بھی اروٰی تھا، ابولہب کے تین بیٹے تھے معقب، عتیبہ اور عتبہ۔ حضرت ابوطالبؑ کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ طالبؑ، جعفرؑ، عقیلؑ، علیؑ، اُم ہانی اور جمانہ۔ حضرت عبداللہؑ نے محمدؐ نام کا وہ دُرشا ہوار چھوڑا، وقت کے محور پر جس کا نام ہمیشہ درخشاں رہے گا۔

اجدادِ رسولؐ کی نورانیت، رُوحانیت اور ربط اِلَی اللہ:

نورِ محمدیؐ ہر وقت جبین شیثؑ میں چمکتا رہا۔ انہوں نے ایک حوریہ محاولہ بیضا کو تزویج کیا جبرئیل علیہ السلام نے اُس حوریہ کا شیثؑ کے ساتھ عقد کیا۔ جب انہوں نے اُس کے ساتھ مقاربت کی تو انوش باطن میں آئے۔ اس وقت ایک منادی نے ندا کی کہ اے بیضا تجھ کو خوشی اور مبارک ہو کہ خدا نے بہترین اولین و آخرین اور سیدؐ الانبیاء کا نور تیرے سپرد فرمایا۔ جب انوش پیدا ہوئے اور بالغ ہوئے شیثؑ نے عہد و پیمان ان کے سپرد کیا اور نورِ محمدیؐ اُن کے فرزند قینان کی جانب منتقل ہوا۔ اُن سے مہلائیل کی طرف اُن سے یارد کی جانب ان سے اخنوخ کی طرف منتقل ہوا جن کو

ادریسؑ بھی کہتے ہیں اور ادریسؑ سے متوشلخ کے پاس پہنچا۔ ادریسؑ نے ان سے عہد و اقرار لیا۔ ان سے لمک کی جانب اور ان سے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف منتقل ہوا۔ نوح علیہ السلام سے سام، سام سے ان کے فرزند ارفخشد اور اُن سے اُن کے بیٹے عابر اور ان سے فالغ ان سے ارغو، ان سے شاروخ اور ان سے ناخو اور ان سے تارخ کی جانب پھر اُن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جانب منتقل ہوا۔ ان سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، پھر ان سے مندرجۂ سابق طریقے سے ہوتا ہوا عدنان تک پہنچا اور عدنان کے بعد منتخب اصلاب سے ہوتا ہوا ہاشم تک پہنچا جن کو عمرو العلا کہتے تھے۔

حضرت ہاشم تبرّکات انبیا کے وارث:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نُور ہاشم سے ساطع تھا۔ اس حد تک کہ جب وہ مسجد الحرام میں داخل ہوتے تھے کعبہ ان کے نور سے روشن ہو جاتا تھا اور ہمیشہ آپ کے چہرۂ اقدس سے روشنی آسمان کی جانب بلند ہوتی تھی، جب آپؑ کی والدۂ ماجدہ عاتکہ پیدا ہوئیں۔ ان کے دونوں طرف دو گیسو تھے جس طرح حضرت اسمٰعیلؑ کے تھے جن سے نُور آسمان کی طرف بلند ہوتا تھا۔ اہل مکہ ان کا یہ حال دیکھ کر تعجب کرتے تھے۔ ہر طرف سے عرب کے قبیلے مکہ میں آنے لگے۔ کاہن سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بتوں کی زبانوں پر حضرتؑ کی فضیلت جاری ہوگئی۔ حضرت ہاشمؑ جس پتھر اور سنگریزے کی طرف سے گزرتے تھے۔ وہ بقدرتِ الٰہی گویا ہو کر ندا دیتے کہ اے ہاشم آپ کو خوشخبری ہو کہ آپؑ کی اولاد میں بہت جلد ایک فرزند ہوگا جو خدا کے نزدیک بہت بلند مرتبہ اور مخلوق کے نزدیک نہایت عزت والا ہوگا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو خاتم المرسلین ہیں۔ حضرت ہاشم اگر تاریکی میں گزرتے تھے تو آپؑ کے نور سے ہر طرف روشنی ہو جاتی تھی۔ جب عبد مناف کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے جناب ہاشم سے عہد و پیمان لیا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور سوائے زنِ مسلمہ و صالحہ و نجیبہ کے رحم کے کہیں اور سپرد نہ کریں۔ ہاشم نے اقرار کیا۔ اُس وقت کے بادشاہ آرزو اور تمنا کرتے تھے کہ اپنی لڑکی حضرت ہاشم کے نکاح میں دیں اور کثیر مال

ان کے لئے بھیجتے تھے کہ شاید وہ ان سے رشتہ کرنے پر راضی ہو جائیں۔ ہاشم ہر روز کعبہ کے پاس آتے تھے۔ سات مرتبہ طواف کرتے تھے اور کعبہ کے پردہ سے لپٹ جایا کرتے تھے جو شخص ان کے پاس آتا اُن کی عزت کرتا۔ وہ برہنہ لوگوں کو کپڑے پہناتے،۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتے، اور پریشان حال لوگوں کی حاجتیں برلاتے، قرض داروں کے قرض ادا کرتے، جس شخص پر کوئی دیت ہوتی وہ خود ادا کرتے تھے، ان کا دروازہ کسی آنے والے کے لئے بند نہ ہوتا۔ اگر کبھی ولیمہ کرتے یا لوگوں کو کھانا کھلاتے تو اس قدر انتظام کرتے کہ لوگ اپنے جانوروں اور طائروں کے لئے لے جاتے۔ اس طرح آپ کے لطف وکرم کا شہرہ تمام عالم میں ہوگیا اور اہل مکہ کی بادشاہی آپ کے لئے مسلّم ہوگئی کعبہ کی کنجیاں، حاجیوں کو کھانا کھلانا، چاہ زمزم، کعبہ کی تولیت، حاجیوں کی مہمانداری اور تمام امورِ مکہ آپ سے متعلق ہوگئے۔ نزار کا علَم، اسمٰعیلؑ کی کمان، ابراہیمؑ کا پیرا ہن، شیثؑ کی نعلین اور نوحؑ کی انگشتری آپ کو میراث میں ملی۔

حضرتِ ہاشم پر خواب کے ذریعے وحی اور تعبیر:

جب آپ کی جوانمردی وسخاوت کا حال نجاشی بادشاہِ حبش اور قیصر روم نے سنا آپ کی خدمت میں نامۂ تہنیت لکھا اور آپ کے پاس ہدیئے روانہ کئے اور استدعا کی کہ ان کی لڑکیوں سے عقد کرلیں۔ شاید نورِ محمدیؐ ان کی جانب منتقل ہوجائے۔ اس لئے کہ کاہنوں، راہبوں اور ان کے عالموں نے ان کو خبر دی تھی کہ یہ نور جو حضرت ہاشمؑ کی جبین مبارک میں ہے نورِ خاتم المرسلینؐ ہے۔ لیکن حضرت ہاشمؑ نے قبول نہیں فرمایا، ور اپنی قوم کی ایک نجیب عورت سے عقد کرلیا، جس سے لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئے۔ لڑکوں کے نام اسد، مضر، عمرو اور صیفی تھے اور لڑکیوں کے نام صعصعہ، رقیہ، خلاوہ اور شعثا تھے لیکن آنحضرتؐ کا نور اقدس آپ کی جبینِ انور میں بدستور چمکتا رہا اس لئے بہت رنجیدہ تھے۔ ایک رات خانۂ کعبہ کا طواف کررہے تھے اسی حال میں خدا سے بتضرّع وزاری دُعا کی کہ ان کو جلد ایک فرزند عطا فرمائے جو نور رسالت مآب ﷺ کا حامل ہو۔

اُسی حال میں ان کو نیند آ گئی انہوں نے خواب میں ایک ہاتف کی آواز سُنی کہ سلمیٰؑ دُختر عمرو جو طاہرہ و مطہرہ اور گناہوں سے پاک و مُبرّا ہے کی خواستگاری کرو اور مہر گراں اس کو دو۔ عورتوں میں اس کے مثل نہیں ہے۔ اس سے جو فرزند تمہارا ہوگا وہ نورِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حامل ہوگا۔ جناب ہاشم بیدار ہوئے اور اپنے چچا کے لڑکوں اور اپنے بھائی مطّلب کو جمع کیا اور اپنا خواب اُن سے بیان کیا۔ اُن کے بھائی مطّلب نے کہا اے بھائی وہ خاتون جس کا نام آپ نے بتایا وہ قبیلہَ بنی نجار کی ہے اور اپنی قوم میں عفت، نجابت اور کمال حُسن و جمال میں مشہور ہے۔ اس کے قبیلہ والے بھی اہل کرم، مہمان نواز اور صاحب عفّت ہیں۔ لیکن آپ اُن سے نسب و شرافت میں افضل ہیں اور تمام بادشاہ آپ سے رشتہ کی تمنّا رکھتے ہیں لیکن آپ کا ارادہ یہی ہے تو اجازت دیجئے تا کہ ہم چل کر آپ کے لئے خواستگاری کریں۔ ہاشمؑ نے کہا حاجت جس کو ہوتی ہے اسی کی کوشش سے پوری ہوا کرتی ہے۔ میرا خود ارادہ ہے کہ شام کی طرف تجارت کیلئے جاؤں اور راستہ میں اس کی خواستگاری کروں۔ پھر آپ نے سامانِ سفر تیار کرلیا اور اپنے بھائی مطّلب اور اپنے چچا کے لڑکوں کو لے کر مدینہ طیبّہ کی جانب متوجہ ہوئے کیونکہ قبیلہ بنی نجار وہیں رہتا تھا۔ جب آپ مدینہ میں داخل ہوئے نورِ محمدیؐ نے جو آپ کی جبینِ اقدس سے لامع تھا تمام مدینہ کو مَنوّر کر دیا اور اس کے عکس نے مدینہ کے تمام گھروں کو روشن کر دیا۔ یہ دیکھ کر تمام اہل مدینہ آپ کی طرف بڑھے اور پوچھا آپ کون ہیں کہ حُسن و جمال میں آپ سے بہتر ہم نے کسی کو نہیں دیکھا، خاص کر اس صاحب نور کو جس کی شعاعوں نے تمام دُنیا کو مَنوّر کر رکھا ہے۔ مطّلب نے فرمایا کہ ہم خانہ خدا کے رہنے والے ہیں اور ساکنانِ حرم معبود ہیں۔ ہم فرزندان لوئی بن غالب ہیں اور یہ ہمارے بھائی ہاشم بن عبد مناف ہیں۔ ہم ان کے لئے خواستگاری کے واسطے تمہارے پاس آئے ہیں۔ تم لوگ جانتے ہو کہ میرے اس بھائی سے رشتہ کی خواہش اطراف و جوانب کے تمام بادشاہوں نے کی لیکن اس نے انکار کر دیا اور خود رغبت کی ہے کہ سلمیٰؑ کو تم سے طلب کرے۔ سلمیٰ کے والد

بزرگوار بھی اس مجمع میں موجود تھے انہوں نے جواب دینے میں سبقت کی اور کہا آپ لوگ صاحبانِ شرافت وعزّت، فخر وشرف، سخاوت وفتوح اور صاحبانِ جود وکرم ہیں اور وہ عفیفہ جس کی آپ خواستگاری کرنا چاہتے ہیں میری دختر ہے۔ وہ خود اپنے نفس کی مالک ومختار ہے۔ کل وہ قبیلہ کے شرفا کی عورتوں کے ساتھ بنی قینقاع میں گئی ہے۔ اگر آپ لوگ یہاں قیام فرمائیں تو آپ کی عنایت ونوازش ہوگی۔ اگر اسی طرف چلنا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے۔ اب فرمائیے کہ آپ میں سے کون صاحب اس کی خواستگاری کرنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ اس کے خواستگار یہ ہیں جن کے چہرے سے نور ساطع ہے شعاع ظاہر ہے۔ یہ چراغِ بیت اللہ الحرم ہیں اور تاریکیوں کو روشن کرنے والے مصباح اور صاحب جود وکرم ہیں۔ یہ ہاشم بن عبد المناف ہیں۔ پدرِ سلمٰی نے کہا بہت بہتر مناسب۔ ان کی توجہ سے ہم کو بلند مرتبہ حاصل ہوا اور ہمارا سر اوج رفعت پر پہنچ گیا۔ ہم کو ان کی طرف سے زیادہ رغبت ہے جس قدر ان کو ہماری طرف ہے لیکن وہ اپنی آپ مالک ہے ہم آپ کے ساتھ اس کے پاس چلیں گے لیکن اے قبیلۂ نزار ابھی تو آپ قیام کیجئے۔ غرض ان لوگوں کو نہایت عزّت واحترام کے ساتھ ٹھہرایا اور طرح طرح کی ضیافتوں اور مہمان نوازیوں سے ممتاز کیا۔ اُونٹ ذبح کئے اور اُن کیلئے متعدد خوان تیار کئے، اور تمام اہل مدینہ، قبیلہ اوس وخزرج کے لوگ حضرت ہاشمؑ کے نور وجمال کے مشاہدے کیلئے آنے لگے۔ علمائے یہود کی نظر جب اُس نور پر پڑی تو اُن کی نگاہوں میں دنیا تاریک ہوگئی۔ کیونکہ توریت میں انہوں نے پڑھا تھا کہ یہ نورِ پیغمبرؐ آخر الزمان کی علامت ہے۔ تو وہ اس کو دیکھ کر ملول وگریاں ہوئے۔ ان کے عوام نے اُن سے دریافت کیا کہ تمہارے رونے کا کیا سبب ہے۔ وہ بولے کہ اس شخص کی علامت ہے جو بہت جلد ظاہر ہوگا اور (اپنے مخالفین کا) خون بہائے گا۔ فرشتے اس کی مدد کریں گے۔ تمہاری کتابوں میں اس کا نام ماحی ہے اور یہ اُسی کا نور ظاہر ہو رہا ہے۔ تمام یہود یہ سن کر گریاں ہوئے اور سب کے سینوں میں ہاشمؑ کی طرف سے کینہ بھر گیا۔ اُسی روز سے آنحضرتؐ

کے نور کو گل کرنے کا ارادہ کر لیا۔

عقدِ جنابِ ہاشمؑ:

دوسرے روز صبح ہوتے ہی ہاشمؑ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ فاخرہ لباس پہنیں، اپنے سروں پر خود رکھیں، زرہ سینوں پر باندھیں اور علم نزار بلند کریں۔ اس کے بعد ان لوگوں نے حضرت ہاشمؑ کو اپنے گھیرے میں لیا جس طرح ستاروں کے درمیان چاند ہوتا ہے۔ غلام آگے تھے اور ان کی متابعت کرنے والے ان کے پیچھے روانہ ہوئے اس شان سے بنی قینقاع کی طرف چلے۔ سلمیٰؑ کے پدر بزرگوار اپنی قوم کے بڑے بڑے لوگوں اور یہود کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی خدمت میں ہمراہ ہوئے جب وہ بازار کے قریب پہنچے وہاں شہر اور دیہات کے لوگ دور و نزدیک سے آئے ہوئے تھے وہ سب اپنے اپنے کام چھوڑ کر حضرت ہاشمؑ کے نور جمال کو دیکھنے میں محو ہو گئے۔ لوگ ہر طرف سے اُن کی جانب دوڑے۔ سلمیٰؑ بھی انہی کے درمیان کھڑی ہوئی حضرت ہاشمؑ کے جمالِ مبارک کو دیکھ رہی تھیں۔ اسی اثنا میں ان کے باپ ان کے پاس آئے اور کہا کہ میں تم کو اس امر کی خوشخبری دیتا ہوں جو تمہارے لئے مسرّت و شادمانی اور فخر و عزّت کا باعث ہے۔ انہوں نے پوچھا: وہ کیا؟ ان کے والد نے کہا: اے سلمیٰ یہ آفتابِ اوجِ عزت اور ماہِ برجِ کرامت و رفعت جس کو تم دیکھتی ہو تمہاری خواستگاری کیلئے آیا ہے اور اطراف کے عالم میں کرم و سخاوت اور عفت و کفایت میں مشہور ہے۔ جنابِ سلمیٰؑ نے یہ سن کر انتہائی حیا کے سبب سر جھکا لیا ان کے باپ نے ان کی خاموشی سے ان کی رضا و خوشنودی کو سمجھ لیا۔ ادھر جنابِ ہاشمؑ نے سُرخ ریشمی خیمہ ایک طرف نصب کرایا اور اس کے گرد قناتیں لگائیں اور اس میں جلوہ افروز ہوئے۔

جنابِ ہاشمؑ اپنے اصحاب کے ہمراہ پدرِ سلمیٰؑ کے خیمہ میں آئے۔ ہاشمؑ اور مطلبؑ اور ان کے چچا زاد بھائی سب صدرِ خیمہ میں بیٹھے۔ تمام اہلِ مجلس ہاشمؑ کے حسن و جمال کو دیکھنے میں محو تھے

کہ مطلبؑ نے گفتگو شروع کی اور کہا:

خطبۂ عقدِ حضرتِ ہاشم:

یا أهل الشرف و الإكرام و الفضل و الإنعام نحن وفد بيت الله الحرام و المشاعر العظام و إلينا سعة الأقدام و أنتم تعلمون شرفنا و سؤددنا و ما قد خصصنا الله به من النور الساطع و الضياء اللامع و نحن بنو لوی بن غالب قد انتقل هذا النور إلى عبد مناف ثم إلى أخينا هاشم و هو معنا من آدم إلى أن صار إلى هاشم و قد ساقه الله إليكم و أقدمه عليكم فنحن لكريمتكم خاطبون و فيكم راغبون۔ (بحار الانوار جلد ۱۵)

''اے صاحبانِ عزت و کرامت و فضل و نعمت ہم اہل بیت اللہ الحرم اور صاحبانِ مشاعر عظام ہیں۔ لوگوں کے گروہ در گروہ ہماری طرف آیا کرتے ہیں۔ آپ لوگ خود بھی ہماری قدر و منزلت جانتے ہیں اور آپ لوگوں پر نورِ درخشندۂ محمدیؐ ظاہر ہے جس کو خدا نے ہم سے مخصوص فرمایا ہے ہم فرزندانِ لوئی بن غالب ہیں اور وہ نورِ آدمؑ سے منتقل ہوتا ہوا ہمارے باپ عبد المناف تک پہنچا اور اُس سے میرے بھائی ہاشم کی جانب منتقل ہوا۔ اور اب خداوند نے اس نعمت کو تمہاری طرف بھیجا ہے۔ اب ہم اُس فرزند گرامی کیلئے تمہارے پاس خواستگاری کے واسطے آئے ہیں''۔ اس کلام کے جواب میں عمرو پدرِ سلمیٰؑ نے کہا: ''آپ لوگوں کیلئے تحیّت و اکرام و اجابت و اعظام ہے ہم نے آپ کا خطبہ قبول کیا اور آپ کی دعوت منظور کی۔ لیکن ہم اپنی قدیم رسم یعنی زیادتیِ مہر پر عمل کرنے پر مجبور ہیں اس امرِ عظیم کیلئے جس کے آپ خواہشمند ہیں۔ اگر ہم میں پہلے سے یہ رواج نہ ہوتا تو میں اس کا اظہار نہ کرتا''۔

جناب مطلبؑ نے فرمایا: ''ہم سو اُونٹ جن کی آنکھیں سیاہ اور بال سرخ ہیں مہر میں دیتے ہیں اور ساتھ ہی ہزار مثقال سونے کا اضافہ کرتا ہوں، ایک خروارِ عنبر، دس جامۂ سفید مصری اور دس جامۂ سفید عراقی کا اور اضافہ کرتا ہوں ساتھ ہی پانچ کنیزیں خدمت کے لئے حاضر کرتا ہوں اس کے ساتھ دس اوقیہ مُشک اور پانچ قدح کافور کا بھی اضافہ کرتا ہوں''۔ جنابِ سلمٰی کے والد نے حضرت مطلبؑ سے کہا: ''میری لڑکی آپ کی خدمت میں ہدیہ ہے۔ مجھے اور کوئی خواہش وآرزو (مہر و مال) نہیں ہے''۔ مطلب نے کہا: ''ہم نے جو کہہ دیا اُس پر اور زیادہ کر کے دیں گے'' اور ہاشم سے کہا: کیوں بھائی جو کچھ میں نے (مہر کے بارے میں) کہہ دیا ہے آپ اُس پر راضی ہیں؟ کہا: ہاں! پھر ایک دوسرے سے مصافحہ کیا، اور سلمیٰؑ کے والد نے ہاشم و مطلب پر اور ان کے تمام ہمراہیوں پر مالِ کثیر اور عنبر اور مشک و کافور نثار کیا پھر سب لوگ وہاں سے مع سامان واسباب مدینہ میں آئے۔ وہاں اس بہترین فردِ عبدالمناف کا اس گوہرِ صدف کرامت کے ساتھ زفاف ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد جناب سلمیٰؑ کو جب ہاشم کے اخلاق پسندیدہ سے پوری واقفیت ہوگئی تو جو کچھ مہر میں ہاشم سے حاصل ہوا تھا۔ ان کو کچھ اضافہ کے ساتھ واپس کر دیا اسی شب نورِ نطفۂ پاک عبدالمطلبؑ کا گوہر شاہوار صدفِ طاہرۂ سلمیٰؑ میں قرار پایا اور نورِ محمدی ﷺ سلمیٰؑ کی پیشانی میں جلوہ گر ہوا۔ تمام مدینہ والے سلمیٰؑ کو اس کرامتِ عظمیٰ پر مبارکباد دیتے تھے۔ اس نورِ روشن و منور سے سلمیٰؑ کا حسن و جمال زیادہ سے زیادہ ہو گیا۔

مدینہ کی عورتیں ان کے حسن کو دیکھنے آتیں اور ان کے نور و ضیا کو دیکھ کر حیران رہ جاتیں۔ وہ جس سنگریزے اور پتھر کی طرف سے گزرتیں سب اُن پر سلام کرتے اور مبارکباد دیتے اور اکثر و بیشتر وہ اپنی داہنی جانب سے "السّلام علیك یا خیر البشر" کی آواز سنتیں اور یہ تعجب خیز باتیں ہاشم سے بیان کرتیں لیکن اپنی قوم سے پوشیدہ رکھتیں۔

حضورؐ کے اجداد غیبی آواز سنتے تھے:

ایک رات جناب سلمیٰؑ نے ایک منادی کی آواز سنی جواُن سے کہہ رہا تھا کہ تم کو خوشخبری ہو خدا نے تم کو ایسا فرزند ودیعت کیا ہے جو تمام شہروں اور دیہاتوں کے لوگوں سے بہتر ہے۔ ہاشم اس کے بعد چند روز تک مدینہ میں اور مقیم رہے پھر اُن سے رخصت ہوئے اور کہا: اے سلمیٰؑ! میں نے وہ امانت تمہارے سپرد کی ہے جس کو حق تعالیٰ نے آدمؑ کو سپرد فرمایا تھا اور آدمؑ نے شیثؑ کو سپرد کیا۔ اسی طرح اکابرین ایک دوسرے کو سپرد کرتے چلے آئے یہاں تک کہ یہ نورِ بزرگ ہم کو ملا جس سے ہمارا شرف زیادہ ہو گیا اور بحکمِ خدا اب میں نے اس نور کو تمہارے سپرد کر دیا ہے اور تم سے عہد و پیمان لینا چاہتا ہوں کہ اس کی حفاظت و نگرانی کرنا اگر میری غیر موجودگی میں اس کا ظہور ہو تو اس کو اپنی آنکھ سے زیادہ پیارا اور اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھنا اور جہاں تک ممکن ہو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنا کیونکہ اس سے حسد کرنے والے اور دشمن بہت ہیں۔ خاص کر یہودی جن کی عداوت پہلے ہی سے ظاہر ہے اور اگر اس سفر سے میں واپس نہ آؤں اور میری وفات کی خبر تم کو پہنچے اس کی محافظت اور ناز برداری میں کسی طرح کی کمی نہ کرنا جب وہ سنِ شباب کو پہنچے اس کو حرمِ خدا میں واپس بھیج دینا اور اس کے چچاؤں سے دور نہ رکھنا کیونکہ حرمِ خدا ہماری عزّت و نصرت کی جگہ ہے۔ سلمیٰؑ نے کہا: میں نے آپ کی تمام باتیں دل و جان سے منظور کیں۔ لیکن آپ کی جدائی سے دل پر سخت صدمہ و ملال ہے۔ خدا سے دعا کرتی ہوں کہ وہ جلد آپ کو میرے پاس واپس لائے۔ (علامہ مجلسی۔ حیات القلوب)

جناب مطّلب وصی بنا دیئے گئے:

ہاشمؑ نے اپنے بھائیوں اور تمام عزیزوں کو جمع کیا اور فرمایا اے میرے بھائیو! اور عزیزو! موت وہ راستہ ہے جس سے کسی شخص کو چارہ نہیں، اب میں تم سے جدا ہوتا ہوں اور نہیں خبر کہ پھر دوبارہ تمہارے پاس واپس آؤں گا یا نہیں۔ لہٰذا وصیّت کرتا ہوں کہ تم آپس میں متحد رہنا اور ہر گز ایک دوسرے سے جدا نہ ہونا کہ تمہاری ذلت و خواری کا سبب ہو۔ کیونکہ بادشاہوں اور

ان کے علاوہ اور لوگوں کو اور دشمنوں کو تمہاری عزت و منزلت کے بارے میں حسد و طمع ہے۔ میں اپنے بھائی مطلب کو تم پر اپنا خلیفہ بنا رہا ہوں کیونکہ وہ دنیا میں سب سے زیادہ مجھے عزیز و پیارا ہے۔ اگر میری وصیّت کو مانو تو اس کو اپنا پیشوا سمجھو اور کعبہ کی کنجیاں، چاہِ زمزم ہمارے دادا نزار کا علم اور جو کچھ پیغمبروں کے تبرکات ہم تک پہنچے ہیں یہ سب اس کے سپرد کر دو تو مظفر و سعادت مند ہو گے۔ دوسری وصیّت یہ ہے کہ جو فرزند سلمیٰؑ کے باطن میں ہے اس کی شان و عزت بہت بلند ہے ، اس کا بہت خیال رکھنا، غرض کسی معاملہ میں میرے قول کی مخالفت نہ کرنا۔

ان لوگوں نے کہا ہم نے آپ کی باتیں سنیں اور اطاعت کی پھر ہاشمؑ وہاں سے شام کی جانب روانہ ہوئے۔ اپنے کاموں سے فارغ ہوئے اپنے سامان تجارت کو فروخت کیا اور ضروری اشیاء خریدیں اور جناب سلمیٰؑ کے لئے تحفے اور ہدیے لے کر مدینہ کی جانب سفر کیا۔ لیکن راہ میں بیمار ہو گئے اور ٹھہر گئے ۔ دوسرے روز بیماری میں شدت ہوئی تو اپنے رفیقوں، غلاموں اور ملازموں سے فرمایا کہ مجھے موت کے آثار نظر آرہے ہیں اس بیماری سے مجھ کو نجات ملنا دشوار معلوم ہوتا ہے لہٰذا آپ لوگ مکّہ کی جانب واپس جایئے اور جب مدینہ میں پہنچیں تو سلمیٰؑ کو میرا سلام کہہ دیں اور تعزیت کریں اور میرے فرزند کے بارے میں کہہ دیں کہ مجھے اُس کی فکر کے سوا کوئی فکر و غم نہیں۔ پھر دو روز کے بعد جب کہ موت کے آثار اُن پر ظاہر ہوئے فرمایا کہ قلم و دوات اور کاغذ لاؤ اور مجھے بٹھا دو۔ پھر خُدا کے نام کے بعد لکھنا شروع کیا کہ یہ نامہ جس کو ایک بندۂ ذلیل نے لکھا ہے جبکہ خدا کا فرمان اس کو پہنچا تھا کہ فانی دنیا سے دار بقائے آخرت کی جانب سفر کے لئے تیار ہو جا۔ لہٰذا ایسے وقت میں جبکہ موت کی کشمکش میں میری جان پھنسی ہوئی ہے جس سے کسی کو مفر نہیں ہے۔ میں اپنے اموال تمہارے پاس بھیجتا ہوں جن کو آپس میں برابر برابر تقسیم کر لینا اور اس عفیفہ کریمہ کو جو تم سے دور ہے اور تمہاری عزت اس کے پاس ہے یعنی سلمیٰؑ کو فراموش نہ کرنا، اور میں تم کو اس کے فرزند کے احترام کی وصیّت کرتا ہوں اس کے حق کی رعایت کرنا اور

میرے فرزندوں کو میرا اسلام و پیام پہنچا دینا اور سلمیٰ کو میرا اسلام کہنا اور کہہ دینا کہ افسوس میں تمہاری ملاقات ومحبت سے سیر نہیں ہوا اور افسوس صد افسوس کہ اپنے فرزند کے دیدار سے محروم رہا اور خُدا کی رحمتیں اور برکتیں روز قیامت تک تم پر ہوں۔ پھر اُس خط پر اپنی مُہر کر کے اُن کے سپرد کیا اور کہا مجھے لٹا دو۔ وہ جب لٹائے گئے تو آسمان کی جانب نظر کی اور کہا اے میرے پروردگار کے رسول اور قاصد بحق نورِ مصطفیٰ ﷺ جس کا میں حامل تھا میرے ساتھ نرمی کر یہ فرمایا اور بآسانی عالمِ بقا کی جانب رحلت فرمائی۔ پھر لوگوں نے ان کو غسل وکفن دے کر شام میں دفن کر دیا اور مکہ روانہ ہوئے۔ مدینہ میں داخل ہوئے تو نالہ وفریاد کی آوازیں بلند کیں، جن کو سن کر مدینہ کی عورتیں اور مرد سب اپنے اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ سلمیٰؑ، انُ کے باپ اور عزیزوں نے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ سلمیٰ فریاد کرنے لگیں کہ اے میرے سرتاج! کرم وعزّت تمہاری موت سے مِٹ گئی۔ افسوس تمہارے مرنے کے بعد اس بچے کا کیا حال ہوگا جس کو تم نے دیکھا تک نہیں نہ اس کی لذّتِ فرزندی سے آشنا ہوئے اسی بیقراری واز خودرفتگی کے عالم میں سلمیٰؑ نے ہاشمؑ کے وصی سے کہا کہ مطّلب کو میری طرف سے دُعا کہنا اور کہنا کہ میں تمہارے بھائی کے عہد پر قائم ہوں ان کے بعد دوسرے مرد میرے اُوپر حرام ہیں۔

وہاں سے رخصت ہو کر وہ قافلہ مکہ پہنچا اور وہاں بھی ہاشم کی خبر وفات سن کر کہرام برپا ہوا عورتوں نے بال کھول دیئے گریباں چاک کر دیئے درودیوار سے آواز گریہ بلند ہوئی۔ جب ان کا وصیّت نامہ کھول کر پڑھا گیا لوگوں کے رنج وغم میں اور اضافہ ہوا غرض اہل مکّہ نے ہاشم کی وصیّت کے مطابق جناب مطلبؑ کو اپنا رئیس اور پیشوا بنا لیا اور عَلَمِ نزار اور سقایۂ زمزم اور کمانِ اسماعیلؑ اور نعلینِ شیثؑ اور پیراہنِ ابراہیمؑ اور انگشتریِ نوحؑ اور تمام تبرکاتِ انبیا جناب مطلبؑ کے سپرد کر دیئے۔

جناب مطلبؑ ملقب بہ شیبۃ الحمد:

جناب سلمیٰؑ کے وضع حملِ نور کا وقت آیا تو اس وقت ایک ہاتف کی ندا آئی کہ اے بنی نجار کی عورتوں کی زینت اپنے فرزند کو پردے میں رکھو اور لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھو۔ جب جناب سلمیٰؑ نے یہ آواز سنی دروازے بند کر دیئے اور پردے لٹکا دیئے اور اپنے حال کی کسی کو اطلاع نہ دی ناگاہ دیکھا کہ ایک نور کا پردہ زمین سے آسمان تک ان پر ڈال دیا گیا ہے، اس وقت وہ فرزند پیدا ہوا اور نورِ محمدیؐ ان کی پیشانی میں جلوہ گر ہوا وہ پیدا ہوتے ہی مسکرائے جناب سلمیٰؑ نے گود میں لیا تو دیکھا سر میں کچھ بال سفید ہیں تو اس نسبت سے ان کا نام شیبۃ الحمد رکھا۔ جناب سلمیٰؑ نے ان کو ایک مہینے تک پوشیدہ رکھا کسی کو ان کی ولادت کی خبر نہ ہوئی ایک مہینے کے بعد عزیزوں اور قابلہ عورتوں کو معلوم ہوا تو مبارک باد کو آئیں، اور مولود کے تعجب خیز حالات سن کر حیرت ہوئی۔ وہ دو مہینے کے ہوئے تو چلنے لگے یہودیوں نے جب ان کو دیکھا ان کی طرف سے کینہ اور ملال سے بیتاب ہوئے اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ وہ نور جوان سے ظاہر ہے نورِ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جو یہودیوں کو قتل کریں گے اور ان کے دین کو باطل کریں گے۔ سات سال کی عمر میں وہ نہایت ہی قوی و دلیر جوان معلوم ہونے لگے بڑے سے بڑا بوجھ اٹھا لیتے، لڑکوں کو ہاتھوں پر بلند کر کے زمین پر پٹک دیتے تھے۔

وجہِ تسمیہ عبدالمطّلب اور ورودِ مکّہ کی نورانی کہانی:

ایک مرتبہ قبیلہ بنی حارث کا ایک شخص مکّہ سے مدینہ آیا اس نے شیبۃ الحمد کو دیکھا کہ مثل چاند کے نُور اُن کے چہرے سے چمک رہا ہے وہ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ وہ کھڑا ہو گیا اور ان کے ظاہری و باطنی حُسن و جمال کے دیکھنے میں محو ہو گیا پھر بولا کہ کس قدر سعادت مند ہیں وہ لوگ جن کے شہر میں تم رہتے ہو۔ وہ کھیل رہے تھے اور کہتے جاتے تھے میں زمزم و صفا کا فرزند

ہوں۔ میں ہاشم کا دلبند ہوں اور میرے شرف کے لئے یہی کافی ہے۔ یہ سن کر وہ مرد قریب آیا اور کہنے لگا اے جوان تیرا کیا نام ہے؟ فرمایا: میں ہاشم بن عبد مناف کا فرزند شیبہ ہوں۔ اے عم محترم آپ کہاں سے آرہے ہیں؟ اس مرد نے کہا مکہ سے۔ فرمایا: جب خیریت سے مکہ پہنچیں اور فرزندانِ عبد مناف سے ملاقات ہو تو میرا سلام ان کو پہنچا دیجئے اور کہیے گا کہ میں ایک یتیم کا پیغامبر ہوں جس کا باپ مر گیا اور اس کے چچاؤں نے اس پر ظلم کر رکھا ہے۔ اے فرزندانِ عبد مناف بہت جلد ہاشم کی وصیت کو بھول گئے اور ان کی نسل کو ضائع کر دیا۔ جو ہوا مکہ کی طرف سے آتی ہے۔ اس سے تمہاری خوشبو سونگھتا ہوں اور تمہاری ملاقات کی آرزو میں راتیں تڑپ کر کاٹتا ہوں۔ یہ پیغام سن کر وہ مرد رونے لگا اور جلد از جلد مکے کو چلا جب اولاد عبد مناف کی مجلس میں پہنچا تحیت وسلام کے بعد بولا اے بزرگانِ قوم اور فرزندانِ عبد مناف! اپنے وقار کو بھول گئے اور اپنے چراغِ ہدایت کو دوسروں کے گھر روشن کر رکھا ہے پھر شیبہ کے پیغامات پہنچائے وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم کو معلوم نہ تھا کہ وہ اس شعور تک پہنچ چکا ہے۔ اس مرد نے کہا خدا کی قسم فصحا کی زبانیں اس کے مقابلہ میں گنگ ہیں اور عُقلا اس کے سامنے عاجز ہیں۔ وہ حُسن وجمال کی بلندی کا آفتاب ہے فضل وکمال کی آنکھوں کا نور ہے۔ یہ سن کر مطلب اسی وقت سوار ہو کر تنہا مدینہ کی جانب روانہ ہوئے اور نہایت عجلت وسرعت کے ساتھ مدینہ پہنچے۔ دیکھا شیبۃ الحمد لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ ان کو اس نُورِ محمدیؐ کے ذریعہ سے پہچان لیا۔ دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑا پتھر اُٹھائے ہوئے ہیں اور کہہ رہے کہ میں ہوں ہاشم کا فرزند جو بزرگی وشرافت میں مشہور ہیں۔ مطلب نے یہ سنتے ہی ناقہ کو بٹھایا اور پکار کر کہا: اے میرے بھائی کی یادگار میرے پاس آؤ۔ شیبہ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور بولے کہ آپ کون ہیں کہ میرا دل آپ کی طرف کھنچا چلا جارہا ہے۔ شاید میرے چچاؤں میں سے آپ بھی ہیں. فرمایا میں تمہارا چچا مطلب ہوں۔ پھر ان کو گود میں لیا، پیار کیا اور روئے اور پوچھا کہ پارہ جگر کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھ کو تیرے آباؤ اجداد

کے وطن میں لے چلوں۔ جو تیرے عزّ و شرف کا مقام ہے۔ شیبہ نے کہا: ہاں ضرور چلنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر مطّلب سوار ہوئے اور اپنے ہمراہ شیبہ کو بھی سوار کرالیا اور مکّہ کی جانب روانہ ہوئے۔ شیبہ نے کہا چچا جان جلدی نکل چلئے ایسا نہ ہو کہ میری ماں کے اعزّا و اقربا آگاہ ہو جائیں ان کے ساتھ اوس و خزرج کے بہادر بھی موافق ہو کر مجھ کو روکنے کی کوشش کریں۔ مطّلب نے کہا جانِ عم پروانہ کر۔ خُدا اُن کے شر سے محفوظ رکھے گا، جب یہودیوں کو خبر ہوئی کی شیبہ اپنے چچا کے ساتھ تنہا مکّہ روانہ ہو گئے ہیں تو ان کے قتل کا ارادہ کیا یہودیوں کے سردار میں سے ایک شخص واہیہ نامی کا لڑکا لاطیہ ایک روز لڑکوں کے ساتھ کھیلنے کے لئے نکلا تو شیبہ نے اس کے سر پر اونٹ کی ایک ہڈی سے ایسا مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا اور کہا اے یہودی کے بچے تیری موت قریب آ گئی ہے، بہت جلد تمہارے گھر برباد ہو جائیں گے۔ اس کے باپ نے جب یہ سنا تو بہت غضبناک ہوا اور یہ عداوت بھی پرانی عداوتوں کے ساتھ ان کے دل میں جا گزیں ہو گئی۔ جب ان یہودیوں نے سنا کہ وہ مکّہ جا رہے ہیں تو یہودیوں کو آواز دی کہ وہ لڑکا تنہا اپنے چچا کے ساتھ گیا ہے چلو اس کو ہلاک کر دیں اور اس کے شر سے محفوظ و مطمئن ہو جائیں۔ یہ سن کر ستر (۷۰) یہودی مسلّح ہو کر اُن کے تعاقب میں چلے۔ رات کا وقت تھا مطّلب کے کانوں میں اُن کے گھوڑوں کی آواز آئی تو کہنے لگے کہ اے فرزند جن سے خوف تھا وہ آ پہنچے۔ شیبہ نے کہا راستہ بدل دیجئے۔ فرمایا اے نورِ چشم تیری پیشانی کا نور ان گمراہوں کو دکھا دے گا جس طرف بھی ہم جائیں گے۔ شیبہ نے کہا میرے چہرے کو چھپا دیجئے شاید وہ نور چھپ جائے۔ مطّلب نے کپڑے کی تین تہیں کر کے اُن کے چہرے پر لٹکا دیا لیکن اس نور کی ضیا باری میں کمی نہ ہوئی۔ مطّلب نے کہا اے میرے بھائی کی جان تیرے خورشید جمال کا یہ نور خدا کا نُور ہے، پوشیدہ نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی اس کو بجھا سکتا ہے۔ خُدا کے نزدیک تیری منزلت عظیم ہے اور جس خدا نے تجھ کو یہ نور عطا فرمایا ہے وہی تجھ کو ہر خطرہ سے محفوظ رکھے گا۔

جنابِ عبدالمطّلبؑ کا سجدہ:

جب وہ حضرت مطّلب کے پاس پہنچے شیبہ نے کہا کہ مجھ کو نیچے اُتار دیجیے تا کہ خدا کی قدرت کا تماشا آپ کو دکھاؤں۔ حضرت نے اُن کو اتار دیا۔ وہ سجدے میں پیشانی رکھ کے ملتجی ہوئے کہ اے نور و ظلمت کے خالق اور ساتوں آسمانوں کو گردش میں لانے والے اور ہر گروہ کو روزی دینے والے میں تجھ سے بحقِ شفیعِ روزِ جزا سوال کرتا ہوں جس کو تو نے میرے سپرد فرمایا ہے، ہمارے دشمنوں سے ہم کو محفوظ رکھ۔ ابھی دعا تمام نہ ہوئی تھی کہ یہودیوں کا گروہ ان کے نزدیک آگیا اور ان کو گھیر لیا۔ لیکن بقدرتِ خدا شیبہ اور اُن کے چچا کا رعب اور خوف اُن پر غالب ہو گیا۔ تو چاپلوسی اور مکر کے ساتھ بولے کہ اے نیک کردار بزرگ ہم آپ کو کوئی تکلیف پہنچانے نہیں آئے ہیں بس یہ چاہتے ہیں کہ شیبہ کو اُن کی ماں کے پاس پہنچا دیں کیونکہ وہ ہمارے شہر کی روشنی، ہمارے لئے برکت اور نعمت ہے۔ شیبہ نے کہا ہم تمہارے مکر و فریب سے بخوبی واقف ہیں۔ اب چونکہ خُدا کی قدرت تم پر غالب آچکی ہے تو ایسی باتیں کرنے لگے ہو۔ یہ سن کر یہودی ناکام و نامراد ذلیل ہو کر واپس ہوئے۔ تھوڑی دور گئے تھے کہ لاطیہ پسرِ واہیہ نے کہا شاید تم لوگوں کو نہیں معلوم کہ یہ لوگ جادوگر ہیں انہوں ہم پر جادو کر دیا ہے۔ آؤ پیدل چلیں اور ان کو ختم کر دیں۔ پھر وہ تلواریں کھینچ کر ان کی طرف بڑھے مطّلب نے دیکھا تو فرمایا اب تمہارا مقصد ظاہر ہوا اور جہاد تمہارے ساتھ واجب ہو گیا یہ کہہ کر آپ نے کمان لی اور چند تیروں سے کئی جوانوں کو واصلِ جہنم کیا۔ پھر سب نے اکبارگی حملہ کر دیا۔ مطّلب نے خُدا کا نام لے کر اُن سے مقابلہ کیا۔ شیبہ بارگاہِ الٰہی میں گریہ وزاری کے ساتھ دُعا کر رہے تھے کہ ناگاہ دور سے ایک غبار پیدا ہوا اور گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز اور اسلحوں کی جھنکار کان میں آئی۔ جب وہ لوگ نزدیک پہنچے مطّلب نے دیکھا کہ سلمیٰؑ اپنے والد اور بہادرانِ اوس و خزرج کے چار ہزار افراد کے ساتھ شیبہ کو لینے آئی ہیں۔ جب جناب سلمیٰؑ نے دیکھا کہ یہودی جناب مطلبؑ سے مشغولِ جنگ ہیں

للکار کے کہا کہ وائے ہو تم پر یہ کیا ذلالت ہے۔ یہ سنتے ہی لاطیہ بھاگا۔ جناب سلمیٰؑ نے کہا اے دشمنِ خدا کہاں جاتا ہے اور تلوار کی ایک ضرب سے اس کو دو ٹکڑے کر دیا اور اوس و خزرج کے بہادروں نے یہودیوں پر حملہ کیا اور ایک یہودی کو باقی نہ چھوڑا۔ پھر مطلب کی جانب رُخ کیا۔ مطلب نے بھی تلوار کھینچ لی۔ جناب سلمیٰؑ کو اپنے فرزند شیبہ کے بارے میں خوف ہوا اور اپنے قبیلہ کو لڑائی سے روک دیا اور مطلب سے پوچھا کہ آپ کون ہیں جو شیر کے بچے کو اس کی ماں سے جُدا کرنا چاہتے ہیں۔ مطلب نے فرمایا میں وہ ہوں کہ چاہتا ہوں کہ اس کی عزّت و منزلت، شراف و عظمت میں اور اضافہ کروں اور تم لوگوں سے اس پر زیادہ مہربان ہوں مجھے اُمید ہے کہ خُداوند عالم اس کو صاحبِ حرم اور پیشوائے اُمم قرار دے۔ میں اس کا چچا مطلب ہوں، یہ سن کر جناب سلمیٰؑ نے کہا: مرحبا مرحبا! آپ خُوب آئے۔ لیکن مجھ سے اس فرزند کے لے جانے کے لئے کیوں نا فرمایا۔ میں نے تو اس کے باپ سے شرط کی تھی کہ اگر فرزند پیدا ہوگا تو مجھ سے جُدا نہ کریں گے۔ پھر شیبہ سے کہا اے فرزند تجھے اختیار ہے اگر تو چاہے تو اپنے چچا کے ساتھ جا اور چاہے تو میرے ساتھ چل۔ شیبہ نے یہ سُن کر سر جھکا لیا اور اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ عرض کی اے مادرِ مہربان آپ کی مخالفت سے ڈرتا ہوں لیکن خانۂ خدا کی مجاورت ضرور چاہتا ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو جاؤں، ورنہ واپس چلوں۔ جناب سلمیٰؑ یہ سن کر رونے لگیں اور فرمایا اے فرزند تیری خواہش مجھے منظور ہے۔ مجبوراً تیری مفارقت کا صدمہ برداشت کروں گی۔ لیکن مجھ کو بھول نہ جانا اور اپنی خیریت سے آگاہ کرتے رہنا۔ پھر گود میں لے کر پیار کیا اور رخصت کیا۔ پھر مطلب سے کہا اے فرزندِ عبد مناف جو امانت تمہارے بھائی نے مجھے سپرد کی تھی وہ میں نے تم کو سونپ دی۔ اب اس کی حفاظت کرنا تمہارے ذمّہ ہے۔ جب وہ سنِ بلوغ کو پہنچے ایسی عورت سے اس کا عقد کرنا جو اس کے لئے عزّت و شرافت و نجابت میں اس کے مناسب ہو۔ مطلب نے کہا اے کریمہ بزرگوار آپ نے مجھ پر احسان کیا۔ جب تک زندہ رہا آپ کا حق نہ

بھولوں گا۔ پھر شیبہ کو لے کر مکّہ کی جانب روانہ ہوئے، جب شیبہ کا آفتاب جمال مکّہ کے دروازے پر طالع ہوا اور آپ کے نور کی چھوٹ وہاں کے پہاڑوں پر پڑی' مکّہ روشن ہو گیا جس کو دیکھ کر اہل مکّہ کو حیرت ہوئی اور وہ اپنے گھروں سے نکل کر دوڑے۔ مطلب کو دیکھا کہ ایک لڑکے کو لئے آرہے ہیں۔ پوچھا یہ کون ہے؟ آپ نے مصلحتاً فرمایا یہ میرا غلام ہے اسی سبب سے شیبہ کا نام عبدالمطلب ہو گیا۔ حضرت مطلب ان کو گھر لائے اور مدتوں اُن کی قدر و منزلت کو پوشیدہ رکھا۔ لوگ نہیں جانتے تھے کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا ہوں گے۔ پھر قریش کے درمیان ان کی بڑی عزّت ہو گئی اور اُن کے ذریعہ ہر معاملہ میں قریش کو برکت حاصل ہوتی تھی۔ ہر مصیبت و بلا میں ان کے سبب سے پناہ ملتی تھی۔ ہر قحط و سختی میں وہ نورِ جناب رسولؐ خدا سے متوسّل ہوتے تھے اور خداوندِ عالم وہ سختیاں ان سے دفع فرماتا تھا اور اس نور سے معجزات ظاہر ہوتے رہتے تھے۔

حضورؐ کے آباؤ اجداد مسلمان اور اوصیائے ابراہیمؑ تھے:

علمائے امامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد، دادی نانی وغیرہ آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین تک سب مسلمان تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور کسی مشرک صلب اور کسی مشرکہ کے رحم میں قرار نہیں پایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ دادا اور ماؤں کے نسب میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے اور خاصّہ و عامّہ کے طریقہ سے متواتر حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں بلکہ احادیث متواترہ سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد سب کے سب انبیاؤ اوصیا اور حاملانِ دین خُدا رہے ہیں۔ (حیات القلوب)

فرزندانِ اسمٰعیلؑ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد تھے وہ سب حضرت ابراہیمؑ کے اوصیا تھے۔ ہمیشہ مکّہ کی بادشاہی، خانہ کعبہ کی پردہ پوشی اور اس کی تعمیر وغیرہ کی خدمت انہی لوگوں سے متعلق رہی ہے۔ وہ لوگ مرجع انام رہے ہیں۔ قوم ابراہیم اسی میں سے تھی۔ شریعت موسیٰ و

عیسیٰ علیہ السلام اور شریعتِ ابراہیمؑ فرزندانِ اسمٰعیل علیہ السلام کیلئے منسوخ نہیں ہوئی تھی۔ وہ لوگ شریعت کے محافظ تھے اور ایک دوسرے کو وصیّت کرتے آثارِ انبیا سپرد کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح یہ سلسلہ عبدالمطلب علیہ السلام تک پہنچا۔ جناب عبدالمطلب علیہ السلام نے ابوطالب علیہ السلام کو وصی قرار دیا اور ابو طالب علیہ السلام نے بہت سی کتابیں، آثارِ انبیا اور ان کے تبرکات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ان کو سپرد فرمایا۔

عبدالمطلب ایک اُمّت:

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ قیامت کے روز وہ ایک امت کے مانند تنہا محشور ہوں گے۔ کیونکہ وہ اپنی قوم میں تنہا (موحد) تھے۔ ان سے پیغمبروں کی علامت اور بادشاہوں کی ہیبت ظاہر ہوگی۔ اور دوسری معتبر وصحیح حدیث میں فرمایا کہ عبدالمطلب علیہ السلام پہلے شخص ہیں جو بداء کے قائل ہوئے۔ وہ قیامت میں بادشاہوں کے حسن اور پیغمبروں کی علامت سے محشور ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ عبدالمطلب علیہ السلام نے ایک روز جناب رسولؐ کو اپنے اونٹوں کے پیچھے روانہ کیا۔ ان کو واپس آنے میں دیر ہوئی تو بے تاب ہو گئے اور ان کی تلاش میں آدمی بھیجے اور کعبہ کی زنجیروں کو پکڑ کر خدا کی بارگاہ میں گریہ وزاری شروع کی کہ اے پالنے والے اپنے ماننے والوں کو جن کے متعلق تو نے وعدہ کیا ہے کہ ان کو تمام ادیان پر غالب کرے گا کیا ہلاک کردے گا۔ اگر ایسا کرے گا تو دوسرا امر اس کے بارے میں تیری مشیت میں واقع ہوا ہے۔ حضرت واپس آئے تو دیکھتے ہی گود میں لے کر پیار کیا۔ اور فرمایا اے فرزند آئندہ تجھ کو کسی کام کیلئے کبھی نہ بھیجوں گا۔ ڈرتا ہوں کہ دشمن تجھ کو کہیں ہلاک نہ کردیں۔

حضرت عبدالمطّلبؑ کی قائم کردہ سنّتیں اور شریعت اسلامی:

اُنہی حضرات سے دوسری معتبر حدیث میں منقول ہے کہ حضرت سرورِ عالمؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ حضرت عبدالمطّلب علیہ السلام نے جاہلیت کے زمانہ میں پانچ سنّتیں مقرر کیں جن کو خدا نے اسلام میں جاری و قائم رکھا۔

ا۔اوّل یہ کہ سوتیلی ماؤں کو لڑکوں پر حرام قرار دیا جس کے بارے میں خُدا نے قرآن میں فرمایا ہے:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ.(سورۃ النساء:۲۲)

''اُن عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے آباؤ اجداد نے نکاح کیا ہو''۔

۲۔دوسرے یہ کہ انہوں نے خزانہ پایا تو اس میں سے پانچواں حصّہ راہِ خدا میں دے دیا جس کے متعلق خدا فرماتا ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ.

(سورۃ الانفال:۴۱)

(یاد رکھو کہ جب تمھیں مالِ غنیمت حاصل ہو تو اس میں سے پانچواں حصّہ خدا کے لیے صرف کرو)

۳۔تیسرے یہ کہ جب چاہ زمزم کو کھودا تو اس کو حاجیوں کا سقایہ قرار دیا تو خدا نے فرمایا:

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ(سورۃ التوبۃ:۱۹)

۴۔چہارم یہ کہ آدمی کے مارڈالنے کا خونبہا سو ۱۰۰ اونٹ مقرر کیا۔

۵۔ پانچویں یہ کہ قریش میں طواف کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی، آپ نے سات مرتبہ طواف کرنا مقرر کیا۔ پھر فرمایا کہ عبدالمطلبؑ نے نہ کبھی جوا کھیلا نہ بتوں کی پرستش کی نہ اُن جانوروں کو کھایا جو بتوں کے لئے کاٹے گئے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے پدر ابراہیمؑ کے دین پر قائم ہوں۔

دوسری حدیث معتبر میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ جبرئیلؑ نازل ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا خدا فرماتا ہے کہ میں نے اس پر آتشِ دوزخ کو حرام کردیا جس کی صلب سے تم پیدا ہوئے اور جس کے شکم میں تم رہے (یعنی عبداللہ علیہ السلام و آمنہ سلام اللہ علیہا پر) اور حرام کیا ہے اُس پر جس نے تمہاری کفالت و محافظت کی ہے (یعنی ابوطالب علیہ السلام پر)۔

مسندِ عبدالمطلبؑ:

دوسری روایت میں ابن عباس سے منقول ہے کہ کسی کے واسطے کعبہ معظمہ کے سامنے مسند نہیں بچھائی گئی سوائے عبدالمطلبؑ کے۔ اُن کی مسند پر اُن کے احترام و اکرام کے سبب سے کوئی شخص نہیں بیٹھتا تھا لیکن جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے تھے اور اُن کی مسند پر بیٹھنا چاہتے اور ان کے چچا وغیرہ اُن کو روکنا چاہتے تو عبدالمطلب علیہ السلام فرماتے کہ چھوڑو میرے فرزند کو کہ اس کی شان بزرگ ہے۔ وہ تمام خلق کا پیشوا ہوگا۔ پھر ان کو گود میں لیتے اور اُن کی پُشت پر ہاتھ پھیرتے اور بار بار پیار کرتے اور چونکہ عبداللہؑ و ابوطالبؑ حقیقی بھائی تھے اس لئے ابوطالبؑ سے فرمایا کرتے کہ اس فرزند کی عزت و شان بہت بلند ہے لہٰذا اس کی حفاظت کرنا۔ کیونکہ وہ بے ماں باپ کا تنہا اور اکیلا ہے اس پر مثل ماں کے مہربان رہنا تاکہ کوئی تکلیف اور صدمہ اس کو نہ پہنچے۔ پھر اس کو اپنے کاندھے پر سوار کر کے سات مرتبہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ جب آنحضرتؐ باپ ماں دونوں کی طرف سے یتیم ہو گئے تو حضرت عبدالمطلبؑ کی شفقت و مہربانی آنحضرتؐ پر زیادہ بڑھ گئی۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سینے پر بٹھایا ان کو پیار کرتے اور

روتے تھے، پھر حضرت ابو طالب علیہ السلام کی جانب رخ کر کے بولے اس یگانہ روزگار کی حفاظت و نگہبانی کرنا جس نے باپ کی خوشبو نہیں سونگھی ہے نہ ماں کی شفقت کا لطف اٹھایا ہے اس کو اپنے جگر کا ٹکڑا سمجھنا میں نے اپنے فرزندوں میں اس کی حفاظت کے لئے تم کو منتخب کیا ہے۔ اے فرزند کیا تم نے میری وصیت کو قبول کیا ہے؟ جناب ابوطالب علیہ السلام نے کہا: ہاں! قبول و منظور کیا اور میں نے خدا کو اپنے اس عہد پر گواہ بنایا۔

۴۹۔ حضرت عبداللہؑ

آپ کی پیدائش پر یہود و نصاریٰ کو علم ہو گیا تھا کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پدر بزرگوار پیدا ہو گئے ہیں۔ شام کے یہودیوں کے پاس حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ایک کرتہ تھا جس کے متعلق یہ پیشین گوئی تھی کہ اس کرتے پر خون کے جو دھبے ہیں جب یہ تازہ خون کے دھبے نظر آنے لگیں تو جان لینا کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد دنیا میں آچکے ہیں چنانچہ جس رات کو عبداللہ علیہ السلام کا ظہور نور ہوا اسی رات اس کرتے پر جو سفید صوف کا تھا تازہ خون کے دھبے دیکھے گئے۔ عالم شباب میں حضرت عبداللہ علیہ السلام سے عجیب و غریب علامات ظاہر ہونے لگیں ایک مرتبہ حضرت عبداللہ علیہ السلام نے اپنے والد ماجد سے ارشاد فرمایا کہ بابا جان جب میں بطحا کی طرف جاتا ہوں تو ایک نور میری پشت سے طالع ہو کر دو ٹکڑے ہو جاتا ہے نصف جانب مغرب اور نصف جانب مشرق کی طرف محیط ہو کر بصورت دائرہ آسمان پر یکجا ہو کر بشکل ابر میرے سر پر سایہ کرتا ہے بعدہٗ آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ نور آسمان تک پہنچ جاتا ہے اور واپس آکر میری پشت میں سما جاتا ہے اور جس خشک درخت کے نیچے بیٹھتا ہوں وہ سرسبز ہو جاتا ہے اور جب زمین پر بیٹھتا ہوں تو ایک آواز سنائی دیتی ہے کہ "السلام علیک"۔

بیٹے کا یہ کلام سن کر حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں مبارک ہو تمہارے صلب سے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہور فرمائیں گے کیونکہ میں نے بھی خواب میں دیکھا تھا کہ

میری پشت سے ایک درخت پیدا ہوا اور اس کی شاخیں مشرق سے مغرب تک گئیں اور ایسا نور ساطع ہوا کہ جو ستر آفتاب کی روشنی کے برابر تھا تمام عرب و عجم کے لوگ اس درخت کو سجدہ کرتے ہیں اور گروہ قریش نے اس درخت کو اکھاڑنا چاہا جب نزدیک گئے تو ایک جوان نے ان سب کو بھگا دیا۔ بیدار ہونے پر میں نے اپنا یہ خواب ایک کاہن سے بیان کیا تو اس نے کہا کہ تیری اولاد میں سے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوگا، غرض جس وقت عبدالمطلب علیہ السلام نے زم زم کھدوایا تو اس وقت آپ نے نذر مانی تھی میرے پالنے والے مجھے دس فرزند عطا کر ان میں سے ایک بیٹے کی تیری راہ میں قربانی پیش کروں گا، یہ دعا درگاہِ احدیت میں مستجاب ہوئی اور خدا نے آپ کو دس فرزند عطا کئے چنانچہ آپ نے دس فرزند پیدا ہونے پر قرعہ اندازی کی ایک فرزند کے نام قرعہ ڈالا تو قرعہ حضرت عبداللہ علیہ السلام کے نام نکلا آپ حضرت عبداللہ علیہ السلام کو ہمراہ لے کر مقام قربانی پر پہنچے اور چھری تان کر راہ خدا میں ذبح کرنا چاہا تو بالاتفاق جماعت قریش نے منع کیا کہ جب آپ ایسا عمل کریں گے تو ہمیں بھی آپ کی پیروی کرنی پڑے گی آخر یہ قرار پایا کہ سجاح کاہن جو فیصلہ کردے اس پر عمل کیا جائے چنانچہ سجاح کاہن سے رجوع کیا تو اس نے کہا کہ تمہاری دیت خون مرد کیا ہے؟ بتایا گیا کہ دس شتر اس پر سجاح کاہن نے کہا کہ تم سب خانۂ کعبہ چلے جاؤ اور قرعہ ڈالو اور ہر بار دس شتر بڑھاتے جاؤ تو جتنے شتر کے نام پر قرعہ آئے گا تو اسی قدر شتر قربان کر دینا۔

کاہن سے مشورہ کیوں؟

یہاں یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ ایک کاہن سے مشورہ بھی مصلحتاً کیا گیا تھا ورنہ حضرت عبدالمطلبؑ خود مقام الہام کی منزل پر فائز تھے مشورہ اس لئے کیا گیا کہ بعد کی تاریخ یہ نہ لکھ دے کہ عبدالمطلبؑ نے ایفائے عہد نہیں کیا بلکہ مشورہ کر کے اس دور کے اور بعد میں آنے والے مؤرخین کے لئے بھی حجت قائم کر دی۔

حضرت عبداللہؑ اور امداد غیبی:

غرض حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے اسی طرح عمل کیا تو جب قرعہ شتر کے نام نکلا تو یقین ہوا کہ سو شتر قربان کئے جائیں چنانچہ یکصد شتر قربان کئے گئے اس بناء پر اسلام میں سو شتر انسان کے خون کی دیت قرار پائی۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ علیہ السلام صحرائے لق ودق میں برائے شکار تشریف لے گئے اچانک ستر سوار یہودیوں نے آپ پر حملہ کر دیا کیونکہ یہودیوں کو ابتدا سے اس خاندان سے بغض وعناد تھا حملہ آور یہودی آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے کہ آسمان سے بے شمار سوار ظاہر ہوئے تو سب یہودیوں کو قدرتی سواروں نے قتل کر دیا وہاں ایک راہب یہ واقعہ دیکھ رہا تھا وہ یہ اعجاز دیکھ کر حضرت عبداللہ علیہ السلام کا معتقد ہو گیا اور اپنی دختر آمنہ کا عقد آپ سے کر دیا، ان کے نورِ باطن سے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ گر ہوئے۔(تاریخ الانبیاء انوار الاعجاز وغیرہ)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دنیا میں ظہورِ پُرنور:

ایران میں نوشیروانِ عادل کی حکومت کا بیالیسواں سال تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گزرے ہوئے پانچ سو ستر سال گزر چکے تھے۔ واقعہ فیل کا پہلا سال تھا جمعہ صبح صادق کے وقت شعب ابی طالبؑ میں نورِ ہدایت کا وہ آفتاب طلوع ہوا جو ازل سے روشن تھا اور جس کی روشنی ابد تک پھیلتی رہے گی۔

ہمارے عقیدے میں دودھ صرف جناب آمنہؑ نے پلایا اور اس وقت تک ثوبیہ آپ کی دیکھ بھال کرتی رہیں۔ پھر کچھ دنوں کے لئے حلیمہ سعدیہ کے پاس بھیج دیئے گئے حلیمہ سعدیہ کے بعد اُم ایمن آپ کی نگران ہوئیں۔ آپ کی عمر ابھی بمشکل چھ سال کی ہوگی کہ سایۂ مادری سے محروم ہو گئے اور حضرت ابوطالب علیہ السلام کی رفیقۂ حیات فاطمہؑ بنت اسد نے ماں کی جگہ لے لی جناب فاطمہؑ نے اس دلجوئی سے آپ کی تربیت کی کہ آپ انہیں اپنی سگی ماں سمجھتے رہے۔" ۴ھ میں ان

کا انتقال ہوا تو رسولؐ نے کفن میں اپنی قمیص مبارک پہنائی اور قبر میں لیٹ کر اس کو متبرک کیا۔ لوگوں نے اس عنایت کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابوطالبؑ کے بعد سب سے زیادہ اسی نیک سیرت خاتون کا ممنونِ احسان ہوں"۔

جناب آمنہؑ کی وفات کے سلسلے میں ایک روایت ابونعیم زہری کی سند سے اسماء بنت جرہم سے منقول ہے کہ "اس وقت حضورؐ پانچ سال کے بچے تھے اور اپنی والدہ کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے ان کی وفات کے بعد حضورؐ کی تربیت و کفالت حضورؐ کے دادا حضرت عبدالمطلبؑ نے کی حضرت عبدالمطلبؑ آپ کو اپنے تمام فرزندوں سے زیادہ محبوب جانتے تھے اور کبھی آپ کے بغیر دسترخوان نہ بچھاتے جلوت و خلوت کے تمام اوقات میں حضرت عبدالمطلبؑ کے پاس ان کی مسند پر جلوہ فرما رہتے تھے"۔

آپ کی عمر ابھی آٹھ سال کی تھی کہ دادا کی مفارقت کا صدمہ برداشت کرنا پڑا عبدالمطلبؑ ۱۲۰ سال کی عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور عظیم المرتبت چچا ابوطالبؑ ان کی کمی کو پورا کرنے لگے۔ عبدالمطلبؑ نے مرتے دم وصیت کی تھی۔

"ابوطالبؑ! یہ تیرے حقیقی بھائی کا بیٹا ہے، اسکی حفاظت کرنا اسے
نورِ نظر اور لختِ جگر سمجھنا اس کی خبر گیری میں کوتاہی نہ کرنا جان و مال سے
اسکی اعانت کرنا اور دست و بازو سے تحفظ کرتے رہنا"۔

حضرت ابوطالبؑ نے باپ کی وصیت کا جتنا پاس و لحاظ کیا اس کی شہادت دینے پر دوست و دشمن سب مجبور ہیں اور جی نہ چاہنے کے باوجود بعض مؤرخین کو لکھنا پڑا کہ خدا کے بعد ابوطالبؑ کی پناہ نہ ملتی تو حالات کے دھارے کا رخ کچھ اور ہوتا۔

آنحضرتؐ ابوطالبؑ کی سرپرستی میں:

کہنے کو تو آنحضرتؐ نے صرف دو سال عبدالمطلبؑ کے زیر سایہ گزارے

تھے لیکن حقیقتاً پیدائش کے بعد سے آٹھ سال کی عمر تک عبدالمطلب علیہ السلام ہی آپ کے نگران رہے تھے اوران کے بعد آپ ابوطالب سے مانوس تھے جنہوں نے صحیح معنی میں حق شفقت و بزرگی ادا کردیا اور یتیم بھتیجے کو وہ پیار دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی شخصیت پر ناز ہونے لگا۔ عبدالمطلب کے بعد چاہ زم زم عباس ابن عبدالمطلبؒ کو ملا تھا اور کعبہ کا کلیدی عہدہ جناب ابوطالب علیہ السلام کو ملا تھا۔

حضرت عمران کنیت ابوطالبؑ:

آپ کی ولادت باسعادت ۵۴۰ء مکہ معظمہ میں ہوئی اکثر و بیشتر علمائے کرام کا اتفاق اس پر ہے کہ آپ کا اسم گرامی عمران اور ابوطالب کنیت ہے جو آپ کے فرزند طالب کے نام کی وجہ سے ہے بلکہ ماہرین نسب جمال الدین داؤدی نے بھی عمدۃ المطالب میں اس قول کو نقل کیا ہے یعنی "اَمَّا اِسْمُهٗ فَقِيْلَ اِنَّهٗ عِمْرَانُ" ایک قول یہ ہے کہ آپ کا اسم گرامی عمران تھا اور اس کے علاوہ خداوند عالم نے ان کو اپنے امور خاص کیلئے چن لیا تھا جس کا تذکرہ کلام مجید میں موجود ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ.

(آل عمران ۳۳،۳۴)

اس آیت میں آل عمران سے مراد حضرت ابوطالب علیہ السلام کی اولاد ہیں کہ ابوطالبؑ آپ کی کنیت اور نام عمران تھا جو لوگ اسرائیل عمران مراد لیتے ہیں وہ اسلئے غلط ہیں کہ بنی اسرائیل میں دو عمران تھے ایک عمران کی اولاد تو صرف حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام ہی تھے اور دوسرے عمران کے مریم و عیسیٰ علیہما السلام تھے یعنی دونوں عمران کا سلسلہ نسب ختم ہو گیا اور آیت میں مذکور عمران وہ ہے جس کی اولاد یکے بعد دیگرے بسلسلہ نسب و نسل ہمیشہ قائم رہے گی پس بنی

اسمٰعیل کے عمران مطلبی وہاشمی نسل سے حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام سے لے کر تا حضرت امام مہدی علیہ السلام جو ایک دوسرے کی اولاد ہیں تا قیامت موجود رہیں گے اور ان ائمہ معصومین علیہم السلام کی اولاد کا توشمار ہی نہیں پس یہ آیت اسی مطلبی وہاشمی عمران کے حق میں نازل ہوئی ہے جس کی آل کو مصطفیٰ بنایا گیا ہے دوسری جگہ ارشاد رب العزت ہے:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ (سورۃ البلد ۱،۲،۳)

مجھے اس شہر (مکّہ) کی قسم اور تم اس شہر میں تو رہتے ہو اور باپ اور بیٹے کی قسم۔

یہ ظاہر ہے کہ شہر مکّہ میں اسلام اور رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حامی و مددگار، عمران ابوطالب علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کے سوا اور کون تھا۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملا کر فرماتا ہے کہ مکّہ تمہاری رہائش کی وجہ سے میری قسم کے لائق ہے اور اس کی تائید میں کہ عمران ابوطالب علیہ السلام اور حضرت علی علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر قسم کی نصرت وحمایت کی چنانچہ ارشاد رب العزت ہے:

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى (سورۃ الضحیٰ ۶)

کیا ہم نے تجھے یتیم پا کر پناہ نہیں دی

چھ یا آٹھ سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دادا عبدالمطّلب علیہ السلام کے سایہ میں رہے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر سے دادا کا سایہ بھی اُٹھ گیا، جب حضرت عمرانؑ ابوطالب کی عمر اکتالیس سال کی ہوئی تو ان کے والد ماجد حضرت عبدالمطّلبؑ نے ۵۷۹ء میں وفات پائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقتِ آخر ہاتھ پکڑ کر حضرت ابوطالبؑ کے ہاتھ میں دے کر وصیت فرمائی کہ دیکھو بیٹا اس یتیم محمد بن عبداللہ کی نصرت وحمایت میں دریغ نہ کرنا۔

اس ضمن میں حافظ ابونعیم اصفہانی کتاب دلائل النبوۃ ص ۵۰ پر لکھتے ہیں:

''عبدالمطلبؑ کی وفات کے بعد حضرت ابوطالب علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جن کی عمر صرف آٹھ سال تھی اپنی کفالت میں لے لیا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن کے بعد ابوطالب علیہ السلام ہی کے ساتھ رہتے تھے ابوطالب علیہ السلام گھر بھر میں سب سے زیادہ آنحضرتؐ سے محبت وشفقت فرماتے تھے''۔

تذکرۃ الخواص میں سبط ابن جوزی نے ص ۵ پر لکھا ہے کہ:

''کفار قریش نے جب بسلسلۂ حمایت پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوطالب علیہ السلام کی دینی سرگرمیاں اور ایمانی جوش کا صحیح اندازہ کیا تو سب کے سب حضرت ابوطالب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہم لوگ آج آپ سے آخری فیصلہ کرنے کیلئے جمع ہوئے ہیں یہ تو کسی سے پوشیدہ نہیں کہ آپ کے بھتیجے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمارے اصنام کو برا بھلا کہا ہے ہم کو اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ اور ضعیف الرائے قرار دیا ہے اس لئے ہماری اجتماعی عرض ہے کہ آپ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے سپرد کر دیجئے ورنہ ہمارے اور آپ کے درمیان آتش حرب روشن ہوگی۔ جناب ابوطالب علیہ السلام نے جواب دیا خدا تمہارے دہن کو پارہ پارہ کرے بھلا میں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمہارے حوالے کروں کفارِ قریش نے کہا کہ اچھا تو آپ عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو اپنی خدمت میں لے لیجئے جو تمام قریش میں بہترین جوان ہیں اور اس کے عوض محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے سپرد کر دیجئے تا کہ ہم ان کو قتل کریں اس طرح ہمارا قلب وجگر خنک ہو جائے گا

ابوطالب علیہ السلام نے جھنجھلا کے فرمایا کہ خدا تم سب کو غارت کرے عجیب مشورہ تم نے مجھ کو دیا تم خود غور کرو کہ میں تمہارے لڑکے کو لے کے پالوں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمہارے حوالہ کر دوں کیا اس وقت مجھ سے بدتر کوئی انسان ہوسکتا ہے پھر آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب فرما کر فرمایا: اے محمدؐ! اے جانِ ابوطالب قسم بخدا جب تک ابوطالب میں رمقِ حیات باقی رہے گا کفار قریش تجھ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکیں گے تم بڑے اطمینان کے ساتھ دینِ الٰہی کی تبلیغ میں مشغول ہو جاؤ خدا تجھ کو تبلیغ مبارک کرے اور ہم لوگوں کو خنکیِ چشم کا باعث قرار دے اس میں شک نہیں کہ تیرا پیش کردہ دین تمام ادیان عالم سے افضل و بہتر ہے انجام کار کفارِ قریش نے آپ کا اور تمام بنی ہاشم سے قطع رحم کر کے باہمی اتفاق کیا کہ شادی بیاہ لین دین غرضیکہ جمیع معاملات دنیوی بنی ہاشم سے ترک کر دیئے جائیں اور آخر اس پر عملدر آمد شروع کیا گیا اس عبارت مذکورہ سے دو نکات بالخصوص برآمد ہوتے ہیں

(۱) ایک جماعت ابوطالب کی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے حامی و مددگار تھے۔

(۲) دوسری جماعت مخالف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی دین الٰہی کو ختم کرنے والے تھے۔

یہی جماعت باطل پرست اور جماعت اولیٰ حق پرست جو کہ رسولؐ اور ان کے دین کے محافظ رہے۔

اس موقعہ پر جمال الدین داودی عمدۃ المطالب ص ۶ پر راقم ہیں:

”حضرت ابوطالب علیہ السلام اپنے دیرینہ شرف واوصاف کے ساتھ ساتھ صاحب مناقب کثیرہ اور حامل محامد حمیدہ بھی تھے سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ خداوند عالم نے سرتاج المرسلین حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت وحفاظت نصرت وحمایت کا شرف آپ کو بخشا کفار قریش نے تمام بنی ہاشم سے قطع رحم کر کے شعب ابی طالب میں ان کو محصور رہنے پر مجبور کر دیا اور اس معاہدہ بے تعلقی کے کاغذ کو خانہ کعبہ میں آویزاں کیا نیز باہمی اتفاق کیا کہ جمیع معاملات دنیوی بنی ہاشم سے ترک کر دیئے جائیں چنانچہ اس پر پابندی سے عمل درآمد شروع کیا گیا اس نازک دور میں بھی حضرت ابوطالب علیہ السلام اپنے فرائض نصرت وحمایت نور رسالت بڑی جرأت وہمت کے ساتھ بجالاتے رہے جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعب ابی طالب میں محصور ہوئے تو حضرت ابوطالب علیہ السلام آپ کی نصرت وحمایت کس اہتمام سے فرماتے تھے اس کا صحیح اندازہ علامہ برہان الدین شافعی کی کتاب سیرت حلبیہ جلد اول ص ۲۴۲ سے ہوسکتا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

> حضرت ابوطالبؑ ہر شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے مقررہ بستر پر سلاتے تھے لیکن رات گئے آپ وہاں سے اٹھا کے کسی فرزند کے بستر پر آرام کراتے اور اپنے فرزندوں میں سے کسی کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقررہ بستر پر سلاتے یہ اہتمام اس لئے تھا کہ مبادا کفار قریش شب خون مار کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ گزند نہ پہنچا سکیں“۔

پس آیات و واقعات سے ظاہر ہے کہ چھ یا آٹھ سال کی عمر سے لے کر بعثت کے آٹھویں سال تک یعنی ۴۰ چالیس پینتالیس ۴۵ سال تک حضرت ابوطالب علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی پناہ میں رکھا اور اس طرح کہ اپنی وفات کے دن تک آپ پر کوئی آنچ نہ آنے دی پس یہ آیت "اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی" (الضحیٰ) حضرت ابوطالبؑ کی پوری زندگی کی

مدح میں نازل کی گئی ہے اور اللہ تعالی حضرت ابو طالب علیہ السلام کی حمایت اور پناہ کو اپنی حمایت فرما رہا ہے آخر حضرت ابو طالب علیہ السلام کی وفات ۶۲۰ء میں یعنی ہجرت سے تین سال قبل واقع ہوئی اب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے مصیبتوں اور تکلیفوں کے ہزاروں دروازے بیک لحہ کھل گئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چچا کی وفات کا علم ہوا تو آپ پر بہت گریہ طاری ہوا اور بچشم گریاں انتہائی رنج وملال کا مظاہرہ فرمایا اور فرمایا اے عم نامدار خدا آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے میری تربیت وکفالت ونصرت وحمایت باحسن وجوہ انجام دی اور جنازہ پر بھی یہی کیفیت رہی اللہ کے رسولؐ کی نصرت وحمایت وحفاظت کے جو فرائض حضرت ابو طالب علیہ السلام آخری لحہ حیات بجالاتے رہے اس میں آپ کی زوجہ اور حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کی والدۂ معظمہ حضرت فاطمہؑ بنت اسد بھی برابر کی شریک تھیں بعد وفات حضرت ابو طالب علیہ السلام اللہ کے رسولؐ کو جو کمی محسوس ہونا چاہیے تھی وہ ان معظمہ فاطمہؑ بنت اسد اور ان کے فرزند حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کی جاں فروشیوں کی وجہ سے محسوس نہ ہوسکی۔

چنانچہ محب الدین طبری ذخائر العقبیٰ ص ۵۶ پر لکھتے ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بے شک میرے عم نامدار حضرت ابو طالبؑ کے علاوہ فاطمہؑ بنت اسد سے بڑھ کر احسان مجھ پر کسی کا نہیں بعد وفات فاطمہؑ بنت اسد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ نفسِ نفیس فاطمہؑ بنت اسد کے جنازہ پر نماز پڑھی اور قبرِ اطہر میں اتر کے کچھ دیر آرام فرمایا اور کروٹیں لیں پھر بچشم گریاں فاطمہؑ بنت اسد کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

''مادر گرامی خدا آپ کو جزائے خیر دے بے شک آپ میری بہترین ماں تھیں''۔

اور بقول صاحب کتاب اصابہ جلد نمبر ۴ صفحہ نمبر ۳۶۸ رسول اللہ ﷺ نے اپنا قمیصِ مبارک فاطمہؑ بنت اسد کو بطور کفن مرحمت فرمایا پس صورتِ مرقومہ میں ثابت ہوا کہ حضرت ابو طالب علیہ السلام اور ان کی زوجہ فاطمہؑ بنت اسد اور ان کے فرزند حضرت علی علیہ السلام نے اللہ کے رسول ﷺ کی ابتدائی زندگی سے لے کر آخر تک نصرت وحمایت کر کے اسلام پر احسان عظیم کیا اور دین اسلام کا مقصد نصرت و اتباع رسول خدا ہے اور اگر حضرت ابوطالب علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی نصرت وحفاظت نہ کرتے تو یقیناً شمع رسالت گل ہو جاتی اور آج سوادِ اعظم میں دین اسلام کا تعارف بھی نہ ہوسکتا چنانچہ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے لکھا ہے ''اگر حضرت ابوطالب علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت علی علیہ السلام کی نمایاں شخصیتیں اسلام کا سرمایہ نہ ہوتیں تو دین اسلام کا دنیا میں تعارف بھی نہ ہوتا'' اور شرح ابن ابی الحدید جلد نمبر ۳ صفحہ نمبر ۳۱۷ میں مرقوم ہے:

> ''حضرت ابوطالبؑ نے تو مکہ معظمہ میں قبلِ ہجرت پیغمبر خداؐ کی قابلِ تحسین نصرت وحمایت فرمائی اور ان کے فرزند حضرت علیؑ نے بعدِ ہجرت لشکروں کی صفوں اور موت کی گھنگھور گھٹاؤں میں اتر کے شمع رسالت کو کفر وضلالت کی پھونکوں سے بچایا ہے''۔

اس سے قبل لکھا جا چکا ہے کہ بقول علامہ برہان الدین حلبی شافی کہ جب پیغمبر خدا ﷺ شعب ابی طالبؑ میں محصور ہوئے تو حضرت ابوطالبؑ ہر شب رسول اکرم ﷺ کو اپنے مقررہ بستر پر آرام فرمانے کا حکم دیتے تھے لیکن رات گئے سرور کائنات ﷺ کو وہاں سے اٹھا کر اپنے کسی فرزند کے بستر پر آرام کرا دیتے تھے اور اپنے بیٹوں میں سے کسی کو رسول خدا ﷺ کے مقررہ بستر پر سلا دیتے تھے۔ اہتمام اس لئے تھا کہ مبادا کفار یا مشرکین قریش شب خون مار کے پیغمبر خدا ﷺ کو کچھ گزند نہ پہنچا سکیں یعنی حضرت ابوطالبؑ نے تحفظ رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر عام انسانی فطرت کو بدل دیا اپنے بیٹوں کی محبت پر ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو ترجیح دی کہ اگر میرے بیٹے قتل ہوں تو کوئی فکر نہیں لیکن شمع رسالت کو کوئی بجھا نہ سکے حضرت ابوطالبؑ کی یہ قربانیاں اور شفقتیں اور نصرت وحمایت جملہ کلمہ گویانِ اسلام کے لئے ناقابل فراموشی واحسان ہے بلکہ عالم انسانیت پر اس محسن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احسان ہے کیونکہ اگر حضرت ابوطالب علیہ السلام کی مایہ ناز شخصیت نہ ہوتی تو آغازِ بعثت اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پے بہ پے مشکلات جن سے بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روزانہ دو چار ہونا پڑتا تھا ہرگز حل نہ ہوسکتیں اور دخول دین اسلام کا مقصد نصرت واتباع رسولؐ ہے مگر اموی دل ودماغ اور ان کے حامی یعنی باطل پرستوں کی جماعت میں جہاں صدیوں سے اولادِ ہاشم سے بغض وحسد کی چنگاریاں سلگ رہی تھیں حضرت علیؑ کے پدر بزرگوار کو کس طرح اس خلعت فضیلت کے ساتھ ملبوس دیکھ سکتا تھا یہ گروہ اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے سیّد القریش رئیس البطحیٰ متوتی کعبہ سرپرستِ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عمران ابوطالب علیہ السلام کی شان میں ایسی گستاخی کریں تو کیا تعجب ہے جبکہ وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کو بھی آذر بت تراش قرار دیتے ہیں حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ماجد تارخ تھے نہ کہ آذر اور یہ امر مسلمہ ہے کہ انبیا علیہم السلام کے متعلق صحیح اسلامی عقیدہ یہی ہے کہ انبیاء وائمہ علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور ان کے آبائے طاہرین علیہم السلام مسلم وموحد اور مومن ہوتے ہیں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر حدیث وحی کے مطابق ہوتی ہے فرمایا: "کنت نبیا وآدم بین الماء والطین" "میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان تھے" اور فرمایا: "أنا وعلیاً من نورٍ واحدٍ" "میں اور علیؑ ایک نور سے ہیں" اور فرمایا: "میرا اور علیؑ کا نور چودہ ہزار برس زیر عرش رب العزت کا تسبیح خوان رہا اس کے بعد صلب آدمؑ میں آیا" اسی طرح نور محمدیؐ منتقل ہوتا ہوا صلب عبدالمطلب علیہ السلام میں پہنچا پھر اس نور کے دو حصے ہوگئے ایک حصۂ نور صلب عبداللہ علیہ السلام میں اور دوسرا حصۂ نور صلب ابوطالب علیہ السلام

میں منتقل ہوا اور نورِ محمدیؐ اصلاب و ارحام طاہرہ میں گذرتا رہا یعنی عبداللہ و ابوطالب علیہم السلام طہارت میں ہم مرتبہ ہیں ان میں نجاست کا شائبہ بھی نہیں۔ (کتاب فضائل مرتضوی و مرقع اسلام)

ابوطالبؑ سے حسد:

آیات و احادیث نبوی اور واقعات سے ثابت ہے کہ حضرت ابوطالبؑ خدا کی وحدانیت اور رسالت کے اقراری اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغاز بعثت سے ہر قسم کی نصرت و حمایت وحفاظت آخری لمحۂ حیات تک کرتے رہے اور دخولِ دینِ اسلام کا مقصد نصرت وحمایت و اتباع رسول ہے دراصل بنی امیہ اور ان کے حامی خاندانِ بنی ہاشم سے دو وجوہ سے حسد کرتے چلے آئے کہ بنی ہاشم اپنی نیک نفسی اور شرافت وفضیلت سے عرب کے سردار کیوں تسلیم کر لئے گئے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ جب بنی ہاشم ہی میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان رسالت فرمایا تو بنی امیہ کے دل آگ پر لوٹنے لگے لہٰذا یہ خاندانی دشمنی نہ تھی بلکہ مذہبی عداوت تھی وگرنہ ایک معمولی سمجھ کا انسان اور معمولی مسلمان بھی جانتا ہے کسی مسلمان کا نکاح کافر نہیں پڑھ سکتا تاریخ اسلام کی کتب میں دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت خدیجہؑ بنت خویلد کا نکاح حضرت ابوطالب علیہ السلام ہی نے پڑھا تھا اور ان کا خطبۂ نکاح کتابوں میں مذکور ہے ہم ایسے حاسد اور متعصب لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ فرض کیجئے کہ اگر ایک مولوی یا معمولی مسلمان کسی کے استفسار پر یہ کہہ دے اس کا نکاح پنڈت شنکر لال بنارسی نے پڑھایا ہے تو اس مولوی یا معمولی درجہ کا مسلمان کے اس نکاح کے متعلق کیا فتویٰ ہے جو ایک غیر مسلم نے پڑھایا ہے یقیناً کسی فرقے کا مسلمان ایسے نکاح کو جائز نہیں کہہ سکتا جب ایک عام مسلمان کے حق میں یہ بات سراسر ناجائز اور نامناسب ہے تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں یہ گستاخی کیوں؟ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح معاذ اللہ ایک غیر مسلم بقولے معترضین (ابوطالبؑ) پڑھے حالانکہ تمام مسلمان آپ کو تمام انبیاء مرسلین سے افضل مانتے ہیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے "کُلُّ

مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلیٰ فِطْرَتِ الْاِسْلَامِ ـــ تا آخر" اس حدیث کی رو سے رسول اللہ ﷺ کی ظاہری پیدائش بھی فطرتِ اسلام پر ہوئی اور جس گود میں آپ کی پرورش کا اکثر حصّہ گزرا وہ تھی آغوشِ حضرت ابوطالب علیہ السلام اب جو دین و مذہب رسول خدا ﷺ کا وہی دین و مذہب حضرت ابوطالب علیہ السلام کا اور فرمان نبوی ہے کہ میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں اور یہ نور محمدی ﷺ اصلاب وارحام طاہرہ سے گذرتا رہا پھر پدرِ نورِ اول باعثِ ایجادِ عالم کے حامل ہستیوں کے متعلق یہ تصور کرنا کہ معاذ اللہ وہ مسلمان نہ تھے چاہے وہ رسول ﷺ کے والدین ہوں یا علیؑ کے والدین اور حسبِ مطابق فرمان رسول ﷺ جو کہ حقیقتاً فرمان خداوندی ہے کہ علیؑ نورِ اول ہیں تو جس طرح نجس رحل پر قرآن نہیں رکھا جاسکتا اسی طرح اس نور کیلئے غیر مسلم کا صلب کیسے منتخب کیا جاسکتا ہے لیکن مخالفین کے گروہ نے ہر زمانے میں حقیقی تعلیمات اسلام کے خلاف اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں جیسا کہ اکثر موزخین نے لکھا ہے کہ اگرچہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خدا اور رسول ﷺ کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا اور علیؑ اور اولادِ رسول ﷺ کو چھوڑ دیا۔ ان سے بغض وعناد ونفرت کے بیج بوئے اور دشمنان خدا اور رسول ﷺ کو ان سے بڑھایا گیا۔ جھوٹی حدیثیں وضع کی جانے لگیں جو لوگ کبھی صحبتِ رسول ﷺ میں بیٹھتے بھی نہ تھے یا مدینہ آئے بھی نہ تھے یا جن کا اسلام لانا ابھی تازہ تھا یعنی بعدِ فتح مکہ وہ سب صحابیؑ رسولؐ بن بیٹھے اور ان سے جھوٹی روایات حاصل کر کے جمع کی جانے لگیں۔ لیکن جن کے گھر قرآن نازل ہوا تھا اور جو رسول ﷺ خدا کے ساتھ ۲۳ سال نبوت ورسالت کے پورے وقت اور تا حیات رسول ﷺ کے ساتھ رہے اور جن کی اطاعت کا حکم خدا اور رسولؐ نے دیا انہیں خارجِ ایمان کہنے لگے۔

آبائے رسولؐ متولیانِ کعبہ اور امام بھی تھے

قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے:

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭاِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. ﴿الانفال:۳۴﴾

کیوں نہ ان کو عذاب دیا جائے جبکہ وہ محترم مسجد (بیت اللہ) میں آنے سے روکتے ہیں حالانکہ وہ اس مسجد کے متولی بھی نہیں ہے، اس کے متولی تو متقی ہیں اور اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں بیت اللہ شریف کے متولیوں کو متقی یعنی پرہیزگار قرار دیا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے برسوں قبل اس محترم مسجد کا متولی ہونے کا شرف حضرت ابوطالبؑ کو حاصل تھا اور آپ سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے بھی پہلے اس کے متولی حضرت ابوطالبؑ کے باپ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدِّ امجد حضرت شیبۃ الحمدؑ المعروف حضرت عبدالمطلبؑ تھے جن کے عہد مبارک میں آب زمزم کا چشمہ دوبارہ رواں ہوا تھا اور ابرہہ کی ہلاکت عمل میں آئی تھی جو بیت اللہ شریف کو مسمار کرنے کے لئے لشکر جرار کے ساتھ ہاتھی بھی لایا تھا اور آپ سے پہلے حضرت ابوطالبؑ کے جد امجد حضرت عمرو المعروف حضرت ہاشمؑ کو بیت اللہ شریف کا متولی ہونے کا اعزاز حاصل تھا اور آپ نے ہی بیت اللہ شریف کے حاجیوں کو آسائش و آرام اور طعام و قیام کے خاطر خواہ بندوبست کی ابتداء کی اور قبیلۂ قریش

اور دیگر قبائل عرب کو جو تجارت پیشہ تھے غیر ممالک سے تجارتی مراعات اور سہولتیں دلائیں، قبیلہ قریش میں سے امیہ نے آپ سے حسد کیا اور مقابلہ میں آیا تو اس نے منہ کی کھائی اور آپ یعنی حضرت ہاشمؑ سے پہلے حضرت ابوطالبؑ کے پردادا حضرت مغیرہ المعروف حضرت عبدالمناف جو لوگوں میں قمر البطحٰی سے بھی موسوم تھے اور لوگوں کو خوف خدا رکھنے، صلۂ رحمی کرنے کی نصیحت کرتے اور بت پرستی سے منع فرماتے تھے اور اس اللہ تعالیٰ کے گھر کے متولی تھے اور آپ سے پہلے آپ کے والد اور حضرت ابوطالبؑ کے سگھڑ دادا حضرت قصیٰ بن حضرت کلابؑ اللہ تعالیٰ کے اس دار الحکومت کے متولی تھے اور ان متولیوں کو ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے مندرجہ بالا ارشاد میں پرہیزگار قرار دیا ہے اور ارشاد کے تحت حضرت ابوطالبؑ اور آپ کے مذکورہ بالا آباء و اجداد اللہ تعالیٰ کے مستند پرہیزگار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے (جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے) برگزیدہ ہیں۔ لہٰذا ان پرہیزگاروں کو ہی جنت کا وارث قرار دیتے ہوئے اللہ نے اپنے کلام مبارک میں فرمایا ہے:

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا. (مریم: ۶۳)

یہی وہ جنت ہے جس کا ہم نے اپنے بندوں میں سے ایسے اشخاص کو اس کا وراث قرار دیا ہے جو (مستند) پرہیزگار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی رو سے حضرت ابوطالبؑ اور آپ کے آباء و اجداد جو اللہ تعالیٰ کے مستند پرہیزگار ہیں میں صرف اہل جنت سے ہی نہیں بلکہ جنت کے وارث ہیں، کیونکہ عام پرہیزگاروں کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے۔

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا. (مریم: ۷۲)

پس ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو (یعنی) گنہگاروں کو گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے۔

وراثت ابراہیمیؑ کی منتقلی:۔

اللہ نے حضرت عمران المعروف حضرت ابوطالبؑ کے اجداد حضرت ابراہیمؑ کو اور حضرت اسماعیلؑ کو منصب امامت عطا کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ۔ (البقرۃ:۱۲۴)

اور (اس امر کو پیش نظر رکھو کہ) ابراہیم کے پروردگار نے اس کو اپنے احکام کی تکمیل کے لئے منتخب فرمایا ہے اور اس نے صحیح طور پر انجام دیئے ہیں (اور پروردگار نے اس فرمایا ہے کہ) بلاشبہ میں ہی تجھے نسل انسان کا امام متعین کرنے والا ہوں (کوئی دوسرا نہیں۔ اس پر ابراہیمؑ نے) عرض کیا میری اولاد سے بھی (تو ہی کرے گا) فرمایا (ہاں مگر) میرا یہ عہد ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔

اور حضرت ابراہیمؑ کی اس اولاد کے لئے جس کے متعلق آپ نے دریافت کیا تھا، فرمایا ہے کہ:۔

فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا۔ (النساء:۵۴)

پس ہم نے ابراہیم کی اولاد کو کتاب و حکمت عطا فرما کر ملک عظیم یعنی حق (امامت) عطا فرمایا ہے۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا۔ (النساء:۵۵)

پس بعض لوگ اس حق کو تسلیم کرتے ہیں اور بعض لوگ اس حق کو تسلیم نہیں کرتے اور مزاحم ہوتے ہیں ایسے منکروں اور مزاحم لوگوں کے لئے دوزخ کی آگ کافی ہے۔

اس ملک عظیم کا دارالحکومت حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے ہاتھوں مکہ میں تعمیر کرایا جو بیت اللہ شریف سے موسوم و معروف اور اس کو مخلوق کے لئے موجب برکت اور ذریعۂ ہدایت قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ. فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ۔(آل عمران:۹۶،۹۷)

بلا شبہ پہلی مرکزی عمارت (یعنی دارالحکومت، جو نسل انسان کے لئے بکہ (المعروف مکہ) میں بنایا گیا ہے۔ وہ مخلوق کے لئے موجب برکت اور ذریعۂ ہدایت ہے۔ کیونکہ اس میں ابراہیم کا مقام (یعنی منصب امامت) واضح نشانِ ہدایت موجود ہے۔ جو اس کو تسلیم کرے گا وہ امن پائے گا۔ لہٰذا اللہ نے نسل انسان پر یہ فرض عائد کردیا ہے کہ ان میں سے جو مقدور رکھتا ہو اس کا قصد یعنی حج کرے۔

نیز فرمایا ہے کہ:

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۗ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى۔(البقرۃ:۱۲۵)

اور اس امر کو پیش نظر رکھو کہ ہم نے اس مرکزی عمارت کو نسل انسان

کے مختلف اور متفرق لوگوں کے لئے جمع ہونے رجوع کرنے اور امن کے جگہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا لوگ ہمیشہ کے لئے ابراہیمؑ کے مقام (یعنی منصب امامت) کو اپنی مراجعت اور مقالبت کی جگہ سمجھیں۔

اور حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا ہے کہ:

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔ (الحج: ۲۷)

اور لوگوں کو تو طلب کر کہ وہ اس دارالحکومت کا قصد سفر (حج) کریں اور پیدل چل کر یا اپنی سواریوں کے ذریعہ خواہ وہ کمزور اور تھکے ماندے اونٹ ہی ہوں اور ان کا سفر بھی لمبا ہو تیرے پاس پہنچ جائیں۔

ان نصوص خداوندی کی بنا پر دارالحکومت کی یہ عمارت جو بیت اللہ شریف سے موسوم ہے قبلۂ عالم قرار پائی اور لوگ اطراف عالم سے اس جگہ جمع ہوتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حضور میں حاضر ہو کر اپنے اختلافات اور تفرقہ انگیز اور متنازعہ معاملات پیش کرتے اور ان سے فیصلہ لے کر اس پر عمل پیرا ہوتے اور امن وسکون حاصل کرتے تھے اور یہی اس دارالحکومت کے قصد سفر یعنی حج کا مقصد تھا چونکہ یہ عمارت حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے ملکر تعمیر کی تھی اور اس کو دارالحکومت قرار دیا گیا تھا اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے بہ یک وقت صرف ایک ہی اس کا حاکم اعلیٰ یعنی حضرت ابراہیمؑ کی طرح امام متعین ہوتا تھا مگر حضرت ابراہیمؑ کی اولاد چونکہ دو نسلوں پر مشتمل تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ہی حضرت اسماعیلؑ کو اس دارالحکومت کی نظامت پر متعین فرمادیا۔ تاکہ آپ اپنے باپ کا عہد امامت ختم ہونے پر اس دارالحکومت کے حاکمِ اعلیٰ یعنی امام کا رتبہ حاصل کریں اور حضرت ابراہیمؑ کی دوسری اولاد اس میں خلل انداز نہ ہو۔

اور فرمایا ہے:

وَعَهِدْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِۦمَ وَإِسْمَٰعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِينَ وَٱلْعَٰكِفِينَ وَٱلرُّكَّعِ ٱلسُّجُودِ۔ (البقرة:۱۲۵)

اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکید کی ہے۔ کہ وہ میرے اس گھر (یعنی دارلحکومت) کو اس کا طواف کرنے اور اس میں اعتکاف اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھیں۔

اس نصِ خداوندی کے تحت ابراہیمؑ کا عہد امامت ختم ہونے پر حضرت اسماعیلؑ نے اپنے باپ کے منصب امامت کو ورثہ پدری میں حاصل کیا اور آپ کے بعد اللہ تعالٰی کے مندرجہ بالا ارشاد کے تحت آپ کا یہ منصب آپ کی مسلسل اولاد میں نسلاً بعد نسلٍ یعنی باپ اور بیٹے کے تواتر سے منتقل ہونا مخصوص ہو گیا۔

اور حضرت ابراہیمؑ کی دوسری اولاد یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد حضرت یعقوبؑ (المعروف حضرت اسرائیل) اور آپ کی اولاد جو بنی اسرائیل اور اسرائیل سے موسوم ہے کوئی بھی خلل انداز نہ ہوا اور جب تک اللہ تعالٰی کے مرکزی دارلحکومت کی یہ عمارت جو بیت اللہ شریف سے موسوم ومعروف بنی اسماعیل ماموُر من اللہ ائمہ کے قبضہ میں رہی وہ اس کا قصد سفر کرتے اور ائمہ کے حضور میں حاضر ہوتے رہے۔ کیونکہ توریت کی رو سے بھی حضرت اسماعیلؑ اپنے باپ کے مقام یعنی منصب امامت کے قبل از پیدائش منصوص من اللہ وارث تھے اور آپ کی اولاد کو بھی پشت در پشت کے لئے بڑا آبرومند اور بابرکت فرمانے کا ایک مستقل عہد اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیمؑ سے فرما رکھا ہے جس کا ذکر توریت میں یوں مرقوم ہے۔

"خداوند کا کلام رویا میں ابرام پر اترا اور کہا کہ تو مت ڈر میں تیری سپر ہوں اور تیرا بڑا اجر ہوں۔ ابرام نے کہا اے خداوند تو مجھے کیا دے گا میں تو بے اولاد جاتا ہوں اور میرے گھر کا

مختار دمشقی لیرز ہوگا۔ پھر ابرام نے کہا کہ دیکھ تو نے مجھے فرزند نہ دیا اور دیکھ کہ میرا خانہ زاد میرا وارث ہوگا۔

تب خداوند کا کلام اس پر اترا اس نے کہا کہ یہ تیرا وارث نہ ہونے کا ہے۔ جو تیرے صلب سے پیدا ہوگا وہی تیرا وارث ہوگا۔'' (توریت کتاب پیدائش باب سولہ آیات ایک تا چار)

توریت میں مرقومہ اس ارشاد خداوندی کے تحت حضرت ابراہیمؑ کے مقام یعنی منصب امامت کی وراثت حاصل کرنے کے لئے آپ کی صلبی اولاد کے سوا کوئی دوسرا شخص آپ کے منصب و مقام کو حاصل کرنے کا مجاز نہیں ہے اور توریت میں مرقوم ہے۔

''ہاجرہ ابراہیمؑ کے لئے ایک بیٹا جنی اور ابرام نے اس کا نام اسماعیل رکھا اور جب ہاجرہ سے اسماعیل پیدا ہوا ابرام چھیاسی برس کا تھا''۔ (توریت کتاب پیدائش باب سولہ آیات پندرہ، سولہ)

نیز توریت میں مرقوم ہے:

''جب ابرام ۹۹ برس کا ہوا تب خداوند ابرام کو نظر آیا اور اس نے کہا کہ میں خدا سے قادر ہوں تو میرے ساتھ چل اور کامل ہو اور میں اپنے اور تیرے درمیان عہد کرتا ہوں کہ میں تجھے نہایت ہی بڑھاؤنگا تب ابرام منہ کے بل گرا (سجدہ کیا) اور خدا اس سے ہمکلام ہو کر بولا کہ دیکھ میں جو ہوں میرا عہد تیرے ساتھ یہ ہے۔ کہ تو بہت قوموں کا باپ ہوگا اور تیرا نام ابرام نہ کہلائے گا بلکہ ابرہام ہوگا۔ کیونکہ میں نے تجھے بہت قوموں کا باپ ٹھہرایا ہے، میں تجھے بہت آبرومند کرتا ہوں، قومیں تجھ سے پیدا ہوں گی بادشاہ تجھ سے نکلیں گے اور میں تیرے اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ان کی پشت در پشت کے لئے اپنا عہد جو ہمیشہ کا عہد ہے کرتا ہوں کہ میں تیرا اور تیری نسل کا خدا ہوں گا''۔ (پیدائش باب سترہ آیات ایک تا چار)

توریت کی رُو سے ہی یہ عہد حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پشت

در پشت اولاد کے لئے مخصوص ہے کیونکہ اس میں مرقوم ہے۔

''خدا نے ابرہام سے کہا کہ تیر جوز دسری جو ہے۔ اس کو سری مت کہا کر اس کا نام سرہ ہے اور میں اس کو برکت دوں گا۔ وہ قوموں کی ماں ہوگی۔ ملکوں کے بادشاہ اس سے پیدا ہوں گے۔ تب ابراہام منہ کے بل گرا اور ہنس کر دل میں کہا۔ کہ سو برس کے مرد کو بیٹا ہوگا۔ کیا سرہ جو نوے برس کی ہے بیٹا جنے گی۔ ابراہام نے خدا سے کہا کہ کاش اسماعیل ہی تیرے حضور میں جیتا رہے تب خدا نے کہا بے شک تیری جورو سرہ بیٹا ضرور جنے گی اور اس کا نام اسحاق رکھنا اور میں اس سے اور اس کے بعد اس اولاد سے اپنا عہد جو ہمیشہ کا عہد ہے کروں گا اور اسماعیل کے حق میں، میں نے تیری سنی ہے۔ میں اسے برکت دوں گا اور بہت بڑھاؤں گا۔ (پیدائش باب سترہ آیات پندرہ تا بیس)

توریت سے منقول بالا عبارت شاہد ہے کہ

ا۔ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کے پشت در پشت اولاد کے لئے خدا تعالیٰ نے بڑا آبرومند۔ بابرکت اور بہت بڑھانے کا جو مستقل عہد یعنی ناقابل ترمیم و تنسیخ وعدہ فرمایا تھا۔ وہ تا قیامت حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی مسلسل اور بلا فصل اولاد کے لئے ہی مخصوص ہے اور وہ اولاد ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی موحد ہوگی۔ مشرک نہ ہوگی۔

۲۔ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جس وقت مذکورہ بالا عہد فرمایا تھا۔

اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ننانوے برس اور حضرت اسماعیلؑ کی عمر تیرہ برس تھی جو کہ حضرت ابراہیمؑ کے منصب و مقام کے قبل از پیدائش منصوص من اللہ وارث تھے اور اس بنا پر حضرت ابراہیمؑ کو بہت پیارے تھے۔ اس لئے اس عہد کے ایک برس بعد جب حضرت ابراہیمؑ کی عمر ایک سو برس ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوسرے بیٹے کی بشارت دی۔ مگر اس بشارت سے آپ کو خوش ہونے کی بجائے یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ حضرت اسماعیلؑ کہیں فوت ہو کر آپ کے

منصب ومقام کی وراثت سے محروم نہ ہوجائیں، اس لئے آپ نے بارگاہ خداوندی میں اپنی انتہائی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت اسماعیلؑ ہی زندہ رہے تو اچھا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت سارہؑ سے بھی ایک لڑکا ضرور پیدا ہوگا اور اس کا نام اسحاقؑ رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اور اس کے بعد اس کی اولاد کے ساتھ ایک مستقل عہد فرمائے گا اور حتمی طور پر حضرت ابراہیمؑ کو یہ یقین دلایا کہ حضرت اسماعیلؑ زندہ رہیں گے اور اللہ تعالیٰ اسے بڑا آبرومند اور بابرکت یعنی برگزیدہ فرمائے گا اور بہت ہی بڑھائے گا مگر حضرت اسحاقؑ کی اولاد کو اس عہد میں جو اس بشارت سے ایک برس قبل اسماعیلؑ کی پشت در پشت کے لئے کیا تھا شامل نہیں فرمایا۔ بلکہ حضرت اسحاق علیہ السلام اور احضرت اسحاق علیہ السلام ا کی اولاد سے ایک جدید عہد فرمانے کا اعلان فرمایا ہے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ کے لئے اس عہد کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کو پشت در پشت تا قیامت بڑا آبرومند اور بابرکت یعنی برگزیدہ فرمانا ناگزیر ہے اور اسی عہد کی توثیق وتصدیق کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مبارک میں فرمایا ہے:

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ۔ (آل عمران:۳۳)

بلاشبہ اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی اولاد اور عمران کی اولاد کو اپنی مخلوقات پر برگزیدہ یعنی منتخب و مامور فرمایا ہے۔

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔ (آل عمران:۳۴)

جو مسلسل اولاد ایک سے دوسرا یعنی باپ اور بیٹے کے تواتر سے ہیں اور اللہ ان کی نسبت سنتا اور جانتا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ۔ (السجدۃ:۲۴)

اور ہم نے ان میں سے ائمہ متعین فرمائے ہیں جو ہمارے (عطا کردہ حق)
امر سے ہدایت کرتے ہیں۔ صابر ہیں اور ہماری آیات (یعنی ہدایت کا
ذریعہ ہونے) پر یقین رکھتے ہیں۔

چونکہ یہ دونوں ارشادات باری تعالیٰ جیسا کہ قبل ازیں بیان ہوا ہے اس منصب امامت سے تعلق رکھتے ہیں جو تا قیامت بقا پزیر ہے اور جس پر بہ یک وقت صرف ایک ہی انسان ہوسکتا ہے۔ اس لئے اس کی تعیناتی کا تو پشت در پشت متعین فرمایا جانا ہی لازمی قرار دیا اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد کے لئے جس عہد کا ذکر توریت میں حضرت ابراہیمؑ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ اس کی تصدیق کرتے ہوئے کلام اللہ میں ارشاد ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔(العنکبوت:۲۷)

اور ہم نے اس (ابراہیم) کو اسحاق اور یعقوب بخشے اور ان کی اولاد کو نبوت
اور کتاب عطا فرمائی اور اس دنیا میں بھی اجر دیا اور آخرت میں بھی صالحین
سے ہونگے۔

امامت نسلِ اسمٰعیل علیہ السلام کے لئے:

چونکہ نبوت اور رسالت اللہ تعالیٰ کے نظام حکومت کا ایک غیر مستقل اور سفارتی ادارہ تھا اور سفارتی ادارہ میں بیک وقت ایک سے زیادہ انبیاء اور مرسلین کی بعثت کی ضرورت بھی ہوسکتی تھی اس لئے ان کی بعثت میں باپ اور بیٹے کے تواتر کو لازمی قرار نہ دیا گیا مگر یہ مناصب بلاشبہ آنحضرتؐ کی بعثت سے قبل تک حسب ضرورت حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد کے لئے ہی مخصوص رہے ہیں حتیٰ کہ ان کی سفارت کی ضرورت اللہ تعالیٰ کو نہ رہی تو ان میں سے اس بعثت کا

سلسلہ ختم فرمادیا۔ مگر حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں منصب امامت پر فائز و متمکن فرمانے کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ حتیٰ کہ یہ سلسلہ حضرت عمران المعروف حضرت ابوطالبؑ تک پہنچا جو کہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کے دور انتخاب من اللہ کے آخری امام تھے اور آپ کے عہد امامت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کلام اللہ میں مذکور، دعا کے تحت بنی اسماعیل میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت عمل میں آئی اور آنحضرتؐ کے بعد منصب نبوت اور منصب رسالت کے اختتام کا اعلان فرمادیا گیا اور آنحضرتؐ کے رسالت پر ایمان رکھنے والوں کے لئے بنی اسرائیل کے انبیاء اور مرسلین کی صداقت اور بعثت پر عین اسی طرح سے ایمان رکھنے کا حکم دیا۔ جس طرح کہ آنحضرتؐ کی صداقت اور بعثت پر ایمان رکھنے کا حکم ہے۔ یہ تو تھا ان کا اس دنیا میں اجر اور آخرت میں تو وہ صالحین میں سے ہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مبعوث فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ ہونے کے بناء پر ان کی معصومیت میں شک نہیں ہوسکتا۔

مامور من اللہ امام ہی امت مسلمہ، خیر امت اور امتِ وسطا کی حیثیت رکھتا ہے۔

مامور من اللہ شخص اللہ تعالیٰ کے نظام حکومت کے دارہ انتظامیہ وعدلیہ کا سربراہ اور حاکم اعلیٰ ہوتا ہے، اس لئے اس مامور من اللہ امام کو اللہ تعالیٰ نے خیر امت اور امت وسطا قرار دے کر ان سے فرمایا ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔ (آل عمران ۱۱۰)

تم وہ بہترین امت (یعنی مخصوص شخصیت) ہو جسے نسل انسان کی فلاح کے لئے اس میں سے نمایاں فرمایا گیا ہے تم نیک اعمال کرنے کا حکم دیتے

اور برائی سے منع کرتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۤءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (البقرۃ:۱۴۳)

اور ہم نے تم کو امت وسطا (یعنی ایسی مخصوص شخصیت) قرار دیا ہے (جو خالق ومخلوق کا درمیانی رابطہ ہے) تا کہ تم نسل انسان پر گواہ ہوں اور رسول تم پر گواہ ہوں۔

اور حضرت ابراہیمؑ کو امام الناس کی حیثیت سے ایک امت یعنی مخصوص شخصیت قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (النحل۔۱۲۰)

بلا شبہ ابراہیمؑ ایک امت (یعنی مخصوص شخصیت) اور اللہ کا مخصوص فرمانبردار (یعنی مسلم) ہے اور مشرکوں میں سے نہیں۔

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

(النحل:۱۲۱)

اس (اللہ) کی نعمتوں کا شکر گزار ہے۔ اللہ نے سیدھی راہ چلایا ہے۔

وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔

(النحل۔۱۲۲)

اور ہم نے اس کو دنیا میں خیر وخوبی عطا کی ہے اور وہ آخرت میں صالحین میں سے ہی ہوں گے۔

اور حضرت ابراہیمؑ کے منصب نبوت کے ورثاء کے لئے جس پر کہ آپ منصب امامت

پر فائز و متمکن ہونے سے قبل مبعوث تھے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا.

(المریم ۴۱)

اور کتاب میں ابراہیم کا ذکر کرو جو بلاشبہ ہمارا سچا نبی ہے۔

فرمایا ہے:

وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ. (العنکبوت: ۲۷)

اور ہم نے اس (ابراہیمؑ) کو اسحاق اور یعقوب بخشے اور ان کی اولاد کو نبوت اور کتاب عطا فرمائی ہے اور اس دنیا میں بھی اجر دیا ہے اور آخرت میں بھی صالحین میں سے ہوں گے۔

اور آپ کے منصب امامت اور امت کی حیثیت کے تاقیامت ورثاء کے لئے فرمایا ہے:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ.

(الأنبياء ۷۳)

اور ہم نے انہیں ائمہ قرار دیا ہے جو ہمارے امر (یعنی مخصوص حکم) سے ہدایت کرتے ہیں اور ہم ان کو نیک اعمال۔ قیام صلوٰۃ اور ادائیگی زکوٰۃ کی (ہدایت دینے کی) وحی کرتے ہیں اور وہ ہمارے عبادت گزار ہیں۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ. (الأعراف ۱۸۱)

اور وہ ہماری مخلوقات میں ایک امت (یعنی مخصوص شخصیت) ہیں جو حق (امامت) سے ہدایت کرتے اور حق (امامت) سے عادلانہ فیصلہ کرتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ

(الحج۔۴۱)

اور ہم ان کو اس دنیا میں جب بھی تمکنت دیتے ہیں تو یہ قیامِ صلوۃ ادائیگی زکوٰۃ اور نیک عمل اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور یہ امور اللہ کے اختیار میں (یعنی ذمہ) ہیں۔

مندرجہ بالا ارشادات خداوندی سے مامور من اللہ امام زمانہ کو ہی امت مسلمہ، خیر امت اور امت وسطا کی حیثیت حاصل ہوتی ہے جو قیامت کے دن لوگوں کے اعمال کا گواہ ہوگا اور رسولؐ اس پر امر کے گواہ ہوں گے اور انہوں نے اپنے عہد میں ان ائمہ سے لوگوں کو متعارف کرانے اور ان کی فرمانبرداری اور نافرمانی کے نتائج سے آگاہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا امام چونکہ نسل انسان کے اعمال پر گواہ ہونگے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسان کو قیامت کے دن کسی نبی یا رسول اور کسی کتاب اور اعمال نامہ وغیرہ کے ساتھ پکارے جانے کے بجائے ہر شخص کو اس کے امام زمانہ کے ساتھ پکارے جانے کا اعلان فرماتے ہوئے فرمایا ہے:

یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ یَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا۔ (الاسراء۔۷۱)

ہم قیامت کے دن کل انسانوں کو ان کے امام زمانہ کے ساتھ پکاریں گے

جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ خوش وخرم ہوگا اور اس پر سوت کے برابر بھی ظلم (یعنی بار گناہ) نہ ہوگا۔

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا۔

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا۔

(الإسراء ۷۲)

اور جو اس دنیا میں اندھا (یعنی شناخت امام سے محروم) ہوگا وہ اس روز بھی اندھا اور راستہ سے بھٹکا ہوا (یعنی گمراہ) قرار پائے گا۔

اور یہی اعلان عالم تکوین میں ان ارواح سے جو وجود انسان میں آ کر اس دنیا میں قیامت تک عمل پیرا ہونے والی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى۔

(طٰہٰ ۱۲۳)

(اللہ نے) فرمایا تم سب کے سب یہاں سے نیچے اترو (یعنی عالم ارواح سے دنیا میں وجود انسانی اختیار کرو) تم میں بعض بعض کے (یعنی ایک دوسرے کے) دشمن ہیں تمہارے پاس میری ہدایت آیا کرے گی۔ جو اس ہدایت پر عمل پیرا ہوگا وہ نہ تو گمراہ ہوگا اور نہ ہی کسی تکلیف میں پڑے گا۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى۔ (طٰہٰ: ۱۲۴)

اور جو میری آیات (ہدایات کے ذرائع) سے انکار کرے گا اس کی زندگی (اس دنیا میں بھی) تنگ یعنی تکلیف میں گزرے گی اور قیامت کے دن ہم

اسے اندھا قرار دیں گے۔

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى.

(طه:١٢٦)

وہ کہے گا کہ تو نے مجھے کیوں اندھا قرار دیا ہے میں تو وہاں دیکھتا بھالتا تھا۔

وَ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى.(طه:١٢٧)

(جواباً اللہ) فرمائے گا کہ تیرے پاس ہماری آیات (یعنی ہدایت کے ذرائع) آئے مگر تو نے ان سے منہ موڑ لیا اور انہیں نظر انداز کر دیا۔ لہٰذا آج ہم بھی تجھے نظر انداز کرتے ہیں۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کے مندرجہ بالا ارشادات کے تحت مامور من اللہ امام جو کہ لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت ہے اور اس کی شناخت ہر بشر کے لئے ناگزیر ہے۔اس لئے اس دنیا میں اس کی موجودگی بھی ناگزیر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی لئے فرمایا ہے کہ۔

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْ خَلَتِ الْاَرْضُ مِنْ اِمَامٍ سَاعَةً لَمَادَتْ بِاَهْلِهَا.

امام اس دنیا میں اگر ایک لمحہ کے لئے بھی موجود نہ ہو تو دنیا اور اس کے مکین سب کے سب متزلزل ہو جائیں۔

اور اس مامور من اللہ امام کی شناخت چونکہ ہر بشر کے لئے ناگزیر ہے۔ اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شناخت امام کے بغیر زندگی بسر کرنے والوں کو جاہلیت میں مبتلا قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جاہلوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔جیسا کہ ارشاد ہے:

مَنْ لَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ فَقَدْ مَاتَ مِيْتَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَ

الْجَاهِلُ فِی النَّارِ.

جو شخص اپنے امام زمانہ کو شناخت کئے بغیر مر جاتا ہے۔ اس کی زندگی جاہلیت میں بسر ہوئی اور جاہلوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

اور اگر کوئی شخص اپنے امام زمانہ کی پہچان تو رکھتا ہے مگر اس سے اپنی وفاداری کا عہد و پیاں نہیں کرتا اور مر جاتا ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھی جاہلوں کے زُمرے میں شمار کرتے ہوئے فرمایا ہے:

مَنْ مَّاتَ وَلَيْسَ فِیْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةَ الْجَاهِلِيَّةِ.

(صحیح مسلم)

جس شخص کی گردن میں بیعت امام کا قلادہ نہیں ہوتا اور مر جاتا ہے تو اس کی موت جاہلیت میں واقع ہوئی ہے۔

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عہد کے لوگوں کو یہ ہدایت فرمائی:

ان الله یرضی لکم ثلثاً ان تعبدوه ولا تشرکوا به شیئا وان تعتصمو بحبل الله جمعیاً و لاتفرقوا و تناصحوا من ولاه الله امرکم۔ (صحیح مسلم)

بلاشبہ اللہ کی رضا جوئی کے لئے تمہیں تین امور پر کاربند ہونا ازبس ضروری ہے۔ اول یہ کہ اللہ کی اطاعت میں کسی دوسرے کو شریک نہ سمجھو، دوئم یہ کہ تم اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑو اور کبھی اس سے علیحدہ نہ ہو، سوئم یہ کہ اللہ نے جس شخص کو تمہاری امامت کے لئے مامور فرمایا ہو ہمیشہ اس کے وفادار رہو۔

اس ارشاد سے یہ حقیقت بھی عیاں ہے کہ امام مامور من اللہ ہوتا ہے اور اس مامور من

اللہ امام کی فرمانبرداری اور نافرمانی کو ہی اللہ اور رسولؐ کی فرمانبرداری اور نافرمانی قرار دیا جاتا ہے جیسا کہ روایت ہے:

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من اطاعنی فقد اطاع الله ومن اطاع الامام فقد اطاعنی ومن عصانی فقد عصی الله ومن عصی الامام فقد عصانی۔(صحیح مسلم)

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ جس نے امام کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امام کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ بالا تمام ارشادات جو آنحضرتؐ نے اپنے زبان مبارک سے اس وقت بیان فرمائے ہیں جبکہ آنحضرت ﷺ بالمشافہ اس دنیا میں موجود تھے اس لئے ان ارشادات سے یہ ظاہر ہے کہ اس وقت بھی اور اس سے پہلے بھی حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مسلسل اولاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب امامت پر فائز و متمکن فرمائی جارہی تھی اور امام چونکہ بہ یک وقت صرف ایک ہی ہوتا تھا اور اس کی شناخت و بیعت ہر بشر کے لئے لازمی تھی اور امام کی شناخت کا لازمی ہونا اس امر کی دلیل بھی ہے کہ امام کو جمہور متعین نہیں کرتی بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب و مامور ہوتا ہے۔ کیونکہ جمہور کی طرف سے تو جو شخص بھی متعین کیا جاتا ہے وہ تو اس کا جانا پہچانا ہوتا ہے اس صورت میں اس کی شناخت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسے امام کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت کے مطابق فرض ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جمہور کے طریقہ انتخاب سے تو جو شخص بھی منتخب ہوگا وہ اکثریت کے انتخاب سے ہوگا اور اس لئے وہ اکثریت کے اوصاف یا برائیوں

میں ان سے بڑھکر ہوگا اس اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کی طرح امام کا انتخاب بھی اپنے ذمہ ہی لیا ہوا ہے اور لوگوں کو اس کے انتخاب کا حق نہیں دیا۔ جیسا کہ اپنے کلام میں فرمایا ہے:

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ (القصص-۷۰)

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو اس دنیا اور آخرت میں قابل تعریف اور حاکم اعلیٰ ہے اور جس کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ وَيَخْتَارُ ۭ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ (القصص-۶۸)

اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے (تمہاری رہبری کے لیے) برگزیدہ فرماتا ہے مخلوق کو (اس کا) حق انتخاب حاصل نہیں ہے اور جو اس حق انتخاب میں اللہ کا شریک بنتے ہیں۔ اللہ ان سے مبرا اور بالاتر ہے۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ۔ (الحج:۷۵)

اللہ ہی فرشتوں اور انسانوں میں سے جس کو چاہتا ہے برگزیدہ یعنی منتخب و مامور فرماتا ہے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔

(الانعام-۲۴)

اور اللہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کے احکام پہنچانے کے لیے کون سا انسان موزوں اور بہتر ہے۔

اَللّٰهُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَهۡدِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ یُّنِیۡبُ.

(الشوری-۱۳)

اللہ جس کو چاہتا ہے۔ اپنی قربت کا شرف عطا فرماتا ہے اور اس (قریبی)
کے ذریعے اپنی ہدایت کی راہ دکھاتا ہے۔

اور اس قریبی کو اپنی قربت کا حاصل کرنے کا ایک مخصوص وسیلہ یعنی ذریعہ قرار دیتے
ہوئے ایمانداروں سے فرمایا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ
وَجَاهِدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِهٖ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ. (المائدة:۳۵)

اے ایماندارو! اللہ سے ڈرو اور اس (اللہ) کی قربت حاصل کرنے کے
لئے وسیلہ تلاش کرو اور اس کی تلاش میں جدوجہد جاری رکھو حتیٰ کہ تم کامیاب
ہو جاؤ۔

بعض لوگ اللہ کی قربت حاصل کرنے کے لئے جن لوگوں کو وسیلہ سمجھتے اور بیان کرتے
ہیں ان وسائل کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ یَبۡتَغُوۡنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الۡوَسِیۡلَةَ اَیُّهُمۡ
اَقۡرَبُ (الإسراء:۵۷)

بعض لوگ اپنے رب کی قربت حاصل کرنے کے لئے جن کو وسیلہ سمجھتے
اور بیان کرتے ہیں وہ تو خود اس وسیلہ کی تلاش میں رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا
مقرّب ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے اللہ کے قریبی کی نشاندہی فرماتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

انّ احبّ الناس الی اللہ یوم القیامة واقربھم منه مجلساً

امام عادلؑ

قیامت کے دن اللہ کا محبوب اور مقرب ترین انسان امام عادل ہوگا۔

اور یہ امام عادل ہی قرآن اور حدیث کی رُو سے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نظامِ حکومت کے مستقل ادارۂ انتظامیہ وعدلیہ کا سربراہ اور حاکمِ اعلیٰ ہوتا ہے اور اسی حاکمِ اعلیٰ کا ہی صدر مقام مکّہ میں بنایا گیا تھا جو کہ بیت اللہ شریف سے موسوم ومعروف ہے اور یہ مقام حضرت ابراہیمؑ کا عہد امامت ختم ہونے پر مندرجہ بالا نصوص خداوندی کے تحت حضرت اسماعیلؑ کی تحویل میں آیا اور آپ حضرت ابراہیمؑ کے مقام یعنی منصب امامت پر فائز و متمکّن ہوئے آپ کے عہد امامت میں یہ عمارت مندرجہ بالا نصوصِ خداوندی کے مطابق قبلۂ عالم تھی اور اطراف عالم سے آپ کے حضور میں مختلف اور متفرق لوگ حاضر ہوکر اپنے اختلافی مسائل اور متنازعہ معاملات پیش کرتے اور آپ کے حضور میں اپنی نذر و نیاز جو کہ انہوں نے اپنی مرضی سے اپنے اوپر واجب الادا ہوتی ادا کرتے اور آپ کی دعا و برکات سے مستفید ہوتے اور گناہوں کی آلودگی سے پاک ہوتے تھے۔

نسلِ اسماعیلؑ کی کعبے سے ہجرت اور واپسی:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد چند پشتوں تک تو یہ دستور العمل جاری رہا۔ مگر جب بنی جرہم نے بنی اسماعیلؑ کے مامور من اللہ ائمہ سے اپنی مادّی قوتوں کی بنا پر یہ عمارت چھین لی اور اس کو اللہ تعالیٰ کے دار الحکومت کی بجائے اپنے ذاتی مفاد ومقاصد کے لئے زیارت گاہ اور مشرکانہ عبادات کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا تو بنی اسماعیل کے ائمہ یہاں سے ہجرت کر کے ارض مقدس میں جا بسے۔ جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام وغیرہ انبیاء ومرسلین پہلے ہی آباد تھے۔ ائمہ کا عدالتی نظام بامر اللہ بطور خلفیہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمانؑ کے سپرد ہوا اور حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ نے فرمایا:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. (ص:۲۶)

اے داؤد ہم نے تم کو اس زمین کے لئے خلیفہ بنایا ہے تا کہ تو لوگوں میں انصاف کرو، فریقین کی خواہش کی پیروی نہ کرنا، ایسا نہ ہو کہ وہ تجھے اللہ کے راستہ (یعنی عدل وانصاف) سے بھٹکا دیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس دارالحکومت میں چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام یعنی منصب امامت موجود نہ تھا جس کی بناء پر یہ عمارت مخلوق کے لئے موجب برکت اور ذریعہ ہدایت تھی اور اس کا قصد سفر یعنی حج نسلِ انسان کے مقدور رکھنے والے لوگوں پر فرض تھا۔ اس لئے اب لوگ اس عمارت کا قصد سفر کرنے کے بجائے فیوضِ امامت سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے ارضِ مقدس میں اپنے ائمہ کی جائے سکونت پر حاضر ہونے لگے، جہاں ان ائمہ کا عدالتی نظام بھی بوساطتِ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام جاری تھا۔ اس لئے وہاں بیت اللہ المقدس کے نام سے ایک عمارت تعمیر کی گئی اور اس کو قبلۂ عالم قرار دیا گیا اور اطراف عالم سے اہل ایمان جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین یعنی دستور العمل کے پابند تھے وہاں جاتے اور اپنے ائمہ کے حضور میں حاضر ہو کر فیوض امامت سے بہرہ اندوز ہوتے تھے۔

چونکہ مامور من اللہ ائمہ اس امر سے بے خبر نہ تھے کہ ان کا اس ارض مقدس میں قیام عدالتی نظام وغیرہ سب عارضی ہے اور بالآخر انھیں مکہ کی عمارت کو ہی مرکزی دارالحکومت اور قبلہ عالم قرار دینا ہے۔ اس لئے وہ بظاہر امور عدالت وغیرہ میں بذات خود حصہ نہ لیتے تھے اور بوقت ضرورت بحیثیت امام ہدایت جاری کرتے رہتے تھے اور بنی اسرائیل کے انبیاء و مرسلین پر انہیں فوقیت حاصل تھی اور اس فوقیت اور برتری کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت

سلیمان علیہ السلام کے عہد کا اپنے کلامِ مبارک میں بیان فرمایا اور قرآن میں یوں مرقوم ہے:

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ۔(النمل:۳۸)

سلیمان نے اہل دربار سے کہا کہ تم میں کوئی ایسا ہے جو اس سے قبل کہ وہ لوگ (یعنی ملکہ سباء اور اس کے درباری) میرے مطیع ہو کر میرے پاس آئیں ملکہ کا تخت میرے پاس لے آئے۔

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ۔(نمل-۳۹)

جنات میں سے ایک قوی ہیکل جن نے کہا کہ میں آپ کا دربار برخواست ہونے تک تو لا سکتا ہوں، کیونکہ مجھے ایسی قوت حاصل ہے اور میں امین بھی ہوں۔

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۚ۔(النمل-۴۰)

ایک شخص نے جو علم الکتاب رکھتا تھا کہا کہ میں وہ تخت آپ کے آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے رکھ دیتا ہوں۔ جب سلیمان نے وہ تخت دیکھا تو کہا کہ یہ تو میرے رب کا فضل ہے اور میری آزمائش ہے کہ میں شکر گزار ہوتا ہوں یا کافر۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ۔

(ص،۳۴)

اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کو پورا کیا اور اس تخت کا جسد (یعنی بے جاں

وجود) اس (سلیمان) کے تخت پر رکھ دیا، اور پھر وہ اس طرف متوجہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات سے نہ صرف بنی اسماعیلؑ میں سے مامور من اللہ ائمہ کی وہاں موجودگی کا ہی پتہ چلتا ہے۔ بلکہ یہ ارشادات بنی اسماعیلؑ کے ائمہ کی بنی اسرائیل کے انبیاء اور مرسلین پر فوقیت کو بھی عیاں کرتے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کے رو سے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کو علم الکتاب وراثت میں حاصل ہوا۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ:

فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا. (النساء ۵۴)

''ہم نے ابراہیمؑ کو کتاب وحکمت عطا فرما کر ملک عظیم بخشا ہے''۔

یعنی اس کائنات پر فرمانروائی کا حق دیا ہے۔

نیز ارشاد ہے کہ:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا.

(الفاطر ۳۲)

پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث قرار دیا ہے۔ جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ یعنی منتخب و مامور فرمایا ہے''۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے تحت کہ:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ. (آل عمران ۳۳)

بلاشبہ اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی اولا کو اور عمران کی اولاد کو اپنی مخلوقات پر برگزیدہ فرمایا ہے۔

ذُرِّیَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ.

جو مسلسل اولاد ایک سے دوسرا یعنی باپ اور بیٹے کے تواتر سے ہیں۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ. (سجدہ ۲۴)

اور ان میں سے ہم نے ائمہ کا متعین فرمائے ہیں جو صابر ہیں اور ہماری آیات (یعنی ہدایات کا ذریعہ ہونے) پر یقین رکھتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے مخلوقات پر فرمانروائی کا حق ان ائمہ کو ہی حاصل ہے۔ جو منصب امامت اور علم الکتاب کو ورثۂ پدری میں حاصل کرتے ہیں۔ بلاشبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری اولاد سے بھی جو بنی اسرائیل موسوم ہیں۔ بہت سے انبیاء اور مرسلین کو بھی اللہ تعالیٰ نے منتخب مامور (یعنی برگزیدہ) فرمایا ہے اور ان کو علم الکتاب بھی بخشا ہے، مگر ان کو یہ علم الکتاب اور منصب نبوت موروثی حق کے طور پر منتقل نہیں ہوا۔ بلکہ انہیں تقاضۂ وقت کے تحت عطا ہوتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی رو سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں دو شخص ایسے موجود ہیں جو علم الکتاب بھی رکھتے ہیں اور فرمانروائی کے تخت پر بھی جلوہ افروز ہیں اور جنات تک آپ کے ماتحت ہیں اور دوسرا علم الکتاب رکھنے والا وہ شخص موجود ہے جو بظاہر تو بے سروسامان ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اسے کائنات پر فرمانروائی کا حق عطا کر رکھا ہے۔ اس لئے اس نے جونہی یہ الفاظ منہ سے نکالے کہ میں آنکھ جھپکنے سے پہلے وہ تخت آپ کے سامنے رکھ دیتا ہوں وہ تخت وہاں موجود ہو گیا۔ چونکہ یہ ملک عظیم اور حق فرمانروائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض ہوتا ہے، اور اسی حق امر سے ہی تمام امور طے پاتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی اس اعجاز نمائی کو اپنے ساتھ منسوب فرما کر بیان کیا ہے تاکہ یہ اعجاز کسی انسانی وجود کا نہ سمجھا جائے۔ بلکہ یہ اعجاز اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ حقِ امر کا ہی متصور رہو۔ جو بنی اسماعیل کے ائمہ کو موروثی حق کے طور پر حاصل ہوتا ہے۔

مکہ کی حالت:

مکہ سے بنی اسماعیلؑ کے مامور من اللہ اماموں کی ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس دارالحکومت کی عمارت جو بیت اللہ شریف سے موسوم ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دارالحکومت یعنی اللہ کا گھر اور دنیا بھر کے بسنے والے متفرق اور مختلف لوگوں کے جمع ہونے اور اپنے معاملات کو امام الوقت سے رجوع کر کے عدالتی فیصلے حاصل کرنے یا دوسرے امور میں ہدایت لینے کی جگہ اور امن کا مقام نہ رہی تھی بلکہ بنی جرہم اور بنی خزاعہ کے عہد میں یہ ایک زیارت گاہ، بت خانہ اور قبیح اور مذموم افعال کی جگہ بن چکی تھی کیونکہ اس عمارت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ مقام یعنی منصب امامت جو ذریعہ ہدایت اور موجب برکت تھا موجود نہ تھا اور اہل عرب کی بھاری اکثریت مدتوں ائمہ اور امت مسلمہ کی قیادت سے محروم ہونے کی بنا پر مکمل طور پر جاہلیت میں مبتلا ہو چکی تھی اور اب یہاں خدا پرستی کی بجائے بت پرستی ہو رہی تھی اور اہل عرب جس طرح بتوں کی پوجا کرنے لگے تھے وہ نہایت شرمناک غیر مہذبانہ تھا کیونکہ وہ جب کسی بت خانہ میں یا اس بیت اللہ کی عمارت میں جو اس وقت بت کدہ بنی ہوئی تھی بتوں کی پوجا کے لیے آتے تھے تو لباس کو ہر قسم کے گناہوں سے آلودہ سمجھتے ہوئے بدن سے اتار کر برہنہ ہو جاتے اور برہنہ ہو کر اس کا طواف کرتے فحش گیت گاتے اور شعر پڑھتے تھے۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور ان عورتوں سے مقاربت کرنے سے باز نہ آتے تھے جن سے نکاح بھی جائز نہ تھا۔ مگر اس کے باوجود عرب میں دینِ ابراہیمؑ کلی طور پر مفقود نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کا نظام حکومت برابر کارفرما تھا۔ صرف لوگوں کی بھاری اکثریت اس سے منحرف ہو چکی تھی اور اس انحراف کی وجہ سے جاہلیت میں مبتلا تھی اور بہت تھوڑے سے لوگ دین ابراہیمؑ کے پابند اور اپنے ائمہ کی قیادت و رہبری میں زندگی بسر کر رہے تھے۔

جب نسلِ اسماعیل علیہ السلام میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب رسالت پر مبعوث

ہونے کا وقت آیا تو بنی اسماعیلؑ کے امام حضرت قصیٰ بن حضرت کلابؑ نے دوبارہ اس عمارت بیت اللہ پر قبضہ کر لیا۔ مگر اس عمارت کو اس وقت پورے طور سے اللہ تعالیٰ کے دارالحکومت میں تبدیل کرنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ حضرت قصیٰ علیہ السلام کا اپنا خاندان بھی حسد کرتے ہوئے دشمن تھا۔ علاوہ ازیں:

ا۔ بنی جرہم کا قبیلہ بھی مکہ میں موجود تھا۔ جو ایک لمحہ کے لئے یہ برداشت نہ کر سکتا تھا کہ اس عمارت پر بنی اسماعیلؑ کے ائمہ کا قبضہ اور تسلّط ہو۔

۲۔ اہل عرب کی بھاری اکثریت ہزاروں برس سے قبیلہ جرہم اور قبیلہ خزاعہ کے زیرِ تسلّط اس عمارت کو محض زیارت گاہ اور بت خانہ کے طور پر استعمال کر رہے تھے اور ان کے لئے اپنے کرتوتوں کے لئے ہی یہ جگہ مخصوص تھی اور وہ اس حقیقت کو کلّی طور پر بھول چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عمارت کو اس دنیا میں اپنا نظام حکومت چلانے کے لئے تعمیر کرایا تھا اور اس نظام کے حاکمِ اعلیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مسلسل اولاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہوتے ہیں اور ہر بشر کے لئے ان کی جان پہچان اور ان سے عہد وفاداری اور اطاعت و فرمانبرداری لازم ہے اور ان کی قیادت و رہبری میں نسلِ انسان کی بہبودی کا راز مضمر ہے۔

۳۔ ائمہ کی جماعت بہت ہی قلیل تھی اور وہ مختلف مقامات میں رہتی تھی اس لئے وہ بھاری اکثریت پر قابو نہیں پا سکتے تھے۔ اس کے علاوہ **لا اکراہ فی الدّین** کے کلیہ کے تحت جنگ و قتال بھی جائز نہ تھا۔ ان وجوہات اور بعض دیگر مصلحتوں کے پیش نظر انہوں نے اس عمارت کو توجوں کا توں رہنے دیا اور اس کے ساتھ ہی دارالندوہ کے نام پر ایک نئی عمارت تعمیر کرائی اور اس کو قصر حکومت کے طور پر استعمال کیا اور ان تمام فرائض منصبی کو جو اس پر عائد ہوتے تھے اب اعلانیہ طور پر ادا کرنا شروع کر دیا تا کہ اس دینِ ابراہیم کی اہل عرب میں تکرار و ترویج مکمل ہو جس کو کہ اہل عرب اکثر و بیشتر بھول کر جاہلیت میں مبتلا تھے الغرض حضرت قصیٰ بن حضرت

کلابؑ سے لے کر حضرت عمران المعروف حضرت ابوطالبؑ تک مکہ میں دین ابراہیمؑ کی ترویج کا سلسلہ بتدریج جاری تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی مذکورہ بالا دعاء کے مطابق آخری رسالت پر مبعوث فرمایا اور آپ کو دینِ ابراہیمؑ کا پیرو ہونے کا اعلان کرنے کی وحی فرمائی۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (النحل:۱۲۳)

پھر ہم نے تیری طرف وحی فرمائی کہ ملتِ ابراہیم کی پیروی کرو۔ جو کہ اللہ کا مخلص بندہ تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔

اور یہ بھی وحی فرمائی کہ:

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۣ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (آل عمران ۹۵)

کہہ دو کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے کہ دینِ ابراہیمؑ کی پیروی کرو جو سب سے بے تعلق ہو کر ایک خدا کا بندہ تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔

اور دین ابراہیمؑ کو ازلی قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ.

(الشوری ۱۳)

اس نے تمہارے لئے دین میں وہ راستہ مقرر کیا ہے جس کی نصیحت نوح کو کی ہے اور جس کی وحی پیغمبر تمہاری طرف بھی کی ہے اور جس کی نصیحت ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی کی ہے کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ پیدا ہونے پائے مشرکین کو وہ بات سخت گراں گزرتی ہے جس کی تم انہیں دعوت دے رہے ہو اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی بارگاہ کے لئے چن لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسے ہدایت دے دیتا ہے۔

اور دین ابراہیم کی پیروکو پسند کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا.

(النساء-۱۲۵)

اور اس سے اچھا دیندار کون ہوسکتا ہے جو اپنا رخ خدا کی طرف رکھے اور نیک کردار بھی ہو اور ملت ابراہیم کا اتباع کرے جو باطل سے کترانے والے تھے اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل اور دوست بنایا ہے۔

اور دین ابراہیم سے منحرف کو بے وقوف قرار دیتے ہوئے اللہ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ.

(البقرۃ:۱۳۰)

اور کون ہے جو ملت ابراہیم سے اعراض کرے مگر یہ کہ اپنے ہی کو بے وقوف بنائے اور ہم نے انہیں دنیا میں منتخب قرار دیا ہے اور وہ آخرت میں نیک کردار لوگوں میں ہیں۔

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

(البقرۃ-۱۳۱)

جب ان سے ان کے پروردگار نے کہا کہ اپنے کو میرے حوالے کردو تو انہوں نے کہا کہ میں رب العالمین کے لئے سراپا تسلیم ہوں۔

وَوَصّٰى بِهَآ إِبْرٰهِمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ.(البقرۃ-۱۳۲)

اور اسی بات کی ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ اے میرے فرزندوں اللہ نے تمہارے لئے دین کو منتخب کردیا ہے اب اس وقت تک دنیا سے نہ جانا جب تک واقعی مسلمان نہ ہوجاؤ۔

أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ اٰبَآئِكَ إِبْرٰهِمَ وَإِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ إِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ.

(البقرۃ-۱۳۳)

کیا تم اس وقت تک موجود تھے جب یعقوب کا وقتِ موت آیا اور انہوں نے اپنی اولاد سے پوچھا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو انہوں نے کہا کہ آپ کے اور آپ کے آباؤ اجداد ابراہیم و اسماعیل و اسحاق کے پروردگار خدائے وحدہ لاشریک کی اور ہم اسی کے مسلمان اور فرمانبردار ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ

عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ.(الحج-۷۸)

اور اللہ کے دین یعنی دستور العمل کے لئے ایسی حدود جاری رکھو جیسی کہ جاری رکھنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں اپنی قربت عطا کی ہے اور تم پر دین کے سلسلہ میں کسی قسم کا (مزید) بار نہیں ڈالا۔ بلکہ تمہارے لئے تمہارے باپ ابراہیم کا دین پسند کیا ہے اس نے اس سے پہلے بھی تمہیں مسلم قرار دیا ہے اور اب بھی تم مسلم ہو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم پر شاہد ہیں اور تم لوگوں پر شاہد ہو (یہ امت وسطا یعنی امام سے فرمایا گیا ہے) پس قیام صلوٰۃ ادائیگی زکوٰۃ کا اہتمام اور اللہ سے واسطہ رکھو جو تمہارے ساتھ ہے۔ تمہارا ولی اور مددگار ہے۔

اور اس دین پر ایمان رکھنے والے مومنوں پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ اس نے ان میں ان کے نفوس میں سے ہی رسول کو مبعوث فرمانے کا احسان جتاتے ہوئے فرمایا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ.

(آل عمران-۱۶۴)

پس (این) مومنو پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ان میں ان کے نفوس میں

سے ہی ایک رسول کو مبعوث فرمایا ہے جو انہیں آیات (یعنی ہدایات کے ذرائع) سے آگاہ کرتا ہے۔ پاک کرتا ہے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ جو قبل ازیں گمنام (مومن) اور بظاہر گمراہ تھے۔

حضرت ابوطالبؑ اپنے دور میں عالمِ کتاب تھے:

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منصب رسالت پر بعثت سے قبل مکہ میں حضرت قصیؑ بن حضرت کلابؑ سے لے کر حضرت عمران المعروف ابوطالبؑ تک دین ابراہیمؑ کی ترویج کا جس کا دوسرا نام دین اسلام ہے۔ اعلانیہ طور پر اہتمام جاری تھا۔ اسی دین کی ترویج کی تکمیل کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت عمل میں آئی اور حضرت عمرانؑ المعروف حضرت ابوطالبؑ نے ایک چچا کی حیثیت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے منصوص، منتخب و ماموراما م لوقت کی حیثیت سے آنحضرتؐ کے منصب نبوت پر مبعوث ہونے کے دعویٰ کی قولاً فعلاً اور عملاً تصدیق فرمائی اور آنحضرتؐ کو اپنے فرائض منصبی کو انجام دینے میں ہر ممکن امداد بھی دی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ وتبارک سے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دعوے کی صداقت پر کہ آپ اللہ کے رسول ہیں جب کفار نے گواہ طلب کئے تو آنحضرتؐ سے فرمایا:

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِندَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ. (الرّعد-۴۳)

اور ان کفار کو جو یہ کہتے ہیں کہ تم اللہ کے رسول نہیں ہو (برملا) کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اس امر کے فیصلہ کن گواہ کافی ہیں۔ جن میں سے ایک تو اللہ ہے اور دوسرا جو علم الکتاب رکھتا ہے۔

اگرچہ اس ارشاد میں حضرت عمران المعروف ابوطالب کا اسم گرامی نہیں ہے مگر آنحضرتؐ کے دعوے کی صداقت پر جس کو اپنے ساتھ فیصلہ کن گواہ قرار دیا ہے۔ اس کی صرف یہ

خصوصیت ہی بیان فرمائی کہ وہ علم الکتاب رکھتا ہے اور قرآن کی رو سے دور امامت و نبوت ابوطالبؑ میں علم الکتاب رکھنے کا مشار الیہ حضرت ابوطالبؑ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے کیونکہ قرآن کی رُو سے۔

ا۔ کتاب و حکمت اور حق فرمانروائی کو، وراثت میں حاصل کرنا صرف حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے اس کے لئے مخصوص ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ ہو جیسا کہ کلام اللہ میں ارشاد ہے۔

فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا۔ (النساء۔۵۴)

پس ہم نے ابراہیمؑ کی اولاد کو کتاب و حکمت عطا فرما کر ملک عظیم بخشا ہے (یعنی کائنات پر حق حکومت دیا ہے)۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا۔ (فاطر۔۳۲)

پھر ہم نے کتاب کا وراث انہیں قرار دیا ہے جن کو ہم نے اپنے بندوں میں برگزیدہ (یعنی منتخب و مامور) فرمایا ہے۔

اور اس عہد میں جبکہ آنحضرتؐ کے دعوے کی صداقت کا فیصلہ کن گواہ علم الکتاب رکھنے والے کو قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابوطالبؑ اور آنحضرتؐ کے سوا حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ اور کتاب کا وارث ہونے کا شرف حاصل نہ تھا۔ آنحضرت تو مدعی تھے۔ اس لئے وہ تو اپنے دعوے کے فیصلہ کن گواہ نہیں ہو سکتے تھے اور صرف حضرت ابوطالبؑ ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے فیصلہ کن گواہ ہو سکتے تھے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ ہونے کی بنا پر کتاب و حکمت اور حق فرمانروائی وراثت میں پانے کا شرف حاصل تھا اور وہ آنحضرتؐ کے دعوے کی ہر ممکن طریقہ سے تائید و تصدیق فرما رہے تھے۔

۲- اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کا نام اسی دستور کے مطابق نہیں لیا۔ جس طرح کہ حضرت سلیمان کے دربار میں علم الکتاب رکھنے والے کی اعجاز نمائی تو بیان فرمائی مگر اس کا نام بیان نہ فرمایا تھا کیونکہ اس کتاب کا علم وراثت میں پانا صرف ابراہیمؑ کی اولاد میں سے اس کے لئے ہی مخصوص ہے جو اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ ہو تو پھر اس کا نام لینے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ یہ تو لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اس امر کی جانچ پڑتال کریں۔ کہ وہ علم الکتاب رکھنے والا کون ہے۔

۳-قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی مرقوم ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ۔

(القصص-۵۲)

جن لوگوں کو ہم نے اس قرآن سے پہلے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لے آئے ہیں۔

وَاِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ۔(القصص-۵۳)

اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے۔ تو وہ کہتے ہیں بے شک یہ کتاب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور ہم اس سے پہلے کے مسلم (فرمانبردار) ہیں۔

وَاِنَّ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ، اُولٰٓىِٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔

(البقرۃ-۱۲۱)

جن کو ہم نے کتاب عنایت کی ہے وہ اس کو ایسا پڑھتے ہیں جیسا کہ پڑھنے کا

حق ہے۔ یہی اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو اس کو نہیں مانتے وہ خسارہ پانے والے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ۔ (البقرۃ-۱۴۶)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے۔ وہ اس (رسول) کو اس طرح پہچانتے ہیں، جس طرح کہ بیٹوں کو اور بلاشبہ ان میں سے ایک فریق جان بوجھ کر اس حقیقت کو چھپا رہا ہے۔

ابوطالبؑ مصداقِ آیات:

اللہ تعالیٰ کے مندرجہ بالا ارشادات کو اگر ہم پیش نظر رکھ کر ذرا بھی غور کریں، تو ان تمام ارشادات کے مشار الیہ بھی حضرت ابوطالب علیہ السلام اور آپ کے پیروؤں کے سوا دوسرا کوئی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہودی عیسائی تو اس عہد میں اللہ کے نزدیک دین ابراہیمؑ کا پابند نہ ہونے کی بنا پر قابل اعتنا ہی نہ تھے اور ان کی مروّجہ کتب آسمانی بھی ان کی تحریف کی وجہ سے ناقابل اعتبار تھیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مقبول سے فرمایا تھا۔

وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ۔ (البقرۃ-۱۳۵)

اور (یہودیوں اور عیسائیوں) کو جو یہ کہتے ہیں کہ یہودیت عیسائیت اختیار کرو کیونکہ یہ سیدھا راستہ ہے برملا کہہ دو کہ ہم نے تو دین ابراہیم اختیار کیا ہوا ہے۔ جو خدائے واحد کا مخلص بندہ تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰى وَ عِیْسٰى وَ مَآ اُوْتِیَ

النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ. لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ. (البقرۃ-۱۳۶)

نیز کہہ دو کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کتاب پر ہمارا ایمان ہے جو ہم پر نازل ہو رہی ہے اور ان منزل کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں جو ابراہیم اسماعیل، اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولادوں پر نازل ہوئی اور موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا کی گئی ہیں یا دوسرے انبیاء کو اپنے پروردگار سے ملی ہیں، ہم کسی نبی کی تفریق نہیں کرتے اور اللہ کے فرمانبردار (یعنی مسلم) ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے یہ ارشادات اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ یہودی اور عیسائی دینِ ابراہیم سے منحرف ہونے اور اپنے انبیاء پر نازل ہونے والی کتابوں میں تحریف کرنے کی بنا پر بذاتِ خود مجرم تھے۔ اس لئے ان مجرموں کو اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعویٰ کی صداقت کا اپنے ساتھ دوسرا گواہ اور ایسا گواہ قرار دینا کہ جس کی گواہی کے بعد کسی تیسرے گواہ کی ضرورت ہی نہیں بالکل ہی ناممکن ہے، اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی رُو سے حضرت عمران المعروف حضرت ابوطالبؑ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مستند شاہد ہیں، اور اس سند کے بعد کسی قسم کی آپ کی طرف سے تائید و تصدیق کا ذکر کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

حضرت ابوطالبؑ کے وارث حضرت علی علیہ السلام

حضرت ابوطالبؑ کی اولاد میں سے حضرت علی علیہ السلام کے متعلق جو حضرت ابوطالبؑ کے منصب امامت اور علم الکتاب کے منصوص وارث تھے، آنحضرتؐ نے فرمایا ہے:

عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِيٍّ۔ (طبرانی)

علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔

نیز فرمایا ہے:

اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُہَا ۔ (طبرانی شرح فقہ اکبر)

میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

اَنَا دَارُ الْحِکْمَۃِ وَ عَلِیٌّ بَابُہَا ۔ (ترمذی، مشکوٰۃ)

مَا مِنْ عِلْمٍ اِلَّا وَ قَدْ اَحْصَاہُ اللّٰہُ فِیَّ وَ کُلُّ عِلْمٍ عُلِّمْتُہٗ فَقَدْ اَحْصَیْتُہٗ فِیْ عَلِیٍّ اِمَامُ الْمُتَّقِیْنَ۔

کوئی علم ایسا نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے نہ عطا کیا ہو اور میں نے وہ علم متقیوں کے امام علیؑ کے سپرد نہ کیا ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ ارشادات اس بات پر شاہد ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ کا منصب امامت علم الکتاب بأمر اللہ بطور ورثہ حضرت علی علیہ السلام کو ہی ملا ہے اور جس کا اعلان حضورؐ نے فرمایا۔

ابن ابی الحدید معتزلی:

لولا ابوطالب و ابنه　　لما مثل الدین شخصاً فقاما

اگر ابوطالبؑ اور آپ کے فرزند علیؑ نہ ہوتے

تو ہرگز دین اسلام کو خلعت وجود نہ ملتا۔

دورِ فترت اور حضرت ابوطالب علیہ السلام

عربی میں فترت کے معنی ''خاموشی'' کے ہیں چنانچہ قرآن کریم نے اسی لفظ کو ایک آیت میں اس طرح استعمال کیا ہے:

يَاأَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَن تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ ۖ فَقَدْ جَاءَكُم بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (المائدہ ۱۹)

اور اے اہل کتاب! ہمارا رسولؐ تمہارے پاس اس وقت پہنچا جب رسولوں کے سلسلے میں خاموشی کا دور تھا اور یہ رسول تمہیں دین کی واضح تعلیمات پہنچا رہا ہے تاکہ تمہیں یہ کہنے کا موقعہ نہ رہے کہ ہمارے پاس نہ تو کوئی بشارت دینے والا آیا اور نہ کوئی تنبیہات لے کر پہنچا یہ رسول حقیقی معنی میں بشیر بھی ہے اور نذیر بھی ہے اور اللہ ہر طرح اس کی مدد کے لئے قدیر بھی ہے۔

یہاں خاموشی (فترت) سے مراد یہ نہیں لینا چاہئے کہ کوئی ہادی یا کوئی نبی و وصی نہیں تھا بلکہ یہاں فترت (خاموشی) سے مراد یہ لینا چاہئے کہ نبی یا وصی یا ہادی تو تھا لیکن اس کی اجازت نہیں تھی کہ منصب کا اعلان کرے گویا منصب کی خاموشی کا دور تھا نہ کہ ہدایت کی خاموشی کا دور تھا اور جیسا کہ پچھلے ابواب میں نبی کے سلسلے میں بحث کر چکے ہیں کہ نبی دو قسم کے ہوتے ہیں نبی لنفسہٖ اور نبی لغیرہٖ۔ نبی لغیرہٖ رسول ہوتا ہے اور نبی لنفسہٖ صرف نبی ہوتا ہے اور نبی لنفسہٖ کو اجازتِ

تبلیغ نہیں ہوتی۔ یا یوں کہا جائے کہ نبی لنفسہٖ کا کام ''خبر'' کی حفاظت ہوتا ہے اور مناسب وقت آ جانے پر یا تو خبر کا اظہار کرنا ہوتا ہے یا اس خبر کو دوسرے ''مخبر'' یعنی نبی تک پہنچا دینا ہوتا ہے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے تمام آثار و قرائن اور آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور آپ کے افکار، آپ کی سیرت، آپ کی گفتگو، آپ کے اخلاق کریمانہ، آپ کے اشعار، آپ کے اقوال، آپ کا فہم و تدبر اور آپ کا رعب و دبدبہ اس بات کی طرف علی الاعلان اشارہ کرتے ہیں کہ آپ دورِ فترت میں نبی لنفسہٖ کا منصب رکھ کر حکم خدا کے موجب اپنے فرائض منصبی کو انجام دے رہے تھے۔ چونکہ حجتِ خدا سے بڑھ کر اس کے عہد میں کوئی اور مطیعِ حکمِ خدا نہیں ہوتا اس لئے حضرت ابوطالب علیہ السلام نے بھی حکم خدا کی بجا آوری کرتے ہوئے اعلانِ نبوت نہیں کیا اور اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ اس سلسلے میں ان کے اپنے دور میں یا آگے آنے والے دور میں ان کی نبوت کیا بلکہ ایمان پر بھی شک کیا جائے گا اور اس بات کا اشارہ قرآن میں بھی ملتا ہے کہ یہ لوگ ملامت کرنے والوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ (وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ...... مائدہ)

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی منصب نبوت کی ذمہ داری ان امور پر مشتمل تھی:

۱--- عقائد و سیرت و اخلاق اجداد کا عملی مظاہرہ اس کا تحفظ اور تسلسل

۲--- تبرکات انبیا کا تحفظ جو ان کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل تھے اور ان تبرکات انبیا کو بہ دیانت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کر دینا۔

۳--- بنی ہاشم کا نسل ابراہیمی ہونے کا بار بار اعلان کرنا

۴--- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک قصصِ انبیائے سابق پہنچانا

① عقائد و سیرت و اخلاقِ اجداد کا عملی مظاہرہ، تحفظ اور تسلسل:

حضرت ابوطالب علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی جس سیرت و کردار کا عملی مظاہرہ کیا وہ عین شریعتِ اسلامی کے تحت تھا اور آپ کا کردار اس بات کا عکاس تھا کہ آپ اور آپ کے آبا و اجداد

دین ابراہیم حنیف پر کارفرما تھے۔ علامہ صائم چشتی اپنی تصنیف ''عیون المطالب فی اثبات ایمان ابی طالب'' میں تحریر کرتے ہیں:

خواجۂ بطحیٰ سیدنا ابوطالبؓ نے زمانۂ جاہلیت میں بھی شراب اور اس جیسی دیگر ہلاکت خیز چیزوں سے قطعی پرہیز رکھا ہے۔ چنانچہ سیرت حلبیہ (جلد اول صفحہ ۱۳۴)، طبقات مترجم (صفحہ ۱۸۰) و دیگر کتب میں آتا ہے:

"و کان ابوطالب ممن حرّم الخمر علی نفسه فی الجاهلیة کابیه عبدالمطّلب"

''ابوطالب نے اپنے باپ ہی کی طرح زمانۂ جاہلیت میں شراب کو اپنی ذات پر حرام کر لیا تھا''۔

شراب کو خود پر ترک کر لینا بظاہر معمولی بات معلوم ہوتی ہے لیکن اگر آپ اس زمانۂ جاہلیت کے سیاہ دور کا تصور کر لیں جس کی تصویر کشی کرتے ہوئے مؤرخین کے قلم کانپ اٹھتے ہیں تو پھر اس چیز کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔

حضرت ابوطالبؓ اپنے والد مکرم سیدنا حضرت عبدالمطّلبؓ کی پوری پوری تصویر تھے اور تمام محرمات کو آپ نے اپنے باپ ہی کی طرح خود پر حرام قرار دے رکھا تھا اور ایسا کرنا آپ کے لئے ضروری بھی تھا کیونکہ ان ہی کی آغوشِ رافت میں آفتابِ نبوّت سید المرسلین امام الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پروان چڑھنا تھا اور اس پاک ہستی کی پرورش ناپاک ہاتھوں میں ہونا غیر ممکن ہی نہیں بلکہ سخت ترین محالات سے ہے''۔

(عیون المطالب۔ علامہ صائم چشتی)

اس مضمون کو علامہ عبداللہ الخنیزی اپنی کتاب ''ابوطالب مومن قریش'' میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

''درحقیقت ابوطالبؑ اپنے خاندان کی وہ نورانی، بارونق وعظمت اور باہیبت وجلالت تصویر ہیں کہ جس میں عبدالمطلبؑ سے لے کر مورثِ اعلیٰ تک کے کمالات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ اب اگر ابوطالبِ انسانیت کی تصویر کامل اور بشریت کا مثالی نمونہ نظر آئیں تو جائے تعجب نہیں ہے، اس لئے کہ قدرت نے انہیں اپنے نبی کی کفالت کے لئے منتخب کیا ہے''۔
(ابوطالب مومن قریش مترجمہ)

واضح رہے کہ ہم پہلے حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے باب میں یہ بات درج کر چکے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام سے احیائے شریعت ابراہیمی کا عمل شروع ہو چکا تھا اور حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے زمانۂ جاہلیت میں پانچ ایسی سنتیں مقرر کیں جن کو خدا نے اسلام میں جاری و قائم رکھا:

۱۔۔۔سوتیلی ماؤں کو لڑکوں پر حرام قرار دیا۔ اس سنت کو قرآن نے بھی قائم رکھا۔

"وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ" (سورۃ النساء:۲۲)

''ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے آباؤ اجداد نے نکاح کیا ہو''۔

۲۔۔۔جب انہوں نے خزانہ پایا تو اس کا پانچواں حصہ راہِ خدا میں دے دیا۔ اس سنت کو اسلام نے جاری رکھا۔

"وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ" (سورۃ الأنفال:۴۱)

''یاد رکھو کہ جب تمہیں مالِ غنیمت حاصل ہو تو اس میں سے پانچواں حصہ
خدا کے لئے صرف کرو''۔

۳--جب زمزم کا کنواں کھودا تو اس کو حاجیوں کا سقایہ قرار دیا۔اس سنت کے بارے میں پروردگار کا ارشاد ہے:

"اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ—" (سورۃ التوبۃ:۱۹)

۴--آدمی کو مار ڈالنے کا خون بہا سو اونٹ مقرر کیا۔

۵--قریش میں طواف کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی آپ نے سات مرتبہ طواف کرنا مقرر کیا۔

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے نہ کبھی جوا کھیلا نہ بتوں کی پرستش کی نہ ان جانوروں کو کھایا جو بتوں کے لئے کاٹے گئے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے پدر ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم ہوں۔

یہی وہ کردارِ آبا تھا جس پر حضرت ابو طالب علیہ السلام عمل پیرا تھے اور اسی کا تحفظ بھی کر رہے تھے حضرت ابوطالب علیہ السلام نے عقیدۂ توحید کا برملا اعلان و اقرار کیا اور اپنے آباؤ اجداد کے عقائد پر روشنی ڈالی چنانچہ فرماتے ہیں:

وَ عَنْ عَائِبِ اللَّاتِ فِیْ قَوْلِهٖ   وَ لَوْ لَا رِضَا اللَّاتِ لَمْ تُمْطَرِ
وَ اِنِّیْ لَاَشْنَاُ قُرَیْشًا لَهٗ   وَ اِنْ کَانَ کَالذَّهَبِ الْاَحْمَرِ

''اور جو لات (بت) کے حوالے سے یہ کہتے ہیں کہ اگر لات خوش نہ ہو تو
ہمارے یہاں بارش بھی نہیں ہوتی،
میں قریش کی اس بات سے نفرت کرتا ہوں اگرچہ وہ ان کے نزدیک سرخ
سونے ہی کی کیوں نہ ہو''۔

۴ تبرّکات انبیا کا تحفظ اور منتقلی:

نسلِ ابراہیمی میں جتنے بھی انبیا آئے وہ سب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی خبر لے کر آئے اور جاتے جاتے ایک نبی دوسرے آنے والے نبی کو اپنا وصی بنا کر جاتا اور تبرّکات انبیائے ماسبق بھی اس کے حوالے کرتا جس میں اولوالعزم انبیا کی وراثتیں شامل ہوتیں۔ یہ سب تبرکات ایک صندوق میں رکھے ہوتے تھے جسے قرآن نے سورۂ بقرہ میں تابوتِ سکینہ کے نام سے محفوظ کیا ہے۔ چنانچہ اس تابوت میں جو اہم تبرّکات تھے ان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیرہن جو وہ اس وقت زیب تن کئے ہوئے تھے جب انہیں آگ میں پھینکا گیا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کمان، حضرت شیث علیہ السلام کی نعلین، حضرت نوح علیہ السلام کی انگشتری اور علَمِ نزار وغیرہ شامل تھا۔ جب جناب ہاشم علیہ السلام کا انتقال ہوا تو اہل مکّہ نے حضرت ہاشم علیہ السلام کی وصیت کے مطابق یہ تبرکات جناب مطّلب کے سپرد کر دیئے، ان سے یہ تبرّکات حضرت عبدالمطّلب علیہ السلام تک پہنچے۔ جناب عبدالمطّلب علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت فرمائی اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سن مبارک آٹھ سال ہوا اور حضرت عبدالمطّلب علیہ السلام کا پیمانۂ زیست لبریز ہونے لگا تو مدارج النبوت کی روایت کے مطابق ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ آپ اپنے چچاؤں میں سے کس کی کفالت میں رہنا پسند کرتے ہیں تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کو پسند فرمایا''۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۴)

چنانچہ حضرت عبدالمطّلب علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند حضرت ابوطالب علیہ السلام کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

أُوصِيكَ يَا عَبْدَ مُنَافٍ بَعْدِيْ ۔۔۔ بِمُوَحَّدٍ بَعْدَ أَبِيْهِ فَرْدِ

فَارَقَهُ وَ هُوَ ضَجِيْعُ الْمَهْدِ ۔۔۔ فَكُنْتُ كَالْأُمِّ لَهُ فِي الْوَجْدِ

''میں تمہیں اپنے بعد اس بچے کے بارے میں وصیت کرتا ہوں جو اپنے

باپ کا اکلوتا بیٹا ہے اور منفرد و ممتاز ہے۔

جب یہ کمسن تھا تب ہی سے اپنے باپ اور پھر ماں کے سائے سے محروم ہو گیا میں اس کے لئے بے چین رہا کرتا تھا جیسے ماں اپنی اولاد کے لئے۔"

علامہ عبداللہ الخنیزی "ابوطالب مومن قریش" میں رقم طراز ہیں:

"اس وصیت نے ابوطالب علیہ السلام کے دل میں اس طرح گھر کر لیا کہ بے ساختہ بول پڑے:

لَا توصّنی بِلازم و واجب   اِنّی سمعت اعجب العجائب

من کلّ حبر عالم و کاتب   بِاَنّ بحمدِ الله قول الرّاهب

"مجھے لازم و واجب کام کے لئے وصیت نہ کریں میں نے تو بڑے بڑے علما سے عجیب عجیب خبریں سنی ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ راہب کے قول کی صحت ظاہر ہو گئی۔"

آگے لکھتے ہیں:

"ابوطالب نے عرض کی: کیوں نہیں سب قبول ہے خدا اس کا شاہد ہے"۔

آپ (عبدالمطلبؑ) نے ہاتھ پر ہاتھ مارا، عہد تمام ہو گیا، ذمہ داری ختم ہو گئی دل مطمئن اور ضمیر بالیدہ ہو گیا فرمانے لگے: "ہاں اب موت آسان ہو گئی"۔ (ابوطالب مومن قریش)

یقیناً طریق سابق کی طرح عبدالمطلبؑ نے بعد وصیت تبرکاتِ انبیا بھی حضرت ابوطالبؑ کے سپرد کئے ہوں گے جو انہیں اس طرح اپنے پیش رو امام الامت سے ملے تھے اور وہ تبرکات حضرت ابوطالب علیہ السلام نے بہ دیانت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچائے ہوں گے۔ علامہ مجلسی کے مطابق جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارات جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کے دولت کدے پر

پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہی تبرکاتِ انبیا سے مزیّن تھے۔ یعنی سیاہ عمامہ سر پر باندھے ہوئے تھے، پیشانیٔ اقدس سے نور ساطع تھا، عبدالمطلب علیہ السلام کا پیراہن جسم میں، الیاسؑ کی چادر دوش پر، عبدالمطلبؑ کی نعلین پاؤں میں، عصائے ابراہیم خلیل علیہ السلام ہاتھ میں لئے ہوئے، عقیق سرخ کی انگوٹھی انگشتِ مبارک میں پہنے ہوئے آرہے ہیں۔ یہ تبرکات یقینی طور پر وصی عبدالمطلبؑ یعنی حضرت ابوطالب علیہ السلام ہی کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچے ہوں گے۔

اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''ابوطالب علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے اور وصایائے الٰہی جس دن ان کے سپرد کیں اسی دن وہ وفات پا گئے''۔

وفات سے پہلے حضرت ابوطالب علیہ السلام نے قریش اور اپنے گھر والوں کو بھی وصیت کی جو ایک وصی یا نبی کی منصبی ذمہ داری ہوتی ہے اور یہ وصیت کرنا بھی حضرت ابوطالب کے حاملِ منصب ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

وصیٔ انبیا (حضرت ابوطالب علیہ السلام) کی وصیت

یا معشر قریش انتم صفوۃ اللہ من خلقہٖ و انتم قلب العرب و فیکم السید المطاع و المقدم الشجاع و الواسع الباع واعلموا انّکم لم تترکوا للعرب فی المائر نصیبنا لا احرزتموہ ولا شرفاً لا ادرکتموہ فلکم بذالك علی الناس الفضیلۃ ولھم بہ الیکم الوسیلۃ و الناس لکم حربٌ و حربکم الیہ و انّی اوصیکم بتعظیم ھٰذا البیت یعنی الکعبۃ فانّ فینا مرضاۃً للرّب و قواماً للمعاش و ثباتاً للوطاۃ یا معشر قریش و صلوا ارحامکم فان فی صلۃ الرّحم منساۃ ای فسبحۃ فی الاجل و زیادۃ فی

العدد و ترکو البغی و العقوق ففیھما ھلکت القرون قبلکم و اجیبوا داعی اللہ واعلموا السائل فان فیھما شرف الحیاۃ و الممات و علیکم بصدق الحدیث و اداء الامانۃ فیھما محبۃ فی الخاص و مکرمۃ فی العام و اوصیکم بمحمد خیر فانّہ الامین فی قریش و الصّدیق فی العرب و ھو الجامع لکلّ ما اوصیکم بہ و قد جاء بأمرٍ قلبہ الجنان و انکرہ اللسان مخافۃ الشنان واللہ کأنی انظر الی صعالیک العرب و اھل الاطراف و المستضعفین من الناس قد اجابوا دعوتہ و صدقوا کلمتہ و عظموا أمرہ فخاذبھم غمرات للموت فصارت روٗسا قریش و صنادیدھما اذناباً و دورھا خراباً و ضعفاءُھا ارباباً و اذا اعظمھم علیہ احوجھم الیہ و ابعدھم منہ اخطاھم عندہ قد محصنۃ العربْ ودادُھا و اعطتۃ قیادھا یامعشر قریش کونوا لہ ولاۃ و لحزبہ حماۃ و فی روایتہ دونکم و ابن أبیکم واللہ لا یسئلک احد سبیلہ الا رشد ولا یأخذ أحد بھدیہ الا سعد و لو کان لنفسی مدّۃٌ و لأجَلی تاخیرٌ لکففت عنہ الھزاھز و لدفعت عنہ الدواھی۔

اے گروہ قریش تم مخلوق میں خدا تعالیٰ کے پسندیدہ اور برگزیدہ لوگ ہو تم عرب کا دل ہو اور تم میں ایسی ہستی بھی موجود ہے جسے سردار بنایا جائے اور اس کی اطاعت کی جائے، تم میں پیکر شجاعت اور وسیع تر قوت کے مالک

اور آگے بڑھنے والے لوگ بھی موجود ہیں اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ عرب کی ایسی کوئی شرافت اور فضیلت نہیں جو تمہیں عطا نہ کی گئی ہو مگر اب دوسرے لوگ تمہارے وسیلے کے محتاج ہونے کے باوجود تمہارے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے تم پر لازم ہے کہ خدا تعالیٰ کے گھر کی تعظیم و تکریم کرو کیونکہ اسی چیز میں رضائے پروردگار کا حصول، وسعتِ روزگار اور ثابت قدمی کا راز پوشیدہ ہے۔

اے گروہ قریش! صلہ رحمی اختیار کرو اور ترک موالات نہ کرو کیونکہ صلۂ رحمی کرنے سے عمر میں برکت اور تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ بغاوت اور سرکشی کو ترک کر دو کیونکہ انہی نافرمانیوں کی وجہ سے تم سے پہلے آنے والی قومیں تباہی اور ہلاکت کا شکار ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی بات سنو اور سائل کا سوال پورا کرو کیونکہ انہی امور پر عمل کرنے میں شرفِ حیات و ممات کا راز مضمر ہے۔

تم پر سچی بات کہنا اور امانتوں کا ادا کرنا واجب ہے کیونکہ ایسا کرنے سے خواص میں محبت اور عوام میں بزرگی اور عزت حاصل ہوتی ہے۔

اے گروہِ قریش! میں تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیر اور بھلائی کی وصیت کرتا ہوں، یہ قریش میں امین اور عرب میں سب سے زیادہ سچے ہیں اور ان تمام تر صفاتِ عالیہ سے متصف اور عظمتوں کے جامع ہیں جن کا میں نے قریش کے نام سے اپنی وصیت میں تذکرہ کیا ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس بات کا حکم دیتے ہیں اسے دل نے قبول کر لیا ہے مگر زبان لوگوں کی عداوت کے خوف سے جبر میں ہے۔

خدا کی قسم میں ان واقعات کو ابھی سے دیکھ رہا ہوں جو ظہور پذیر ہونے والے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ باشندگانِ عرب اور اکناف و اطراف کے ضعیف و نادار لوگ آپؐ کی دعوت ''الی الحق'' کو قبول کر چکے ہیں اور ان کے کلمے کی تصدیق کرنے کے بعد ان کی عظمت احکام کے پرچم کو بلند کر رہے ہیں اور ان کے حکم پر خود کو موت کے منہ میں دھکیل چکے ہیں اور قریش کے سردار بن گئے ہیں جب کہ اس کے برعکس رؤسائے قریش ان لوگوں کے سامنے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں اور ان کے گھر ویران و برباد ہو گئے ہیں۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمزور ساتھی اربابِ اقتدار بن چکے ہیں اور قریش کے بڑے بڑے رؤسا ان کے محتاج ہو کر رہ گئے ہیں آپؐ سے جو دور تھے وہ قریب ہو کر بلند بخت ہو چکے ہیں اور یقیناً عرب نے آپؐ کی محبت کے لئے خود کو مخلص بنا لیا ہے اور ان کی اتباع میں اپنی جانیں آپؐ کے سپرد کر دی ہیں۔

تو اے گروہِ قریش تم لوگ بھی اپنے بھائی کے بیٹے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دو اور آپ کے ساتھیوں کی نصرت و حمایت کرو خدا کی قسم! جو شخص بھی ان کی اطاعت و اتباع کرے گا وہ رشد و ہدایت اور فوز و فلاح حاصل کرے گا اور جو ان کی سیرت کو اپنا لے گا وہ نیک بخت اور سعید ہو جائے گا۔

کاش میری زندگی میں مزید تاخیر واقع ہو جاتی اور مجھے کچھ عرصہ کے لئے مزید مہلت مل جاتی تو میں ان کی طرف آنے والے شدائد کا مکمل طور پر دفاع کر دیتا اور مصائب و حوادث کو مٹا دیتا اور ان کی طرف آنے والی تمام

آفات کو دور کر دیتا"۔

اس وصیت میں جن اخبار کا تذکرہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے کیا ہے وہ ان کی نبوت و وصایت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ مستقبل میں رونما ہونے والے جن حالات وواقعات کی خبر دی گئی ہے وہ بعینہٖ انجام پائے اس سے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے علم غیب کا حامل ہونے کی طرف بھی اشارے ملتے ہیں جو اوصاف نبوت وامامت میں سے ایک وصف ہے۔

الغرض دورِ فترت میں حضرت ابوطالب علیہ السلام اپنی منصبی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی پورا کررہے تھے۔ اس لفظ "فترت" کا ذکر خود حضرت ابوطالب علیہ السلام نے اپنے اشعار میں ان الفاظ میں کیا ہے:

إِذَا قِيْلَ مَنْ خَيْرُ هٰذَا الْوَرٰى قَبِيْلًا وَّ اَكْرَمُهُمْ اُسْرَةٍ

اَنَافَ بِعَبْدِ مَنَافٍ اَبٍ وَ فَضَّلَه هَاشِمُ الْعِزَّةِ

لَقَدْ حَلَّ مَجْدُ بَنِيْ هَاشِمٍ مَكَانَ النَّعَائِمِ وَ النَّثْرَةِ

وَ خَيْرُ بَنِيْ هَاشِمٍ اَحْمَدُ رَسُوْلُ الْاِلٰهِ عَلٰى فَتْرَةٍ

"اگر دریافت کیا جائے کہ خاندان اور قبیلے کے اعتبار سے دنیا میں سب سے بہتر کون ہے؟ تو بزرگی کے اعتبار سے جناب عبدِ منافؑ، پھر جناب ہاشمؑ کی ذاتِ گرامی عزت وشرف کا نشان ہے اور خاندان بنی ہاشم کے لوگ تو اس قدر بلند مرتبہ ہیں جیسے آسمان کے ستارے نعائم ونثرہ۔

اور خاندان بنی ہاشم میں سب سے افضل احمدؐ (مجتبیٰ) ہیں جو زمانہ فترت کے بعد خدا کے رسول کی حیثیت سے تشریف لائے۔

دورِ فترت میں حضرت ابوطالب علیہ السلام نے اپنے کردار کو منوایا وہ کردار جو ان کے آباؤ اجداد کے کردار کا عملی تسلسل تھا جو ملّت ابراہیمؑ حنیف کا خاصہ تھا جو دین ابراہیم کا مکمل نمونہ تھا۔ یہ

کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کی نبوت و وصایت کا مقصد اسی کردار کا تحفظ تھا جو کردار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک دعا میں اپنے پروردگار سے اپنی اولاد کے لئے طلب کیا تھا۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔(سورۃ البقرہ:۱۲۹)

ہمارے پروردگار! ہم دونوں (ابراہیم واسماعیل) کو اپنا مسلم (فرمانبردار) قرار دے اور ہماری اولاد میں سے ہمیشہ ایک امت (یعنی مخصوص شخصیت) کو اپنا مسلم قرار دے اور ہم سب کو مناسب حال (یعنی تقاضائے وقت کے تحت ہماری عبادت کے طور طریقے سے آگاہ رکھ) اور ہمارے طرف توجہ فرما بے شک تو متوجہ ہونے والا اور مہربان ہے۔ ہمارے پروردگار ان (اپنے فرمانبرداروں) میں ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات (یعنی ہدایت کے ذرائع) سے آگاہ کرے انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور پاک کرے۔ بے شک تو غالب آنے والا اور صاحب حکمت ہے۔

یہاں یہ بات پیش ذہن رہے کہ امت کا مطلب بہت سے لوگوں کا ہجوم ہی نہیں ہوتا۔ از روئے قرآن فرد واحد بھی امت کے زمرے میں آسکتا ہے جیسا کہ قرآن نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات میں امت تھے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ

الْمُشْرِكِينَ۔(النحل:۱۲۰)

''بے شک ابراہیم (اپنی ذات میں) ایک امت تھے اللہ کے فرمانبردار اور (اللہ کی طرف) یکسو ہونے والے تھے اور مشرکین میں سے نہیں تھے''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر دور میں ایک شخصیت بشکل امت موجود ہو جو وراثتِ انبیا کے تحفظ و انتقال کا ذریعہ بنی رہے اور شعائر دین اللہ اور شریعت اسلامی کا عملی تسلسل بنی رہے۔جس کے ذریعے سے اللہ کا وعدہ بھی پورا ہوتا رہے

إِنَّمَآ أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔(الرعد:۷)

(اے رسول) بے شک آپ بس (عذاب سے) ڈرانے والے ہیں اور ہر ایک قوم کے لئے ہدایت کرنے والا ہے۔

یعنی ہر دور میں ایک ہادی من اللہ ہونا سنت خداوندی ہے لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر ختمی مرتبت تک جو دور فترت کہلاتا ہے اس دور میں بھی یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ کوئی رسول نہیں تھا لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی نبی بھی نہیں تھا۔ اسی لئے قرآن نے اس دور کو ''فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ'' یعنی رسولوں سے خالی دور کہا ہے نبی سے خالی نہیں کہا۔یعنی انبیا تھے لیکن اعلان نبوّت کی اجازت نہیں تھی صرف آخری نبی کے آنے کی تیاری اور ماحول پر نظر رکھنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی جو اس دور کے انبیا جن میں اجداد رسولؐ بھی تھے پوری کر رہے تھے۔جس طرح قرآن نے ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہونے کا اعلان کیا ہے اسی طرح ہر قوم کے لئے ایک گواہ بھی رکھا ہے جو اس امت کے اعمال کا گواہ ہوتا ہے اگر دور فترت کو انبیا سے بھی خالی مان لیا جائے تو قدرت کے اصول پر حرف آتا ہے اور آیت قرآن کی رُو سے

وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا۔(الأحزاب:۶۲)

اللہ کی سنت میں تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

لہٰذا یہ بھی ضروری ہے کہ جس طرح ایک ہدایت دینے والا ہر دور میں ہو اسی طرح ہر دور میں ایک گواہ بھی ہو قرآن نے گواہِ امت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ. (النساء:۴۱)

اس وقت کیا ہوگا جب ہم ہر امت کو اس کے گواہ کے ساتھ بلائیں گے۔

اس طرح ایک اور منصب بھی ہے جسے منصب امامت کہا جاتا ہے اور قرآن نے اس منصب کی قوت و طاقت کا اور اختیار و قدرت کا بڑے واضح الفاظ میں اعلان کیا ہے۔

(۱) يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ. (الإسراء:۷۱)

قیامت کا دن وہ ہوگا جب ہم ہر گروہِ انسانی کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔

اس آیت کی رُو سے یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ رسالت سے قبل تک کے لوگ کس امام کے ساتھ بلائے جائیں گے؟ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اس دور میں بھی کسی نہ کسی شکل میں ہدایت من اللہ موجود تھی چاہے وہ نبی کی شکل میں ہو، یا امام کی یا وصی کی شکل میں ہو اور اجدادِ رسولؐ کا شہرہ چاردانگِ عالم میں پھیلا ہوا تھا اور اہل کتاب اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ گھرانہ نبوّت و امامت کا گھرانہ ہے۔

منصب امامت کے متعلق قرآن نے بڑی صراحت کے ساتھ گفتگو کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ نہ سمجھ لینا کہ تمہارا پیشوا بنا لینے کا اختیار ہم نے تمہیں دے دیا ہے بلکہ وہ امام، ہادی اور گواہ ہم ہی منتخب کر کے تمہاری طرف بھیجتے ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ. (السجدۃ:۲۴)

اور ہم نے ان میں سے امام قرار دیا جو ہمارے امر سے لوگوں کی ہدایت کرتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا ہے اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں۔

مندرجۂ سابق آیات کا تسلسل اور اسلوب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ جو ہادیٔ قوم ہوتا ہے وہی گواہِ امت ہوتا ہے اور جن کے پاس یہ دونوں مناصب ہوں وہی امام انسانیت بھی ہوتا ہے اور ایک لفظ جو ان آیات میں قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتا ہے وہ ہے ''قوم'' کا لفظ جو کبھی ملت بن کر اور کبھی انسان بن کر سامنے آتا ہے یعنی جہاں قوم، امت و ملّت یا انسان ہوں گے وہاں ہادی، گواہ اور امام کا ہونا لازمی امر ہے۔ لہٰذا عقل و شعور و فہم و ادراک رکھنے والے اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ہر دور میں منصوص من اللہ شخصیت یا نمائندہ الٰہی کا ہونا واجب ہے چاہے وہ امام کی صورت میں ہو، چاہے نبی کی شکل میں، چاہے وصیٔ نبی کی صورت میں ہو۔ یہاں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد اولادِ ابراہیم علیہ السلام میں جسے قرآن ذریتِ ابراہیم علیہ السلام کے نام سے یاد کرتا ہے سب کے سب امام، نبی یا وصیٔ نبی کے عہدوں سے سرفراز کئے گئے تھے۔ جنہوں نے اپنی زندگی کے ایک لمحے میں بھی ظلم یعنی بت پرستی نہیں کی اور دین حنیف کی پاسداری اور حفاظت کا فریضہ انجام دیا۔

④ حضرت ابوطالب علیہ السلام اور اعلان ذریتِ ابراہیمؑ:

یہاں یہ بات بتا دینا ضروری ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کچھ دعائیں مانگیں اور ان میں اپنی ذریت کا تذکرہ کیا:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ۔ (ابراھیم ۳۵)

''جب ابراہیم نے کہا پروردگار اس شہر کو محفوظ بنا دے اور مجھے اور میری

اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھ“۔

آگے چل ایک اور دعا مانگتے ہیں جس میں ذریت کا تذکرہ موجود ہے:

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ.

(ابراھیم: ۳۷)

”پروردگار میں نے اپنی ذریت میں سے بعض کو تیرے محترم مکان کے قریب بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ دیا ہے تاکہ نمازیں قائم کریں اب تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف موڑ دے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما تاکہ وہ تیرے شکر گزار بندے بن جائیں۔

اس سے پہلے ہم تحریر کر چکے ہیں کہ سورۂ بقرہ آیت نشان ۱۲۹ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں ذریت کا لفظ استعمال کیا۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی نبوت و وصایت کی سب سے اہم دلیل یہ بھی ہے کہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبۂ عقد میں دو ایسے جملے استعمال کئے جو بعد میں قرآن کی زینت بنے۔ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عقد اس وقت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان رسالت نہیں کیا تھا یا یوں کہیں تو بے جا نہ ہوگا کہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذن اعلان رسالت نہیں دیا تھا اس سے بھی ایک اور لطیف نکتے کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذن اعلانِ رسالت نہیں دیا تھا تو کیا وہ نبی نہیں تھے؟ جواب یہی آئے گا کہ نبی تو تھے لیکن رسول نہیں تھے ہمارے حضورؐ نبی تو اس وقت بھی تھے کہ جب آدم علیہ السلام پانی و مٹی کے درمیان تھے۔ اسی لئے آیۂ درود میں لفظ نبی استعمال ہوا ہے لفظ رسول استعمال نہیں ہوا۔ اس نکتے سے ہماری اس دلیل کو تقویت ملتی ہے جس میں ہم نے نبی لنفسہٖ اور نبی لغیرہٖ کا استدلال قائم کیا تھا۔ یعنی حضرت

ابوطالب علیہ السلام نبی تھے رسول نہیں تھے۔ چنانچہ خطبہ عقد میں حضرت ابوطالب علیہ السلام نے لفظ ذریت کو بھی استعمال کیا اور الحمد للہ کے جملے سے خطبے کا آغاز کیا جبکہ قرآن ابھی نازل بھی نہیں ہوا تھا گویا حضرت ابوطالب علیہ السلام کی نبوی ذمہ داریوں میں ایک ذمہ داری ادا ہو رہی ہے کہ انہیں ذرّیت ابراہیم علیہ السلام کا اعلان بھی کرنا ہے اور زبانِ عرب کو زبانِ قرآن سے قریب بھی کرنا ہے۔

خطبۂ عقدِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنَا مِنْ ذُرِّیَّةِ اِبْرَاهِیْمَ وَ فُرُوْعِ اِسْمَاعِیْلَ وَضِئْضِیْ مَعَدٍّ وَ مُضَرٍ وَ جَعَلَنَا حَضَنَةَ بَیْتِهٖ وَ سُوَّاسَ حَرَمِهٖ وَجَعَلَ لَنَا بَیْتًا مَحْجُوْبًا وَحَرَمًا اٰمِنًا وَ جَعَلَنَا حُکَّامَ النَّاسِ۔

”ہر قسم کی حمد وثنا اس اللہ کے لئے مخصوص ہے جس نے ہمیں ابراہیم کی اولاد اور اسماعیل کے سلسلے میں معد اور مضر کی نسل سے پیدا کیا ہے اور ہمیں اپنے گھر (دار الحکومتؐ) حرم کا متولی قرار دیا ہے جس کا حج کیا جاتا ہے اور مقام امن ہے اور ہمیں لوگوں پر حکومت کا حق عطا کیا ہے“۔

یہاں حضرت ابوطالب علیہ السلام نے لفظِ ذرّیت استعمال کیا، ظاہر ہے وہ وراثت نبوت جو حضرت ابوطالب علیہ السلام کو اپنے والد حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کی طرف سے ملی اس میں تبرکات انبیا کے ساتھ ساتھ دعائے ابراہیمؑ کا القا بھی شامل ہوگا کہ ہمارے جد ابراہیمؑ نے یہ دعا مانگی لہٰذا چونکہ ختم نبوت کا دور آچکا تھا اس لئے اب ذریت ابراہیم علیہ السلام کا تخصص واضح کر دیا جائے۔ یہاں حضرت ابوطالب علیہ السلام نے جو لفظ ذریت استعمال کیا ہے وہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا مانگی تھی:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۖ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

(البقرۃ ۱۲۸)

اس دعا میں امت کا لفظ اپنے دور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے تھا اور اس دور میں امت کا لفظ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے لئے ہے۔ اس خطبۂ عقد کو آگے پڑھیں گے تو اس کے اختتام پر حضرت ابوطالب علیہ السلام کی نبوت کا مقصد بھی سمجھ میں آتا ہے اور واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کس طرح گاہے بگاہے اپنی نبوی ذمہ داریوں کا اظہار اور ان کی ادائیگی کرتے رہتے تھے۔ خطبے کے اختتام پر حضرت ابوطالب علیہ السلام نے اس خبر کا اعلان کیا ہے جو اللہ کی طرف سے ان کے سپرد کی گئی تھی:

وَاللّٰهِ بَعْدَ هٰذَا لَهُ نَبَأٌ عَظِيْمٌ وَخَطَرٌ جَلِيْلٌ جَسِيْمٌ.

اور اللہ کی قسم! اس کے بعد اس (محمد بن عبداللہؐ) سے ایک امر عظیم کا ظہور ہونے والا ہے اور وہ بڑے رتبے کا مالک ہے۔

یہاں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہی وہ خبر تھی جسے انبیائے ماسبق لے کر آئے تھے اور سب نے اپنے اپنے دور میں اس خبر کو اپنی اپنی امتوں تک پہنچایا، توریت میں بھی یہ خبر موجود تھی، انجیل میں بھی، زبور میں بھی اور دیگر صحیفوں میں بھی۔ اسی طرح یہ خبر (نبا) تسلسل کے ساتھ آگے آنے والے مخبروں (نبیوں) تک پہنچی اور خبر دینے والا (نبی) اس کو اپنی قوم تک پہنچاتا رہا اور چونکہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے دور میں اس خبر (حضورؐ) کا ظہور ہو چکا تھا تو اب صرف خبر پہنچانا ہی نہیں تھا بلکہ اس وجودِ خبر (پیغمبرؐ) کی طرف اشارہ بھی کر دینا تھا کہ یہی وہ خبر ہے جسے ہر نبی پہنچاتا رہا۔

(کلام) صحیفۂ ابوطالبؑ میں حضورؐ کا تعارف یا خبر:

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی منصبی ذمہ داریوں میں سب سے بڑی ذمہ داری حضورؐ کی معرفت اوران کے محاسن ومکارم اخلاق کا تعارف کرانا تھا جو جابجا ان کے کلام میں نظر آتا ہے۔

قریش نے جب بنی ہاشم کا بائیکاٹ کیا اور جناب ابوطالبؑ، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خاندان بنی ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالب علیہ السلام میں محصور ہوئے تو پورا منظر نامہ نظم کیا اور اس میں ایک شعر میں حضورؐ کے متعلق اس طرح ارشاد فرمایا:

وَ اِنْ كَانَ اَحْمَدُ قَدْ جَاءَهُمْ　　بِحَقٍّ وَ لَمْ يَأْتِهِمْ بِالْكَذِبِ

''جبکہ احمدؐ تو ان کے پاس حق (کا پیغام) لے کر آئے ہیں انھوں نے غلط بات تو نہیں کی''

ایک اور مقام پر حضرت ابو طالبؑ نے حضورؐ کی رسالت ونبوت کی گواہی واضح اور صاف الفاظ میں اس طرح دی:

اَنْتَ الرَّسُوْلُ رَسُوْلُ اللهِ نَعْلَمُهٗ　　عَلَيْكَ نَزَّلَ مِنْ ذِي الْعِزَّةِ الْكُتُبُ

''ہم یہ جانتے ہیں کہ آپؐ ہی رسول حق ہیں جنھیں خداوند عالم نے مبعوث برسالت فرمایا ہے اور اس صاحب عزت وجلال (رب) کی جانب سے آپؐ پر کتاب نازل ہوئی ہے''

شعب ابی طالب علیہ السلام میں اپنے بیٹوں کو حضورؐ کی جگہ پر لٹادیتے تھے اور ان سے ان الفاظ میں رسولؐ کا تذکرہ کرتے:

قَدْ بَلَى الصَّبْرُ الْبَلَاءِ شَدِيْدٌ　　لِفِدَاءِ الْحَبِيْبِ وَابْنِ الْحَبِيْبِ

اَلنَّبِيُّ الْاَغَرِّ ذِي الْحَسَبِ الثَّا　　قِبِ وَ الْبَاعِ وَالْكَرِيْمِ النَّجِيْبِ

اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارے لئے یہ ایک انتہائی سخت آزمائش ہے

لیکن یہ فدا کاری کی خاطر ہے (اُس کے لئے فدا کاری) جو خود محبوب بھی
ہے اور محبوب کا بیٹا بھی۔
وہ نبی جو روشن پیشانی والے ہیں حسب ونسب کے اعتبار سے ستاروں کی
مانند (درخشندہ ہیں)، فضل وشرف میں صاحب جود وکرم ہیں اور نجیب
وشریف ہیں''

ایک اور موقع پر حضرت ابوطالب علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وثنا کرتے ہوئے اور قریش کے لوگوں کو ان کی مخالفت وعداوت سے روکتے ہوئے فرمایا:

اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا ۔۔۔ نَبِيًّا كَمُوْسٰى خُطَّ فِيْ اَوَّلِ الْكُتُبِ
وَ اَنَّ عَلَيْهِ فِي الْعِبَادِ مَحَبَّةً ۔۔۔ وَ لَا خَيْرَ مِمَّنْ خَصَّهُ اللّٰهُ بِالْحُبِّ

''کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ ہم نے محمدؐ کو نبی پایا جس طرح کہ موسیٰؑ نبی
تھے اور یہ بات تو قدیم آسمانی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے،
اور جس شخص کو معبود اپنے محبوب قرار دے اس سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے
اور انؐ کی محبت لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو کر رہے گی''

حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول اللہ ہونے اور دین محمدؐ کے حق ہونے کی گواہی اس طرح دی

وَ لَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِيْنَ مُحَمَّدٍ ۔۔۔ مِنْ خَيْرِ اَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِيْنًا

''اور یقیناً میں یہ بھی جانتا ہوں کہ دین محمدؐ دنیا کے تمام ادیان سے بہتر
ہے۔ (تاریخ ابوالفدا)

کچھ اور نعتیہ اشعار ملاحظ فرمائیں جو حضرت ابوطالب علیہ السلام نے شان محمدؐ میں کہے۔

اَنْتَ النَّبِيُّ مُحَمَّدُ ۔۔۔ قَرْمٌ اَغَرُّ مُسَوَّدٌ

لِمُسَوَّدِيْنَ أَكَارِمُ طَابُوْ وَ طَابَ الْمَوْلَدُ

''اے محمدؐ آپ ہی وہ صاحب شرف ومنزلت سید وسردار نبی ہیں کہ جنھیں
قوم کی قیادت کے لئے چن لیا گیا ہے۔
آپ ان بلند مرتبہ صاحبان فضل وکرم کے آقا ومخدوم ہیں جو اپنی خلقت وطینت میں پاک ہیں اور عادت وخصلت میں بھی۔

درجہ ذیل اشعار میں حضرت ابوطالب علیہ السلام نے جو مدح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے بعد میں اسی مفہوم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ حدیثِ قدسی کے طور پر ارشاد فرمایا وہ حدیثِ قدسی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے متعلق پروردگار کی زبانی ارشاد فرمایا:

يَا أَحْمَدُ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ۔

اے احمد تم نہ ہوتے تو کائنات نہ ہوتی۔ یعنی تم (اے محمدؐ) کائنات کی
ہر مخلوق سے بلند وبرتر ہو حضرت ابوطالب علیہ السلام کے اشعار ملاحظہ ہوں:

لَقَدْ أَكْرَمَ اللّٰهُ النَّبِيَّ مُحَمَّدًا فَأَكْرَمَ خَلْقَ اللّٰهِ النَّاسِ أَحْمَدُ
وَشَقَّ لَهُ مِنْ اِسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ فَذُوا الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَ هٰذَا مُحَمَّدُ

''اللہ نے محمدؐ کو منزلت وکرامت سے (اس طرح) سرفراز فرمایا ہے کہ اللہ
کی تمام مخلوقات میں سب سے بلند مرتبہ ذات احمدؐ کی ذات ہے،
اور اس (اللہ) نے ان کی جلالت قدر کے لئے ان کے نام کو بھی اپنے نام
ہی سے مشتق کیا پس وہ صاحب عرشِ محمود ہے اور یہ محمدؐ ہے''

پروردگار عالم نے قرآن کریم میں عالمین میں منتخب انبیا کا تذکرہ کیا تو واضح الفاظ میں ان انبیا اور ان کی آل کا نام لیا ارشاد ہوا۔

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ إِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى

الْعٰلَمِیْنَ ذُرِّیَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ذُرِّیَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ. (آل عمران ۳۳،۳۴)

بے شک اللہ نے آدم کو نوح کو اور ابراہیم کی اولاد کو اور عمران کی اولاد کو اپنی مخلوقات پر برگزیدہ فرمایا ہے۔ جو مسلسل اولاد ایک سے دوسرے یعنی باپ اور بیٹے کے تواتر سے ہیں اور اللہ سنتا ہے اور جانتا ہے۔

صحیح مسلم میں ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث مروی ہے جو اس آیت کی تفسیر کے طور پر سامنے آتی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی مِنْ وُلْدِ اِبْرَاهِیْمَ اِسْمَاعِیْلَ وَ اصْطَفٰی مِنْ وُلْدِ اِسْمَاعِیْلَ كَنَانَةَ وَ اصْطَفٰی مِنْ بَنِیْ كَنَانَةَ قُرَیْشًا وَ اصْطَفٰی مِنْ قُرَیْشٍ بَنِیْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ هَاشِمٍ

''بے شک اللہ نے ابراہیم کی اولاد سے اسماعیل کو مصطفیٰ فرمایا ہے اور اسماعیل کی اولاد سے کنانہ کو منتخب کیا اور کنانہ سے قریش کو منتخب و مامور فرمایا ہے اور قریش سے بنی ہاشم کو مصطفیٰ کیا اور بنی ہاشم سے ہی میں مصطفیٰ فرمایا گیا ہوں۔ (صحیح مسلم)

اسی روایت کو قبل نزول آیت و قبل درایت روایت حضرت ابوطالبؑ نے اپنے صحیفۂ شعر میں اس طرح محفوظ کیا۔

اِذَا قِیْلَ مَنْ خَیْرُ هٰذَا الْوَرٰی قَبِیْلًا وَّ اَكْرَمُهُمْ اُسْرَةً

اَنَافُ بِعَبْدِ مَنَافٍ اَبٍ وَ فَضَّلَه هَاشِمُ الْعِزَّةِ

لَقَدْ حَلَّ مَجْدُ بَنِیْ هَاشِمٍ مَكَانَ النَّعَائِمِ وَ النَّثْرَةِ

وَ خَیْرُ بَنِیْ هَاشِمٍ اَحْمَدُ رَسُوْلُ الْاِلٰهِ عَلٰی فَتْرَةٍ

''اگر دریافت کیا جائے کہ خاندان اور قبیلے کے اعتبار سے دنیا میں سب سے بہتر کون ہے؟ تو بزرگی کے اعتبار سے جناب عبدِ منافؑ، پھر جناب ہاشمؑ کی ذاتِ گرامی عزت وشرف کا نشان ہے اور خاندان بنی ہاشم کے لوگ تو اس قدر بلند مرتبہ ہیں جیسے آسمان کے ستارے نعائم ونثرہ اور خاندان بنی ہاشم میں سب سے افضل احمدؐ (مجتبیٰ) ہیں جو زمانہ فترت کے بعد خدا کے رسول کی حیثیت سے تشریف لائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل خانہ کعبہ کی تعمیر نو کے موقع پر اہل مکہ کے درمیان اس بات پر اختلاف ہوا کہ اس نئی تعمیر میں ''حجر اسود'' کون نصب کرے گا پھر اس بات پر اتفاق ہوا کہ جو شخص سب سے پہلے یہاں آئے گا وہی اس پتھر کو نصب کرے گا چنانچہ ختمی مرتبتؐ وہاں سب سے پہلے پہنچے اور سب خوش ہو گئے کہ یتیم عبداللہ کے دست مبارک سے یہ کام انجام پائے گا لیکن ایک نجدی شیطان نے اعتراض اٹھایا کہ بزرگوں کی موجودگی میں ایک یتیم لڑکا یہ کام انجام دے گا اس موقع پر حضرت ابوطالب علیہ السلام نے درج ذیل اشعار پڑھے:

إِنَّ لَنَا أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ فِي الْحُكْمِ وَالْعَدْلِ الَّذِي لَا نُنْكِرُهُ
وَقَدْ جَهَدْنَا جُهْدَنَا لِنُعْمِرَهُ وَقَدْ عَمَرْنَا خَيْرَهُ وَأَكْثَرَهُ
فَإِنْ يَكُنْ حَقًّا فَفِينَا أَوْفَرُهُ

اس گھر کی ابتدا اور انتہا ہمارے ہی ذریعہ سے ہے اور عدل وانصاف کی میزان پر یہ ایسی بات ہے جس کا انکار ممکن نہیں ہے۔

ہم نے اس گھر کی تعمیر اور آبادی کے لئے ہر ممکن کوشش کی ہے اسے خیر کا مرکز بھی بنایا ہے اس میں اضافہ بھی کیا ہے،

اب اگر (ان خدمات کی بنا پر کسی کا) کوئی حق بنتا ہو تو ہمارا حق تو سب سے

زیادہ قرار پائے گا"

ان اشعار سے بھی یہ اشارہ ملتا ہے کہ کعبے کی ابتدا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ سے ہوئی ہے اور حضرت ابوطالب علیہ السلام بھی اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ہم اس کی ذریت ہیں سے معمار کعبہ کہا جاتا ہے۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی نبوت ووصایت کی ایک اور واضح وروشن دلیل جس سے اس وے کو استدلالی تقویت ملتی ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام پروردگار کی طرف سے نباءِ عظیم یعنی ظیم خبر کے امین تھے اور اس امانت کی وجہ سے خاموش رسالت یعنی نبوت لنفسہٖ کا عہدہ بھی کھتے تھے۔ درج ذیل اشعار پڑھئے اور بتایئے کیا یہ الہامی کیفیت نہیں ہے؟ کیا یہ ابوطالبؑ ے ہادی وقت ہونے کی دلیل نہیں؟ کیا یہ اشعار حضرت ابوطالب علیہ السلام کے نبی ہونے پر دلالت یں کرتے؟ کیا یہ اشعار یہ نہیں بتاتے کہ جناب ابوطالبؑ اپنے عہد کے سب سے بڑے عالم تھے؟

قُلْ لِمَنْ كَانَ مِنْ كِنَانَةَ فِي الْعِزِّ   وَأَهْلَ النَّدىٰ وَأَهْلَ الْفِعَالِ
قَدْ أَتَاكُمْ مِنَ الْمَلِيكِ رَسُوْلٌ   فَاقْبَلُوْا بِصَالِحِ الْأَعْمَالِ
فَاقْبَلُوْا أَحْمَدَ فَإِنَّ مِنَ اللهِ   رِدَاءٌ عَلَيْهِ غَيْرُ مُذَالِ

"بنی کنانہ (قریش) کے جو لوگ صاحب عزت وشرف اہل جود وکرم
اور کچھ کارنامے انجام دیتے ہیں سب کو بتا دیا جائے کہ
مالک الملک کی طرف سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا چکے ہیں لہٰذا نیک اعمال
کے ساتھ ان کا استقبال کرو،
احمدؐ کا ساتھ دو کیونکہ اللہ نے انھیں (عزت وعظمت وجلال کا) وہ لباس
عطا فرمایا ہے جس کو کبھی زوال نہیں ہوگا"

تاریخ نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کا ایک عظیم شعر محفوظ کیا ہے جو برسوں بعد بھی لوگوں کے ذہنوں میں محفوظ تھا واقعہ کچھ یوں ہے۔

''ایک اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عالم یہ ہے کہ چہرے سے غم والم کے آثار نمایاں ہیں اور آنکھوں سے امید وآس کی روشنی جھلک رہی ہے، عرض کرنے لگا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عالم میں آیا ہوں کہ نہ جانور رہ گئے ہیں نہ اطفال، قحط وخشک سالی نے بالکل تباہ وبرباد کردیا ہے یہ کہا اور کچھ اشعار پڑھے جس میں اپنے حالات کی صحیح عکاسی تھی۔'

یہ سننا تھا کہ حضرتؐ اٹھے چہرے سے غم کے آثار نمودار، دل بے چین، عبا دوش پر ڈالی منبر پر تشریف لے گئے حمد وثنائے الٰہی کے بعد یوں دست بدعا ہو گئے۔

''خدایا پانی برسادے تاکہ خشک زدہ زراعتیں ٹھیک ہوجائیں، جانوروں کے تھنوں میں دودھ پیدا ہوجائیں اور پھر سے زندہ ہوجائیں''۔

ابھی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ آسمان پر بجلیاں دوڑنے لگیں اور زمین پر رحمت کی بارش ہونے لگی کیسی بارش؟ ایسی موسلا دھار کہ لوگ فریاد کرنے لگے ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب ڈوبے اب ڈوبے''

یہ سننا تھا کہ ہاتھ پھر اٹھ گئے وہ ہاتھ کہ جن کی دعا رد نہیں ہوتی، لبوں کو پھر جنبش ہوگئی وہ لب کہ جن کی امید نا امید نہیں ہوتی ''اب ہم پر نہیں بلکہ اطراف وجوانب پر''

زبان پر کلمات جاری ہوئے اور گھرے ہوئے بادل چھٹنے لگے، آئے ہوئے ابر ہٹنے لگے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لبوں سے تبسم کھیلنے لگا اور دفعتاً خیال ماضی میں کھو گیا، ابوطالبؑ کی یاد نے تڑپا دیا ''خدا بھلا کرے ابوطالبؑ کا، اگر آج زندہ ہوتے تو کس قدر خوش ہوتے، ارے کوئی مجھے ان کے شعر سنائے'' باپ کا جانشین، رسالت کا محافظ اٹھ کھڑا ہوا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاید آپ کی مراد یہ شعر ہے

وَاَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

وہ روشن چہرے والے جن کے روئے انور کی تابندگی کا واسطہ دے کر (خدا سے) بارش کی درخواست کی جاتی ہے (وہ محمد مصطفیٰ ﷺ) یتیموں کے سرپرست اور بیواؤں کی حفاظت وخبر گیری کرنے والے ہیں' رسول اکرم ﷺ نے تائید کی اور علیؑ نے باقی اشعار دہرانا شروع کردیئے اب حضرت ہیں کہ مسلسل اپنے چچا کیلئے منبر سے استغفار (دعا) کرتے چلے جارہے ہیں یہاں تک کہ ایک مرتبہ بنی کنانہ کا ایک شخص کھڑا ہوگیا اور یہ اشعار پڑھنا شروع کیا۔

لَكَ اَلْحَمْدُ والحمد ممن شكر سقينا بوجه النبی المطر

دعا الله خالقه دعوة اليه واشخص منه البصر

فَلَمْ يك الا كالفر الردا واسرع حتى الينا الدرر

دفاق العزالى جم البعاق اغاث به الله عطياً مضر

فكان كما قاله عمه ابوطالب ابيض ذوعزر

به الله يسقيه صوب الغمام و هذا لعيان لذاك الخبر

''خدایا (ہم) تیرے شکر گذاروں کی طرف سے تیری حمد تو نے نبیؐ کریم کے واسطے سے ہمیں سیراب کردیا نبی اکرم نے اپنے خالق سے دعا کی اس کے بعد نظریں جھکائیں ابھی کوئی وقفہ نہ ہوا تھا کہ بارش شروع ہوگئی۔

ایسی موسلا دھار لگاتار بارش کہ جس سے قوم مضر کی جان بچ گئی سچ کہا تھا حضرت ابوطالبؑ نے یہ رسولؐ بابرکت اور کریم ہے۔

اسی کے وسطے سے بارش ہوتی ہے بس فرق یہ ہے کہ وہ قول خبر تھا اور آج اس کا مشاہدہ بھی ہوگیا''

حاملِ الہام ابوطالبؑ کے صحیفے میں قرآنی الفاظ کی مماثلت:

القرآن سورہ مومنون آیت ۷۰:

أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ

"یا وہ کہتے ہیں وہ مجنون ہے؟ نہیں بلکہ وہ ان لوگوں کے پاس حق لے کر آئے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ حق کو ناپسند کرتے ہیں"

کلام حضرت ابوطالب علیہ السلام:۔

وَإِنْ كَانَ أَحْمَدُ قَدْ جَاءَهُمْ بِحَقٍّ وَلَمْ يَأْتِهِمْ بِالْكَذِب

جبکہ احمد تو ان کے پاس حق لے کر آئے ہیں انھوں نے کوئی غلط بات نہیں کی۔

القرآن سورہ توبہ آیت ۳۳

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

وہ خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کردے

کلام حضرت ابوطالبؑ:

يَقُولُونَ لِي دَعْ نَصْرَ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَغَالِبْ لَنَا غُلَّابَ كُلِّ مُغَالِبِ

یہ لوگ مجھ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ میں اس کی مدد و نصرت ترک کردوں جو ہدایت کا پیغام لے کر آیا ہے

القرآن سورہ مزمل آیت ۱۵

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولًا.

(اے لوگو) ہم نے تمہاری طرف ایک رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا

کلام حضرت ابوطالب علیہ السلام:۔

أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا "نَبِيًّا كَمُوسَى" خُطَّ فِي أَوَّلِ الْكُتُبِ

کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ ہم نے محمدؐ کو نبی پایا جس طرح موسیٰ نبی تھے اور یہ بات تو قدیم آسمانی کتابوں میں لکھی ہے۔

القرآن سورہ اعراف آیت ۱۷۸

مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ "الْمُهْتَدِيْ"

جس کو خدا نے ہدایت دی وہی ہدایت یافتہ ہے۔

کلام حضرت ابوطالبؑ:۔

أَنِّيْ عَلَى دِيْنِ النَّبِيِّ أَحْمَدَ مَنْ ضَلَّ فِي الدِّيْنِ فَإِنِّيْ "مُهْتَدِيْ"

(سب کو بتا دو کہ) میں احمدؐ کے دین پر ہوں اگر کوئی گمراہ ہے (تو ہوا کرے) لیکن میں یقیناً ہدایت یافتہ ہوں۔

القرآن سورہ مائدہ آیت ۱۹

يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ "عَلٰى فَتْرَةٍ" مِّنَ الرُّسُلِ

اے اہل کتاب ہمارا رسول تمھارے پاس اس وقت پہنچا جب رسولوں کے سلسلے میں خاموشی کا دور تھا

کلام حضرت ابوطالبؑ:۔

وَخَيْرُ بَنِىْ هَاشِمٍ اَحْمَدَ رَسُوْلُ الْاِلٰهِ عَلٰى فَتْرَةٍ

اور خاندان ہاشم میں سب سے افضل احمدؐ ہیں جو زمانہ فترت میں معبود کے رسول کے حیثیت سے تشریف لائے۔

القرآن سورہ فاتحہ آیت ا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تمام تعریف عالمین کے پالنے والا اللہ کے لیئے

کلام حضرت ابوطالبؑ:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ قَدْ شَرَّفَا۔

تمام تعریف ہے اللہ کی جس نے ہمیں شرف بخشا۔

قصص انبیا ہم تک کیسے پہنچے:

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر پچھلی امتوں اور ان کے متعلق خاص قصوں کا ذکر موجود ہے مثلاً قوم عاد، قوم ثمود، ناقۂ صالح وغیرہ، اب کلام حضرت ابوطالب علیہ السلام میں ان قصص کا تذکرہ ملاحظہ فرمائیں اسی سے ایک اور نکتہ بھی سامنے آتا ہے کہ قرآن کریم میں سوائے چند انبیا کے دیگر انبیا کے حالات اجمالاً موجود ہیں لیکن آج ہمارے پاس جو قصص الانبیا موجود ہیں ان میں انبیا کے حالات تفصیل سے درج کئے گئے ہیں جب قرآن میں اتنی تفصیل موجود نہیں تو یہ حالات ہم تک کیسے پہنچے یقیناً اس کا جواب یہی ہوگا کہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سے پہنچے تو اب سوال اٹھتا ہے کہ جب وحی الٰہی میں نہیں ہیں تو ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کیسے یہ حالاتِ انبیا پہنچے تو یہی جواب آئے گا کہ یہ انبیا کے حالات کا تفصیلی تذکرہ سینہ بہ سینہ وراثت انبیا کا ایک حصہ ہیں جو یقیناً نسل ابراہیمؑ کی مختلف شاخوں سے ہوتا ہوا اجداد رسولؐ اور پھر ان کے بعد جناب

عبدالمطلبؑ اور پھر جناب ابوطالبؑ کے ذریعے ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ تفصیلی حالات پہنچے اور انھوں نے اپنی امت تک یہ حالات انبیا پہنچائے ملاحظہ ہو کلام ابوطالبؑ:

کلام حضرت ابوطالبؑ:۔

تَكُوْنُ لِغَيْرِ كُمْوُ عِبْرَةٌ وَرَبِّ اَلْمَغَارِبِ وَاَلْمَشْرِقِ
كَمَا نَالَ مَنْ كَانَ مِنْ قَبْلِكُمْ ثَمُوْدَ وَعَادَ فَمَنْ ذَا بَقِيْ
فَحَلَّ عَلَيْهِمْ بِهَا سُخْطَةٌ مِنَ اللهِ فِيْ ضَرْبَةِ الْاَزْرَقِ
غَدَاةً اَتَتْهُمْ بِهَا صَرْصَرَ وَ نَاقَةُ ذِيْ الْعَرْشِ اِذْ تَسْتَقِيْ
غَدَاةُ يُعِضُّ بِعُرْقُوْبِهَا حُسَاماً مِنَ الْهِنْدِ ذَا رَوْنَقِ

مغرب و مشرق کے پالنے والے کی قسم تم ایسے مصائب و آلام میں گرفتار ہو گے جو غیروں کے لئے باعث عبرت ہوں گے جیسا کہ تم سے قبل قوم ثمود اور عاد مصائب و آلام میں گرفتار ہو چکی ہیں پھر کون ان میں سے باقی بچا؟ جب ان لوگوں (قوم ثمود) نے اس اونٹنی کے پیر کاٹ ڈالے تو ان لوگوں پر خدا کی طرف سے عذاب آیا ناقہ صالح جو پانی پینے نکلی تھی تو ان لوگوں پر آندھیوں کا عذاب آیا۔

القرآن سورہ ناس آیت ۱

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ

کہہ دو پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے پالنے والے کی۔

کلام ابوطالبؑ:۔

اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مِنْ كُلِّ طَاعِنٍ

پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے پالنے والے کی ہر اس شخص سے جو ہماری

طرف کسی برائی کی قیمت لگائے۔

کلام ابوطالبؑ میں ارکان حج کی تفصیل:

آج ہر فرقہ اسلامی میں یہی ارکان حج رائج ہیں جو قبل از اعلان رسالت محمدؐ حضرت ابوطالبؑ نے اپنی نبوت ووصایت کی گواہی میں پیش کر دیئے تھے۔

وَ بِالْبَيْتِ رُكْنٍ مِنْ بَطْنِ مَكَّةٍ وباللہ اِنَّ اللهَ لَيْسَ بِغَافِلٍ
وَ بِالْحَجَرِ الْمُسَوَّدِ اِذْ يَمْسَحُوْنَهٗ اِذَا كَتَنَفُوْهُ بِالضُّحٰى وَالْاَصَائِلِ
وَمَوْطِيءِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الصَّخْرِ رَطْبَةً عَلٰى قَدَمَيْهِ حَافِياً غَيْرَ نَاعِلٍ
وَاَشْوَاطِ بَيْنَ الْمَرْوَتَيْنِ اِلَى الصَّفَا وَمَا فِيْهَا مِنْ صُوْرَةٍ وَتَمَاثِلِ
وَمَنْ حَجَّ بَيْتَ اللهِ مِنْ كُلِّ رَاكِبٍ وَمِنْ كُلِّ ذِيْ نَذْرٍ وَمِنْ كُلِّ رَاحِلٍ
وَ بِالْمَشْعَرِ الْاَقْصٰى اِذَا عَمَدُوْا لَهٗ اِلَالٍ اِلٰى مُفْضَى السِّرَاجِ الْقَوَابِلِ
وَ تَوْقَافِهِمْ فَوْقَ الْجِبَالِ عَشِيَّةً يُقِيْمُوْنَ بِالْاَيْدِيْ صُدُوْرُ الرَّوَاحِلِ
وَ لَيْلَةِ جَمْعٍ وَ الْمَنَازِلُ مِنْ مِنًى وَمَا فَوْقَهَا مِنْ حُرْمَةٍ وَمَنَازِلِ
وَ جَمْعٍ اِذَا مَا الْمَقْرُبَاتُ اَجِزْنَهٗ سِرَاعاً كَمَا يَفْزَعْنَ مِنْ وَقْعِ وَابِلِ
وَ بِالْجَمْرَةِ الْكُبْرٰى اِذَا صَمَدُوْ لَهَا يَوءُمُّوْنَ قَذْفاً رَاْسَهَا بِالْجَنَادِلِ

''اور مکہ کی سرزمین پر جو خدا کا گھر ہے، اس گھر کی پناہ اور رکن (مقام) کی پناہ مانگتا ہوں اور اللہ کی پناہ مانگتا ہوں یقیناً اللہ (اپنے بندوں سے) غافل نہیں رہتا، اور حجر اسود جسے لوگ چھوتے ہیں اور دن رات اس سے لپٹے رہتے ہیں، مقام ابراہیمؑ وہ پتھر جو اتنا نرم ہو گیا تھا کہ ابراہیمؑ نے اپنے کھلے ہوئے پیروں کو اس پر رکھا، وہ جو صفا ومروہ کے درمیان اٹھائے جاتے ہیں اور جس کی یاد میں یہ تمثیل (سعی بین الصفا والمروہ) کی جاتی

ہے اور وہ تمام لوگ جو نذر کر کے خانۂ خدا کا حج کرنے سواریوں پر یا پیدل
آتے ہیں اور عرفات و مشعر الحرام جس کا لوگ قصد کرتے ہیں اور عرفات
کی وہ بلند جگہ جہاں دینی پیشوا خطبہ دیتا ہے اور اس کی وہ وادیاں اور نشیبی
علاقے جو پانی کی گذرگاہ ہیں اور حاجیوں کا شام کے وقت تک پہاڑیوں
پر وقوف کرنا جہاں وہ اونٹنیوں پر پھرتے رہتے ہیں خدا کی بارگاہ میں اتنی
تیزی سے قربانی کرتے ہیں جیسے کوئی شخص بارش سے بھاگ رہا ہو اور یہ
لوگ بڑے شیطان کے سر پر کنکریوں سے ضرب لگاتے ہیں"۔

اظہار ایمان اور کتم ایمان (تقیّہ):

از روئے قرآن اعلانِ اسلام اور اعلان ایمان میں فرق ہے اور قرآن نے ایمان اور اسلام کی اصطلاحات کو واضح طور پر استعمال بھی کیا ہے۔ اس رُو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں ضروری نہیں کہ ایمان بھی داخل ہو جبکہ ایمان میں یقینی طور پر اسلام بھی شامل ہوتا ہے۔ آیئے ہم قرآنی آیات کے ذیل میں ایمان و اسلام کے فرق کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کس منزل پر تھے اور انہوں نے اگر تقیہ کیا تو کس چیز کا تقیہ کیا یعنی اگر چھپایا تو کیا چھپایا؟

قرآن کریم میں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ اللہ مومنین کی گواہی کو قبول کرتا ہے منافقین کی گواہی کو قبول نہیں کرتا اس ضمن میں سورۂ منافقون کی پہلی آیت ملاحظہ ہو:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ۔

جب منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں
کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کو علم ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں لیکن

اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین (اپنے دعوے میں) جھوٹے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ منافق کو منافق کس لئے کہا جاتا ہے تو اس کا سیدھا، صاف اور آسان جواب یہ ہے کہ جس کا دل اس کی زبان کے موافق نہ ہو یعنی دل میں کچھ اور ہو اور زبان پہ کچھ اور تو ایسے شخص کو منافق کہا جاتا ہے۔ یعنی دل اور زبان ایک ہونے چاہئیں۔ لیکن جب ہم قرآن کی کچھ اور آیتیں پڑھتے ہیں تو یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ قرآن دل کے اخلاص کا قائل ہے یعنی صرف زبانی دعویٰ نہیں بلکہ دل بھی اس کی گواہی دے جیسے کہ سورۂ حجرات آیت ۱۴ میں ارشاد فرمایا:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ.

یہ بدو عرب کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ اسلام لائے ہیں ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔

ان آیات کی رُو سے دل میں ایمان کا داخلہ زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور قابل قبول ہے بہ نسبت زبان کی گواہی کے اور قرآن تو اس سے بھی آگے کی بات کرتا ہے جہاں بتا دیا گیا ہے کہ دل میں اگر ایمان محفوظ ہے اور زبان پر اس کا اقرار نہیں ہے کسی ایسی وجہ سے جس سے جان کو خطرہ لاحق ہو تو ایسے ہر دل کا ایمان اللہ قبول کرتا ہے جہاں زبان اس کے مخالف ہی گواہی کیوں نہ دے۔ جس طرح حضرت عمارؓ بن یاسر کے بارے میں قرآن کی آیت موجود ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ. (سورۃ النحل ۱۰۶)

جو شخص ایمان لانے بعد کفر اختیار کر لے سوائے اس شخص کے کہ جسے کفر پر
مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو-----

قریش نے حضرت عمارؓ، ان کے والد یاسرؓ اور ان کی والدہ سمیہؓ کو مرتد ہو جانے پر مجبور کیا عمار کے ماں باپ نے تو انکار کیا اور وہ دونوں قتل ہو گئے اور اسلام کے پہلے شہید قرار پائے لیکن عمارؓ ان کی اذیتوں کے متحمل نہ ہو سکے اور مجبوراً وہ کلمہ جو کفار کہلانا چاہتے تھے اپنی زبان سے کہہ دیا کسی نے جا کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! عمار کافر ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا عمار سر سے پاؤں تک ایمان سے مملو ہیں، ان کے گوشت پوست میں ایمان مخلوط ہے۔ غرض عمارؓ وہاں سے چھوٹ کر روتے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھے اور فرمایا کوئی مضائقہ نہیں اگر پھر وہ لوگ تم کو تکلیف دیں تو پھر اسی طرح کہہ دینا جو کچھ کہہ چکے ہو اور درج بالا آیت تلاوت فرمائی۔

ہم اپنے قارئین کو یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ کتم ایمان کی اجازت کے باوجود حضرت ابوطالب علیہ السلام نے گاہے بگاہے اپنے ایمان کا اعلان کیا ہے اس کے لئے اشعارِ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی مثالیں گواہ ہیں جو ہم کئی مقامات پر پیش کر چکے ہیں۔ لیکن حضرت ابوطالب علیہ السلام نے اپنی نبوت و وصایت کے منصب کو چھپایا کیونکہ اس منصب کے اعلان کی انہیں اللہ کی طرف سے اجازت نہیں تھی یعنی کیونکہ وہ نبی لنفسہٖ بنا کر بھیجے گئے تھے یا یوں کہئے کہ وہ اپنے گھر والوں کے لئے نبی یا وصیٔ نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اس لئے انہوں نے باہر اعلان نہیں کیا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ پیغمبرؐ ایک عرصے تک مکے میں خاموش تبلیغ کرتے رہے یعنی اپنا منصب چھپاتے رہے حالانکہ خود اپنی حدیث کے مطابق (میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام ماء و تین کے درمیان تھے) نبی تھے لیکن ایک عرصے تک اعلان نبوت نہ کیا جو عین مرضیٔ الٰہی کے تحت تھا اور مکے

والوں کو چالیس برس یہ بات نہیں بتائی لیکن جب اجازت الٰہی ملی تو نبوت کے منصب کا اعلان کر دیا۔ ثابت یہ ہوا کہ اصل چیز اذن اللہ یعنی اللہ کی اجازت ہے جس کے تحت حضرت ابوطالب علیہ السلام بھی اپنا ایمان چھپاتے رہے اگر زندگی اور ہوتی تو یقیناً وہ وقت بھی آتا جب حضرت ابوطالب علیہ السلام وصیٔ انبیا کے طور پر کل امت مسلمہ کے سامنے آتے اور اس چیز کا اظہار انہوں نے اپنی آخری وصیت میں بھی فرمایا ہے۔

ایمان چھپانا (تقیہ) اور قرآن وحدیث:

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"لا ایمان لمن لا تقیّة له"

جس میں تقیہ نہیں اس میں ایمان نہیں۔

اصول کافی میں محمد ابن مسلم اور زرارہ سے منقول ہے کہ ہم نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا آپ نے فرمایا:

"جب فرزند آدم کسی مقام پر مجبور ہو جائے تو اس کے لئے تقیہ جائز ہو جاتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "تقیہ خدا کی طرف سے مومن کے لئے ڈھال ہے جس کے ذریعے سے وہ مخلوق خدا سے تحفظ حاصل کرتا ہے۔"

قرآن مجید میں سورۃ آل عمران میں بھی صراحت کے ساتھ تقیےؔ کی اجازت دی گئی ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ. وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً. وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ. وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ. (آل عمران ۲۸)

اہل ایمان کو چاہیے کہ مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست وسرپرست نہ

بنائیں اور جو بھی ایسا کرے گا تو اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہ ہو گا ہاں اگر تم ان سے بچنے کے لئے ایسا کرو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ خدا تمہیں اپنی ہستی سے ڈراتا ہے اور تمہیں اس کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

مومن آل فرعون اور حضرت آسیہؑ

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ میں حضرت حزبیل یا حضرت حزقیلؑ اور جناب آسیہؑ ایسی شخصیتیں موجود ہیں جو اسی حکم ''تقیہ'' پر عمل کر رہی تھیں اور یہ بحکم پروردگار تھا اور اس سنت الٰہیہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب کسی نبی کی پرورش یا تحفظ کا مسئلہ درپیش ہو تو پروردگار ایسی ہستیوں کو مقرر کر دیتا ہے جو دل میں ایمان باللہ رکھتے ہیں لیکن ظاہراً اللہ کے حکم سے اعلان ایمان نہیں کرتے تاکہ نبی کی پرورش و حفاظت بحسن و خوبی ہوتی رہے۔ یہی ذمہ داریاں حزقیلؑ و آسیہؑ نے ادا کیں۔ سورۂ مومن میں مومنِ آل فرعون کا تذکرہ قرآن نے اس انداز سے کیا اور انہیں آیات سے حضرت ابوطالبؑ کی دینی ذمہ داریوں پر روشنی پڑتی ہے۔ یعنی حضرت ابوطالبؑ بھی بحکمِ خدا اپنے امور انجام دے رہے تھے جو ان کے منصب نبوت وصایت کا حصہ تھیں۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ۔

(غافر۔۲۸)

اور کہا مرد مومن آل فرعون میں سے جو اپنے ایمان کو چھپاتا تھا کیا تم مارتے ہو ایسے مرد کو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ لایا ہے تمہارے پاس واضح دلیلیں اپنے رب کی طرف سے اور اگر وہ جھوٹا ہو گا تو اسی پر ہو گا اپنے

جھوٹ کا وبال اور اگر وہ سچا ہوگا تو پہنچے گا تمہیں بعض وہ جس کا تمہارے
ساتھ وعدہ کرتا ہے تحقیق اللہ نہیں ہدایت کرتا اس کو جو حد سے تجاوز کرنے
والا جھوٹا ہو۔

علامہ مجلسیؒ حیات القلوب میں ثعلبی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

حزبیل (حزقیلؑ) فرعون کے اصحاب میں نجار تھا۔ وہ وہی تھے جنہوں نے مادر موسیٰ علیہ السلام کے لئے تابوت بنایا تھا بعض نے کہا ہے کہ وہ فرعون کے خزانچی تھے۔ سو سال تک اپنا ایمان پوشیدہ رکھا۔ یہاں تک کہ جس روز موسیٰ علیہ السلام ساحروں پر غالب ہوئے اس روز اپنا ایمان ظاہر کیا اور ساحروں کے ساتھ قتل کئے گئے۔ اور حزقیل کی زوجہ فرعون کی لڑکیوں کی مشاطہ تھی اور مومنہ تھیں۔ آگے چل کر علامہ مجلسیؒ لکھتے ہیں: "آسیہؑ کے بارے میں یہ ہے کہ وہ بنی اسرائیل سے تھیں اور مومنہ مخلصہ تھیں۔ فرعون کے محل میں پوشیدہ طور پر خدا کی عبادت کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ فرعون نے زنِ حزقیلؑ کو قتل کیا۔ اس وقت آسیہؑ نے دیکھا کہ اس مومنہ کی رُوح فرشتے آسمان پر لے جاتے ہیں ان کا یقین اور بھی زیادہ ہوگیا۔ اسی اثنا میں فرعون ان کے پاس آیا اور اس مومنہ کا قصہ آسیہؑ سے بیان کیا، آسیہؑ نے کہا کہ اے فرعون تجھ پر وائے ہو یہ کیا جرأت ہے کہ جو خدا کے مقابلے میں تو کر رہا ہے۔ فرعون نے کہا تو بھی اسی عورت کی طرح دیوانی ہوگئی ہے۔ آسیہؑ نے کہا نہیں بلکہ میں اس خدا پر ایمان لائی ہوں جو میرا تیرا اور تمام عالم کا پروردگار ہے۔ یہ سن کر فرعون نے مادر آسیہؑ کو طلب کیا اور کہا تیری لڑکی دیوانی ہوگئی ہے۔ اس سے کہہ دے کہ موسیٰ علیہ السلام کے خدا سے انکار کردے ورنہ موت کا مزہ اس کو بھی چکھاتا ہوں ماں نے ہر چند سمجھایا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا تو فرعون کے حکم سے ان کو جلادوں نے چار میخوں پر کھینچا اور عذاب دیا یہاں تک کہ وہ شہید ہوگئیں۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ جس وقت ان پر عذاب کیا جا رہا تھا ان کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا گزر ہوا آپ نے دعا کی تو خدا نے سزا کی تکلیف ان سے زائل کردی

یعنی فرعون کے عذاب کی ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔اس حال میں آسیہؑ نے کہا خدایا میرے لئے بہشت میں ایک مکان بنا تو خطاب ہو کہ اوپر نگاہ کرو جب دیکھا اپنی جگہ بہشت میں نظر آئی تو خنداں ہو گئیں۔

قرآن کریم آگے چل کر مومن آل فرعون کے چند اور جملوں کو بھی نقل کرتا ہے جس میں انہوں نے قوم کو پچھلی امتوں اور ان پر آنے والے عذاب سے ڈرایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ. مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ.(غافر ۳۰،۳۱،۳۲)

اس باایمان شخص نے کہا: اے میری قوم مجھے تمہارے بارے میں گزشتہ اقوام کے (عذاب) کے دن کی طرح کا خوف ہے۔ میں قوم نوح ،عاد، ثمود اور ان کے بعد والے لوگوں کی شرک اور کفر اور سرکشی جیسی عادت سے ڈرتا ہوں اور خدا بندوں پر ظلم نہیں چاہتا۔ اور اے قوم میں تمہارے بارے میں باہمی فریاد کے دن سے ڈر رہا ہوں۔

قرآن کی یہ آیات پڑھنے کے بعد حضرت ابوطالبؑ کے چند کلمات ملاحظہ فرمائیں انہوں نے بھی اپنی قوم کو اسی طرح گزشتہ امتوں کا عذاب یاد دلایا ہے۔ یہاں قارئین کی آسانی کے لئے کلام ابوطالبؑ کے یہ کلمات ہم دوبارہ نقل کر رہے ہیں۔ جو پچھلے صفحات میں کسی اور موضوع کے تحت گزر چکے ہیں۔

تَكُوْنُ لِغَيْرِ كُمُوْ عِبْرَةٌ وَرَبِّ الْمَغَارِبِ وَالْمَشْرِقِ

كَمَا نَالَ مَنْ كَانَ مِنْ قَبْلِكُمْ ثَمُودَ وَعَادَ فَمَنْ ذَا بَقِيْ
فَحَلَّ عَلَيْهِمْ بِهَا سُخْطَةٌ مِنَ اللهِ فِيْ ضَرْبَةِ الْاَزْرَقِ
غَدَاةَ اَتَتْهُمْ بِهَا صَرْصَرَ وَ نَاقَةُ ذِيْ الْعَرْشِ اِذْ تَسْتَقِيْ
غَدَاةُ يُعِضُّ بِعُرْقُوْبِهَا حُسَاماً مِنَ الْهِنْدِ ذَا رَوْنَقِ

مغرب و مشرق کے پالنے والے کی قسم تم ایسے مصائب و آلام میں گرفتار ہو گے جو غیروں کے لئے باعث عبرت ہوں گے جیسا کہ تم سے قبل قوم ثمود اور عاد مصائب و آلام میں گرفتار ہو چکی ہیں پھر کون ان میں سے باقی بچا؟ جب ان لوگوں (قوم ثمود) نے اس اونٹنی کے پیر کاٹ ڈالے تو ان لوگوں پر خدا کی طرف سے عذاب آیا ناقۂ صالح جو پانی پینے نکلی تھی تو ان لوگوں پر آندھیوں کا عذاب آیا۔

حضرت ابوطالبؑ نے اپنے منصب کا تقیہ کیا ایمان کا نہیں

یہاں ہم یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ ان کا اخلاق، ان کا ایثار، ان کے ایمان باللہ کا صریحاً اعلان، نبوت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صریحی اعتقاد اور ایقان جوان کے کلام سے ظاہر ہے۔ یہ سب باتیں شاہد ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ نے اپنے ایمان کو نہیں چھپایا بلکہ اپنے منصب نبوت و وصایت و امامت کو چھپایا اور یہی ان کی ذمہ داری تھی کہ اپنے منصب کا اعلان نہ کر کے آنے والے نبی کی جان کی حفاظت کرنا ہے۔

قوی امکان یہی تھا کہ اگر اجداد رسول جو ذریت ابراہیم ہیں اپنی نبوتوں کا اعلان کر دیتے تو ان کی بھی جان کو سنگین خطرات لاحق ہو جاتے اور وہ نور جو صلب اجداد نبی میں منتقل ہو کر آخری مستقر تک پہنچا قبل ظہور ہی گل ہو جاتا۔

اس نور کی منتقلی کا ذکر قرآن نے بھی بڑے واضح الفاظ میں کیا ہے۔

وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِينَ۔(الشعراء-۲۱۹)

(اے رسولؐ) خدا آپ کو ساجدین (کے اصلاب) میں منقلب ہوتے دیکھتا ہے۔

یعنی نورِ محمدی سجدہ کرنے والوں میں منتقل ہوتا رہا اور یہ سب کے سب ذریت ابراہیمؑ میں سے تھے اور ایک لمحے کے لئے بھی بت پرستی نہیں کی۔ علی ابن ابراہیم قمی کی تفسیر اور تفسیر برہان میں ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: قسم بخدا میرے بابا (جناب ابی طالبؑ) دادا عبدالمطلب اور نیز ہاشم و عبدالمناف نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔

سائل نے عرض کی: یہ سب کس کی عبادت کرتے تھے؟

آپؑ نے فرمایا: دین ابراہیمؑ کے تحت سمت کعبہ نماز ادا کیا کرتے تھے۔

(ابوطالب مظلومِ تاریخ، تفسیر برہان)

غیروں کی روایت پر بھروسہ کیوں کریں؟

درج سابق روایت وہ روایت ہے جو ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کی روایات کا حصہ ہے اور گھر کے معاملات گھر والے ہی بہتر بتا سکتے ہیں۔ ہم ان روایات پر کیوں بھروسہ کریں جو غیروں نے دشمنیٔ اہلبیتؑ میں وضع کی ہوں تا کہ روحانیت و نورانیت پیغمبر ثابت نہ ہو سکے اور انہیں اپنی طرح کا عام بشر بتایا جا سکے ہم ان روایات کو تسلیم کیوں نہ کریں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصل مقام و مرتبے اور علو منزلت پر روشنی پڑتی ہے۔ جو کہ عین حق و حقیقت ہیں۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کافر بتا کر تاریخ اسلام کی کچھ اور شخصیتوں کے اجداد کے کفر کے معاملے کو ہلکا بنا گیا تا کہ یہ بتایا جا سکے کہ حضرت علی علیہ السلام کے والد بھی **(نعوذباللہ من ذالک)** کافر تھے۔ تو دیگر کے والد کافر ہوئے تو کیا ہوا؟

یہ وہ معاملات ہیں جن کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے اور یہیں سے مومن خالص کے

ایمان کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ جانبداری اور غیر جانبداری کے کس مرحلے میں ہے؟ آج انہی جھوٹی اور گھڑی ہوئی روایات کی وجہ سے اسلامی اقدار کا مذاق پوری دنیا میں اڑایا جاتا ہے۔ انہیں جھوٹی اور توہین آمیز روایتوں کی وجہ سے آج یہ نوبت آگئی ہے کہ عالمی اخبارات میں گستاخیٔ رسولؐ کے مناظر نظر آتے ہیں۔ خدارا ہوش کے ناخن لیں باطل کو حق کا لباس پہنانے کی کوشش نہ کریں۔ کسی کے علو مرتبت کو تسلیم کر لینے سے آپ کے رتبے گھٹیں گے نہیں۔ بلکہ اور بڑھ جائیں گے اور پھر جبکہ معاملہ رسولؐ اور اجداد رسولؐ اور آل رسول علیہم السلام کا ہو تو اس میں تو اور بھی احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ فضیلت اہلبیتؑ کی روایات کا مصداق ان لوگوں کو بنا دینا کہ جن کی نصف سے زیادہ زندگی کفر اور بت پرستی جیسی لعنت میں گزر چکی ہو اسلام، قرآن اور سنت الٰہیہ کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ معراج میں اللہ نے لہجہ علیؑ میں گفتگو کی اور پس حجاب سے علی کا ہاتھ بلند ہوا اس لئے کہ علی ید اللہ ہے اور یہ ختمی مرتبت کا فرمان ہے۔ یہ روایت منطقی بھی ہے اور استدلالی اصولوں پر پوری بھی اترتی ہے اس لئے کہ علیؑ خاندان ابراہیمؑ کا حصّہ اور اجداد رسولؐ کے سلسلے کی اس کڑی میں ہیں جنہوں نے کبھی بھی کفر اختیار نہیں کیا تھا۔ تو ایسی شخصیت کے لئے یہ روایت آجائے تو سمجھ میں بھی آتا ہے لیکن کسی ایسے شخص کو اس روایت کا مصداق بنا دیا جائے کہ جس کی زندگی کا نصف سے زیادہ حصّہ کفر پرستی میں گزرا ہو تو اس سے تعصب کی بو آتی ہے۔

اس طرح کی اور بھی روایات و احادیث ہیں جو آج کل اہلبیتؑ

رسولؐ سے ہٹا کر کسی اور پر چسپاں کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن صاحبان فہم و تدبر جانتے ہیں کہ ہر راوی قابل اعتماد نہیں اور ہر روایت قابل اعتنا نہیں مثال کے طور پر آیئے اس روایت اور راوی کے متعلق (Investigate) کریں جس نے کفر ابوطالبؑ (نعوذ باللہ) کی روایت وضع کی ہے اور ہم یہ بات کہنے میں بھی حق بجانب ہیں کہ کفر ابوطالبؑ کی جعلی روایات بھی اسی زمانے میں وضع کی گئیں جب ملک شام میں حضرت علی علیہ السلام پر سب و شتم کیا جاتا رہا تھا۔

جھوٹی روایت جھوٹے روای

بموجب مرویات بخاری و مسلم جناب رسول خداؐ حضرت ابو طالبؑ کی وفات کے وقت ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مرتے وقت کلمۂ توحید یعنی لا الہ الا اللہ کہہ لیجئے تا کہ میں خدا کے یہاں آپ کے ایمان کی شہادت دے سکوں۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کی نسبت گذارش ہے کہ یہ روایت بخاری میں تین مقامات پر آئی ہے اور مسلم میں چار مقامات پر مولوی نعمانی نے بھی سیرۃ النبی میں لکھی ہے:

حدثنا اسحق قال اخبرنا یعقوب بن ابراهیم قال حدثنا ابی عن صالح ابن شهاب قال اخبرنی سعید بن المسیب عن ابیه انه اخبره انه لما حَضَرَتْ اباطالب ؑ الوفاة جاءهٗ رسول اللهؐ فوجد عنده ابا جهل بن هشام وعبدالله ابن ابی امیة بن المغیرة قال: قال رسول اللهؐ لابی طالب یاعم قل لا اله الا الله کلمةً اشهد لك بها عندالله فقال ابو جهل وعبدالله ابن ابی امیة یا اباطالب اترغب عن مِلَّةِ عبدالمطّلب؟ فلم یزل رسول اللهؐ یُعرضها علیه و یعودانِ بتلك المقالة حتّٰی قال ابو طالب آخر کلمهم هو علی ملة عبدالمطلب و ابی ان یقول لا اله الا الله فقال رسول اللهؐ امّا و الله لاستغفرن لك

مالم انه عنه فانزل الله تعالى، فيه ما كان للنبي(الاية

سورة التوبة)۔(صحیح بخاری جلد اول ۱۲۴ کتاب الجنائز)

حدیث بیان کی اسحٰق نے کہ ہمیں خبر دی یعقوب بن ابراہیم نے، اس نے

کہا کہ مجھ میرے باپ (ابراہیم) نے بیان کیا اور اس نے صالح اور اس

نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ مجھ سے سعید بن مسیب نے اپنے

باپ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابوطالبؑ کا وقت وفات قریب

آیا۔ سرکار رسالتؐ نے فرمایا کہو لا الہٰ الا اللہ تا کہ میں خدا کے پاس

تمہاری شہادت دوں پس اس وقت ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا

ابوطالب: کیا تم عبدالمطلب کے مذہب سے پھر جاؤ گے۔ جناب رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کلمہ شہادت کو برابر ادا کرتے رہے اور اپنی گفتگو دہراتے رہے

یہاں تک کہ حضرت ابوطالب نے آخری کلام فرمایا کہ وہ اپنے باپ

عبدالمطلب کے مذہب پر ہیں رسولؐ اللہ نے فرمایا بے شک میں تمہارے

لئے استغفار کروں گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت فرمائی (کہ نبی

اور مومنوں کی یہ شان نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں۔ اگرچہ

ان کے قریبی ہوں۔ سورۃ التوبہ)۔

دوسری روایت اس صحیح بخاری میں اس طرح سے ہے:

حدثنا محمود حدثنا عبدالرزاق قال اخبرنا معمر عن

الزهری عن ابن المسيب عن ابيه ان ابا طالب لما

حضرته الوفاة دخل عليه النبي ﷺ و عنده ابو جهل

فقال ای عم قل لا اله الا الله كلمة احاج لك بها عندالله

فقال ابوجهل وعبدالله بن امیه یا اباطالب اترغب عن
مِلَّةِ عبدالمطّلب؟ فلم یزالا یکلمانهٖ حتّٰی قال آخر شیءٍ
کلّمهم به علی ملّة عبدالمطّلب فقال النبیﷺ
لاستغفرن لك مالم انه عنه فنزلت " مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ
وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي
قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (سورة
التوبة)" و نزلت " إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ (سورة
القصص)" (صحیح بخاری مصری جلد ۲، ص ۲۱۰ باب قصہ ابی طالب)

ہمیں حدیث بیان کی محمود نے کہ عبدالرزاق نے بیان کیا اس نے کہا مجھے
خبر دی معمر نے زہری سے اس نے مسیب کے فرزند سے اس نے اپنے
باپ سے کہ ابوطالب کی وفات کے وقت آنحضرتﷺ ان کے پاس
تشریف لے گئے ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ پہلے سے وہاں موجود تھے
آپؐ نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ کہہ لیجئے تاکہ میں خدا کے وہاں آپ کے ایمان
کی شہادت دے دوں ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا۔ کیا تم عبدالمطلبؑ
کے دین سے پھر جاؤ گے۔ بالآخر ابوطالب نے کہا کہ میں عبدالمطلب
کے دین پر مرتا ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں آپ کے لیے دعائے
مغفرت کروں گا۔ جب تک کہ خدا اس سے مجھ کو منع نہ فرمائے۔

تیسری روایت صحیح بخاری میں یوں ہے۔

حدثنا اسحٰق بن ابراهيم حدثنا عبدالرزاق اخبرنا معمر
من الزهری من سعید بن المسیب عن حضرت اباطالب

الوفاة دخل علیه النبی وعنده ابو جهل وعبدالله بن ابی امیة قال رسول اللهﷺ ای عم قل لا اله الاّ الله احاج لك بها عند الله فقال عبدالله بن ابی امیة یا ابا طالب اترغب عن ملّة عبدالمطلب فقال النبیﷺ لا استغفرن لك ما لم انه عنك "مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ"

(صحیح بخاری مصری باب قوله ما کان للنبی)

اسحٰق بن ابراہیم نے عبدالرزاق معمر زہری سے سنا اس نے سعید بن مسیب کے واسطہ سے نقل ہے کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسولؐ اکرم تشریف لائے ابو جہل بھی وہاں موجود تھا عبداللہ بن ابی امیہ بھی حاضر تھا آنحضرتؐ نے فرمایا چچا کلمہ توحید لا الٰہ الّا اللہ پڑھو تا کہ قیامت میں کام آئے۔ ابو جہل اور عبداللہ نے کہا ابو طالب! دیکھو عبدالمطلب کے دین کو نہ چھوڑنا۔ رسولؐ اکرم نے فرمایا اچھا خیر! میں تمہارے لیے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا۔ جب تک اللہ کی طرف سے ممانعت ہو جائے۔ ادھر فوراً یہ آیت اتر پڑی دیکھو خبردار تم اور مومنین مشرکین کے لیے استغفار نہ کرنا اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہوں۔

صحیح بخاری کی یہ تینوں مرویات ختم ہوئیں اب ذیل میں مولوی شبلی نعمانی نے جو کچھ اپنی کتاب سیرۃ النبی کے ص ۱۸۰ پر لکھا ہے اسے درج کیا جاتا ہے۔

ابوطالب کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے ابو جہل

اور عبداللہ بن امیہ پہلے سے وہاں موجود تھے آپ نے فرمایا مرتے مرتے لا الٰہ الا اللہ کہ لیجئے کہ میں خدا کے وہاں آپ کے ایمان کی شہادت دوں۔ ابوجہل اور ابن امیہ نے کہا کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے۔ بالآخر ابوطالب نے کہا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں آنحضرت کی طرف خطاب کر کے کہا میں وہ کلمہ کہہ دیتا لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا۔ آپ کے لیے دعائے مغفرت کروں گا۔ جب تک خدا اس سے منع نہ فرمادے۔ سیرۃ النبی شبلی نعمانی ص ۱۸۰ بحوالہ اسوۃ الرسول جلد ۲ ص ۲۶۲ اور صحیح مسلم جلد اول ص ۴۰ پر یہ روایت ۴ دفعہ آئی ہے:

(۱) حَدَّثَنِی حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى التُّجِيبِیُّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِی يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِی سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ جَاءَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَوَجَدَ عِنْدَهُ أَبَا جَهْلٍ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِی أُمَيَّةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَا عَمِّ قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةً أَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِی أُمَيَّةَ يَا أَبَا طَالِبٍ أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَعْرِضُهَا عَلَيْهِ وَيُعِيدُ لَهُ تِلْكَ الْمَقَالَةَ حَتّٰى قَالَ أَبُو طَالِبٍ آخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ هُوَ عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَأَبٰى أَنْ يَقُولَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَمَا وَاللّٰهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِی قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ

لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحَابُ الْجَحِيمِ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي اَبِي طَالِبٍ
فَقَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ.

(۲) وحَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا اَخْبَرَنَا
عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ح و حَدَّثَنَا حَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ وَعَبْدُ
بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ وَهُوَ ابْنُ اِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ
قَالَ حَدَّثَنِي اَبِي عَنْ صَالِحٍ كِلَاهُمَا عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا
الْاِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ اَنَّ حَدِيثَ صَالِحٍ انْتَهٰى عِنْدَ قَوْلِهِ
فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيهِ وَلَمْ يَذْكُرِ الْآيَتَيْنِ وَقَالَ فِي
حَدِيثِهِ وَيَعُودَانِ فِي تِلْكَ الْمَقَالَةِ وَفِي حَدِيثِ مَعْمَرٍ مَكَانَ
هٰذِهِ الْكَلِمَةِ فَلَمْ يَزَالَا بِهِ.

(۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ وَابْنُ اَبِي عُمَرَ قَالَا حَدَّثَنَا مَرْوَانُ
عَنْ يَزِيدَ وَهُوَ ابْنُ كَيْسَانَ عَنْ اَبِي حَازِمٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ
قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِعَمِّهِ عِنْدَ الْمَوْتِ قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
اَشْهَدُ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاَبٰى فَاَنْزَلَ اللّٰهُ اِنَّكَ لَا تَهْدِي
مَنْ اَحْبَبْتَ الْآيَةَ.

(۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ مَيْمُونٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ
سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ كَيْسَانَ عَنْ اَبِي حَازِمٍ الْاَشْجَعِيِّ عَنْ
اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِعَمِّهِ قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
اَشْهَدُ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ لَوْلَا اَنْ تُعَيِّرَنِي قُرَيْشٌ

يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا حَمَلَهُ عَلٰى ذٰلِكَ الْجَزَعُ لَاَقْرَرْتُ بِهَا عَيْنَكَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ.

یہ سب روایتیں ایک ہی مطلب کی ہیں جو بخاری و مسلم سے نقل ہوئیں اور ترجمے بھی قریباً وہی ہیں۔ صرف بعض راویوں کا فرق ہے اور مسلم کی چوتھی حدیث میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ ''آنحضرتؐ نے ابوطالب کو کلمہ پڑھنے کے لیے کہا تو انہوں نے جواب دیا اگر قریش کی ملامت کا خوف نہ ہوتا کہ موت سے ڈر گئے تو تمہارا دل خوش کر دیتا اس پر آیت اتری اے رسول ہدایت تمہارے بس کی نہیں ہے''۔

ان راویان احادیث پر تنقید اور تبصرہ

(۱) اسحٰق بن ابراہیم:

علامہ عبداللہ الخنیزی (سعودی عرب) اپنی تحقیق یوں بیان کرتے ہیں: راویوں میں ایک اسحٰق بن ابراہیم ہے جس کا مکمل نام درج نہیں کیا گیا، خدا جانے یہ اسحٰق ضعیف ہے یا وہ ہے جس کا استاد ہی ساقط ہے یا وہ ہے جس کا علم ذہبی کو نہیں ہے یا وہ ہے جو غیر معتبر ہے یا وہ ہے جسے دارقطنی نے ضعیف قرار دیا ہے یا وہ ہے جس کو ابن عدی اور ازدی نے واضع حدیث اور کاذب قرار دیا ہے یا وہ ہے جسے حاکم نے غیر قوی اور ضعیف کہا ہے یا وہ ہے جسے دارقطنی نے غیر قوی نسائی نے غیر ثقہ ابوداؤد نے لاشیء محض، محمد بن عوف طائی نے کاذب قرار دیا ہے یا پھر وہ جس کی احادیث منکر اور نا قابل عمل ہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۶۸، ۸۴)

شاید یہ اسحٰق بن ابراہیم اُبری ہے جو عبدالرزاق کا ساتھی تھا، جس کو ذہبی نے صاحب حدیث ہی تسلیم نہیں کیا بلکہ بعض منکر حدیثوں کا راوی بھی قرار دیا ہے اب خدا جانے یہ روایت

اس کی ذاتی ہے یا اسی عبدالرزاق سے ماخوذ ہے جس کا ذکر ذہبی نے کیا ہے۔(المیزان ج۱ص۸۵)

صاحب شیخ الابطح کی نظر میں اس سے مراد اسحٰق بن ابراہیم راہویہ ہے۔ (شیخ الابطح ص۷۰) جس کے بارے میں ذہبی کا خیال ہے کہ ابوعبید آجری نے ابوداؤد سے نقل کیا ہے کہ اسحٰق بن راہویہ اپنی موت سے پانچ مہینے پہلے ہی متغیر ہو گیا تھا۔اس لیے میں نے اس کی روایات کو رد یا کیا ہے ابوالحجاج سے اس کی روایات کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ آخر میں گڑبڑ ہو گیا تھا اس کے بعد اس کی منکر احادیث کا تذکرہ کیا گیا ہے(المیزان جلد ا ص۸۶)

لیکن میری نظر میں اس سے مراد دبری ہی ہے اس لیے کہ وہ عبدالرزاق کا مصاحب تھا اور یہ روایت بھی عبدالرزاق ہی سے ہے(ابوطالب مومن قریش ۲۹۷)

(۲)عبدالرزاق:

اس کے بعد عبدالرزاق کا ذکر آتا ہے یہ کون ہے شاید عبدالرزاق بن عمر الثقفی ہو، جو ضعیف، غیر معتبر، منکرالحدیث تھا اور بقول دارقطنی اس کی کتاب بھی ضائع ہوگئی بلکہ بقول ابومسہر جب زہری کی روایات کی کتاب گم ہوگئی تو اس نے اپنے پاس سے دوسری روایتیں شروع کر دیں۔(المیزان ج۱ص۱۲۶)

اس کی شخصیت کے متعلق ذہبی کا قول ہے کہ اس کے احادیث منکرات ہیں بلکہ یہ وہ شخص ہے جس نے معمر بن راشد سے دس ہزار روایتیں نقل کی ہے۔

(المیزان ج۳ص۱۸۸ الغدیر ج۵ص۲۵۳)

یہ عبدالرزاق عثمان کی بھی توہین کیا کرتا تھا(ابوطالب ص۲۷۹)

(۳)معمر:

اس کے بعد معمر کا ذکر ہے جو کذاب مجہول اور راوی منکرات کے علاوہ اور کوئی نہیں

ہے شاید یہ وہی ابن راشد ہے جس کے بارے میں ذہبی کا قول ہے کہ اس کے اوہام مشہور ہیں اور ابو حاتم کا قول ہے کہ بصرہ کے تمام روایات اس کے مشکوک ہیں (المیز ان جلد ۳ ص ۱۸۸)

خود عبدالرزاق نے کہا کہ میں نے اس سے کئی ہزار حدیثیں نقل کی ہیں۔

(المیز ان ج ۳ ص ۱۸۸)

(۴) زہری:

علامہ عبداللہ الخنیری لکھتے ہیں:

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس زہری کی روایات کو کس طرح قبول کروں، جبکہ اس کی بیان کردہ وہ حدیث بھی ہے جس میں حضرت علیؑ اور حضرت عباسؓ کے جہنمی اور بے دین ہونے کا تذکرہ ہے۔ کیا ایسے بدنفس اور بدطینت ذلیل آدمی کی روایت ابو طالبؑ کے بارے میں قبول ہوسکتی ہے جو امیر المومنین پر اتنا بہتان عظیم رکھتا ہوں۔

اس کے بے دینی کے اسباب بالکل واضح ہیں اور حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں اس شخص سے اس سے زیادہ کوئی اور توقع بھی نہیں ہوسکتی جبکہ اس کے تیر ستم کا نشانہ خود حضرت علیؑ ہیں اور حضرت ابوطالبؑ ان ہی کے والد ماجد ہیں۔

ہمیں اس تذکرہ کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ جعلساز تھا (المیز ان جلد ۳ ص ۱۲۶) اس لیے کہ علیؑ اور عباسؓ کے معاملے میں اس کی روایت جعلسازی کا اعلیٰ ثبوت ہے البتہ مناسب معلوم ہوتا ہے اس مقام پر اس کی طرف اشارہ کردیا جائے کہ عبدالرزاق اور معمر نے اس روایت میں زہری کا ساتھ دیا ہے لیکن زہری بے ایمانی اور بے دینی کی اس منزل پر تھا کہ یہ لوگ آخر تک اس کا ساتھ نہ دے سکے، عاجز آکر راستے الگ ہوگئے۔ چنانچہ عبدالرزاق نے معمر سے نقل کیا ہے کہ زہری کے پاس عروہ کی دو روایتیں علیؑ کے بارے میں تھیں۔ میں نے اس سے ان کے بارے

میں سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ تم سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے بہر حال ان روایتوں کو خدا ہی جانے البتہ بنی ہاشم کے بارے میں زہری اور عروہ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا (شرح النہج ج ا ص ۳۵۸)

اس مقام پر زہری کا ایک اور واقعہ بھی ملتا ہے وہ یہ کہ ایک شخص مدینہ کی مسجد میں آیا کیا دیکھا کہ زہری اور عروہ بن زبیر علیؑ کا تذکرہ کر رہے ہیں اور ان کی مذمت کر رہے ہیں اس نے اس بات کی اطلاع امام زین العابدینؑ کو دی آپ تشریف لائے اور فرمایا اے عروہ تو وہی ہے جس کے باپ نے میرے والد مقدمہ بازی کی آخر کار ہار گیا اور اے زہری اگر تو مکہ میں ہوتا تو تجھے تیرے باپ کا گھر بھی دکھا دیتا۔

(۵) صالح:

اس کی ابوزرعہ اور نووی نے تضعیف کی ہے (تذکرۃ المشاہیر ص ۵)

(۶) مسیّب:

سعید کے باپ مسیب بن حزن تھے جن کو اپنے باپ سے میراث میں بداخلاقی ملی۔
(نسب قریش ص ۳۴۵)

اور یہ فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے تھے (اصابہ جلد ۳ ص ۳۰۱)

سعید نے اس روایت کو صرف اپنے باپ مسیب سے روایت کیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مسیب بن حزن اس کے بھائی حکیم بن حزن صغار صحابہ میں سے ہیں یہ دونوں بھائی اپنے والد حزن بن ابی وہب مخزوی کے روایات کے مطابق فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے۔

(کمامہ بحوالہ اصابہ جلد ۳ ص ۳۰۱)

مسیب کے فرزند سعید کے سوا کسی اور نے نہ کچھ سنا نہ روایت کیا اور روایت بھی بس یہی ایک۔ یہ بھی یقینی بات ہے کہ حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے وقت وہ مسلمان نہ تھے بلکہ حاضر بھی نہ تھے۔ شاید انہوں نے حضرت ابوطالبؑ کو دیکھا بھی نہ ہو، کیونکہ وہ صغیر السن صحابہ

میں سے تھے۔ چنانچہ علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن امیہ کا بحالت کفر وفات حضرت ابوطالبؑ کے وقت موجود اور حاضر رہنا مسلّم ہے۔ مگر مسیب بن حزن کا بحالت اسلام تو کجا بحالت کفر بھی وفات ابوطالبؑ کے وقت حاضر رہنا نہ کسی صحیح روایت سے ثابت ہے نہ ہی کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے منقول ہے۔ (کتاب التفسیر عمدۃ القاری باب دہم)

روایت کے سیاق وسباق سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی دیکھے ہوئے شخص نے یہ سارا قصہ بیان کیا یہ بیان شاید عینی کا معلوم ہوتا ہے جو لازماً اس وقت مسلمان رہا ہوا گر کافر ہوتا تو کلمہ لا الٰہ الا اللہ زبان سے نہ نکالا ہوتا۔

خود قرآن مجید کی آیت " مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ " اس کے مشرک ہونے کی حیثیت سے خود اسی کی توہین ہے اس نے کبھی اسے نہ دہرایا ہوتا حالانکہ ضعیف سے ضعیف روایت نہیں بتاتی ہے کہ مسیب بن حزن جس کے نام سے اس روایت کا نشو ونما ہوا ہے اس مجلس میں بحالت کفر ہی کیوں نہ حاضر تھے سب سے عجیب تر بات یہ ہے کہ جنگ تبوک میں جو آیت نازل ہوئی اس کی خبر بارہ سال پہلے اس راوی کو جو مسیب بن حزن کے نام کیسا تھ پیش کئے گئے ہیں کس طرح اور کیونکر ہو گئی۔

آیہ مبارکہ "مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ " سورہ توبہ کی ایک آیت ہے اور یہ سورہ سرکار رسالتؐ کے آخری زمانہ میں نازل ہوئی اور حضرت ابوطالبؑ نے قبل ہجرت وفات پائی ہے، اس کا وقت وفات ابوطالب نازل ہونا جملہ مفسرین کے نزدیک تاریخ اور واقعہ کے خلاف ہے کیونکہ سورۂ برات (توبہ) مدنی ہے اور جنگ تبوک کے بعد اس کا نزول ہوا اسی کی چالیس آیتوں کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کو حضورؐ نے مکہ معظمہ روانہ فرمایا تھا، اور یہ سال

۹ھ کا واقعہ ہے بخاری صاحب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت وفات عین استغفار کے بعد یہ آیت نازل ہوئی، بخاری کی یہ روایت محمد بن اسحاق کی روایت کے بالکل خلاف ہے محمد بن اسحاق ایسی شخصیت ہے کہ شعبہؒ جیسی عظیم ہستی نے امیر المومنین فی الحدیث مانا ہے اور جسے بخاری جیسے امام فن حدیث کا امام مانتے ہیں محمد بن اسحاق والی حدیث میں عباسؓ بن عبدالمطلب سے ثبوت ایمان ابوطالب کی عینی شہادت پیش کی گئی کہ حضرت عباسؓ اس مجلس میں موجود تھے، اور وہ اسی وقت بحضور رسالت عرض کرتے ہیں کہ میں نے ابوطالبؑ کو وہی کلمہ کہتے ہوئے سنا ہے جو آپ نے ابھی انہیں کہنے کو فرمایا تھا سرکار رسالتؐ اس خبر سے مسرور ہو جاتے ہیں اور چچا کے جنازے کے ساتھ تشریف فرما ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں خدا تمہیں بخشے اور جزائے خیر دے تم نے میری محبت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ (مدراج النبوۃ جلد اص)

بخاری کی یہ روایت قابلِ حجت نہیں:

ابن اسحاق کے بارے میں عباس ابن عبداللہ اور عبداللہ بن عباس دونوں ثقہ ہیں مولوی شبلی صاحب روایت بخاری وابن ہشام کے اختلافات دکھا کر لکھتے ہیں کہ اس بناپر ابوطالبؑ کے اسلام میں اختلاف ہے لیکن چونکہ بخاری کی یہ روایت عموماً صحیح مانی جاتی ہے اس لیے محدثین زیادہ تر ان کے کفر ہی کے قائل ہیں لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت قابل حجت نہیں کہ آخر راوی مسیب ہیں جو فتح مکہ میں اسلام لائے (اصابہ) اور ابوطالب کی وفات کے وقت موجود نہیں تھے، اس بناپر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ مولوی شبلی ایمان ابوطالب کے قائل ضرور ہیں لیکن بخاری صاحب کے خوف سے اقرار اور اعلان نہیں کر سکتے تو پھر سوال یہ ہے کہ آپ کے اس بیان سے ایک تحقیق کے طالب کو کیا فائدہ پہنچا اور وہ کہاں تک اصل حقیقت معلوم کر سکا۔ آپ کی

آخرِ رائے دیکھ کر وہ اتنا کہہ سکتا ہے کہ آپ موید ین اسلام ابو طالبؑ کے ہم خیال ضرور ہیں آپ کی دو رخی رائے اور اس کی اہمیت اس کو معلوم ہو گئی جو ان دونوں روایتوں پر مبنی ہے ایک بخاری کی روایت جو ایمان ابوطالب کی مخالف ہے دوسری سیرت ابن اسحاق کی جو ایمان ابوطالب کی مؤید ہے۔ اصول تحقیق کی بنا پر اس واقعہ کی نسبت سیرت ابن اسحاق کی روایت پر اعتبار کیا جائے گا اور اس کے مقابلہ پر بخاری کی روایت پر کوئی توجہ نہیں کی جائے گی کیونکہ سیرت ابن اسحاق بخاری سے اتنی قدیم ہے کہ اس کی تدوین کے وقت علم الحدیث کا نام بھی نہیں تھا بخاری تو کجا۔

(۷) سعید ابن مسیّب:

علامہ عبداللہ الخیری لکھتے ہیں اس حدیث میں سعید ابن مسیب کا نام ہے ہم اس روایت کو اس لیے قبول نہیں کر سکتے کہ اس سعید کے بارے میں بے حد اختلاف ہے کسی نے اس کی تعریف کی ہے اور کسی نے مذمت ابن ابی الحدید نے اسے دشمنان علیؑ میں شمار کیا ہے اور مشکوک فیہ قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ دشمن علیؑ بنص رسول اکرم ﷺ منافق ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ حضرت علیؑ کے والد ماجد کے بارے میں ہو۔

مذکورہ آیت کب نازل ہوئی

آیئے دیکھتے ہیں کہ سورۂ توبہ کی مذکورہ آیت نمبر ۱۱۳ جس کو کفرِ ابوطالبؑ کی دلیل بنا کر پیش کیا جاتا رہا ہے یہ آیت اور اس آیت کے نزول کے بارے میں علمائے اہلسنت کی کیا رائے اور تحقیق ہے۔اس کے بعد یہ ثابت ہوجائے گا کہ تاریخِ کذب و مؤرخین کذاب نے کس طرح حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان کو کفر بنانے کی کوشش لاحاصل کی ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں:۔وہ آیت

"مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ

''نبی اور صاحبانِ ایمان کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے حق میں استغفار کریں چاہے وہ ان کے قرابتدار ہی کیوں نہ ہوں جب کہ یہ واضح ہوچکا ہے کہ یہ اصحابِ جہنم ہیں''

اس آیت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے آخری وقت کلمہ نہیں پڑھا تو حضورؐ ان کے لیئے استغفار کرنے لگے تو مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی آیئے دیکھتے ہیں کہ علمائے اہلسنت اس آیت کے عہدِ نزول کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

بخاری اور مسلم

یہ آیت اُسی وقت نازل ہوگئی

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ مُسَيَّبْ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ اَبُوْ طَالِبِ الْوَفَاةُ. دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ وَعِنْدَهُ اَبُوْ جَهْلٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُمَيَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا عَمِّ. قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةً اَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَقَالَ اَبُوْ جَهْلٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ اِبْنُ اُمَيَّةَ يَا اَبَا طَالِبٍ! اَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ. فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ. يَعْرِضُهَا عَلَيْهِ يُعِيْدُ اِنَّهٗ بِتِلْكَ الْمَقَالَةِ. حَتّٰى قَالَ اَبُوْ طَالِبٍ! آخِرُ مَا كَلَّمَهُمْ عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ. وَاللّٰهِ. لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ اُنْهَ عَنْكَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى.

سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ آپ کے پاس تشریف لائے جبکہ ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ بھی وہاں موجود تھے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے چچا لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی گواہی دوں گا۔ پس ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے ملت عبدالمطلب پر قائم رہنے کی ترغیب دی۔ رسول اللہ ﷺ نے کلمہ توحید پیش فرمایا۔ اور دونوں طرف سے تکرار جاری رہی۔ حتیٰ کہ ابوطالب کا آخری کلمہ یہ تھا کہ میں ملت عبدالمطلب پر ہوں (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"خدا کی قسم (اے چچا) میں تیرے لئے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے روکا نہ جائے" پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ

الآیۃ

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ

(صحیح بخاری ۶۷۵/۲ صحیح مسلم ۱۰۷/۱)

"نبی اور صاحبانِ ایمان کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے حق میں استغفار کریں چاہے وہ ان کے قرابتدار ہی کیوں نہ ہوں جب کہ یہ واضح ہو چکا ہے کہ یہ اصحابِ جہنم ہیں"

اور پھر یہ آیت کہ "محبوب آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے" نازل ہوئی۔

اس روایت کی ہیئت سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ ادھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطالب کے استغفار کا ارادہ فرمایا، یا اعلان کیا اور اُدھر یہ آیت نازل ہوگئی "نبی اور مومنین کے شایانِ شان نہیں کہ مشرکین کے لئے استغفار کریں اور ساتھ ہی یہ آیت نازل ہوگئی کہ "انک لاتھدی" الیٰ آخر الایۃ۔

بلکہ امام ابن جوزی کہتے ہیں کہ یہ استغفار حضرت ابوطالب کے فوت ہونے سے پہلے ہوسکتا ہے۔ چنانچہ وہ اس آیت کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں۔

زاد المسیر فی علم التفسیر (ابن جوزی)

لما مات ابو طالب ۔ جعلا النبیﷺ ۔ یستغفر لہ فقال المسلمون ما یمنعنا ان نستغفر لآبائنا، ولذوی قرابتنا وقد استغفر ابراھیم لابیہ ۔ وھذا محمد یستغفر لعمہ ۔ فاستغفروا للمشرکین فنزلت ھذہ الآیۃ ۔ قال ابو الحسین بن منادی ھذا لا یصح انما قال النبیﷺ لعمہ لاستغفرن لک مالم انہ عنک قبل ان یموت

(زاد المسیر جلد سوم ص ۵۰۸ مطبوعہ مصر)

جب حضرت ابوطالب کا انتقال ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے لئے استغفار کرنا مقرر فرمایا تو مسلمانوں نے کہا کہ ہمارے آباؤ اجداد اور اقرباء کے لئے استغفار کرنا منع نہیں ہے اور بے شک استغفار کیا ابراہیمؑ نے اپنے چچا کیلئے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا کیلئے استغفار کرتے ہیں ۔ پس مشرکین کے استغفار سے منع کرنے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی ابو الحسین بن منادی کہتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا کو کہا تھا کہ میں آپ کیلئے استغفار کروں گا جب تک مجھے روکا نہ جائے اور یہ ان کی موت سے پہلے کی بات ہے علامہ ابن جوزی کے خیال میں آپ کا استغفار فرمانا حضرت ابوطالب کی موت سے پہلے کا ہے بہر صورت بخاری، مسلم کی روایت میں بھی یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالب کی وفات کے فوراً بعد نازل ہوگئی ۔

یہ آیت چند یوم بعد نازل ہوئی:

اجمالی طور پر ہم سابقہ اوراق میں درج ذیل روائت کا کچھ حصہ نقل کر چکے ہیں۔ اب آپ پوری روائت ملاحظہ فرمائیں۔ "جس میں ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالب کے انتقال کے چند یوم بعد نازل ہوئی"

طبقات ابن سعد، دُرّ منثور، فتح البیان

عن علی قال اخبرت النبیﷺ بموت ابی طالب فبکی فقال اذهب فغسله و کفنه و وارہ غفرالله له ورحمه ففعلت وجعل رسول اللهﷺ لیستغفر له ایاما ولا یخرج من بیته ۔حتیٰ نزل جبریلؑ بھذا الایت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوٓا اَنۡ يَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ

(طبقات ابن سعد ۱/۱۲۱ در منثور ۲/۲۸۲ فتح البیان ۲/۲۱۲)

حضرت علی کرّم اللہ وجہٗ الکریم سے روایت ہے کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ابوطالب کی وفات کی خبر دی تو آپ رونے لگے اور مجھے فرمایا کہ ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرو۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحم کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کیلئے چند یوم گھر ہی میں استغفار کرتے رہے حتیٰ کہ جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے "کہ مشرکین کے لئے استغفار کرنا نبی اور مومنوں کی شان کے لائق نہیں"

مندرجہ بالا روایت دیگر کتب میں بھی موجود ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابو طالب کے لئے چند یوم استغفار فرمایا اور آیت نازل ہوگئی۔

حالانکہ بالاتفاق یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ آیت کریمہ "مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ" حضرت ابوطالب کے انتقال کے دس بارہ سال بعد نازل ہوئی ہے۔ ہم جلد ہی ایسی روایات پیش کرر ہے ہیں جن میں اس حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے کہ جس سورہ مبارکہ کی یہ آیت ہے وہ قرآن مجید کی آخری سورۃ ہے۔ اور مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور اس کے متعلق ہم کتب تفاسیر میں سے تین حوالہ جات سابقہ اوراق میں پیش کر چکے ہیں۔ مزید حوالوں سے پہلے یہ ملاحظہ فرمائیں کہ یہ آیت محض مدنی ہے مکی نہیں۔

یہ آیت دوبارنازل نہیں ہوئی

جیسا کہ ہم متعدّد دفعہ وضاحت کر چکے ہیں کہ سورۃ توبہ مدنی ہے مکی نہیں اور مدنی بھی اس صورت میں کہ اس پر مفسرّین کا اجماع ہے کہ یہ قرآن کی آخری سورۃ ہے۔ البتہ امام جلال الدّین سیوطی ایک قول نقل فرما کر تردید کردیتے ہیں کہ اس کی آخری دوآیات مکی ہیں اور وہ یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ بعض لوگ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ کو بھی مستثنیٰ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ آیت دوبارنازل ہوئی ہے۔

لیکن امام قسطلانی ارشادالساری شرح بخاری میں اس کی بھی تردید کردیتے ہیں۔

بہرصورت پہلے آپ امام جلال الدین سیوطی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں اور اس کے بعد متعدد حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں کہ یہ آیت نہ تو مکی ہے اور نہ ہی دوبارنازل ہوئی۔

الاتقان (سیوطی)

التوبتہ:۔ قَالَ ابْنُ الْغَرْسِ مَدِيْنَةٌ اِلَّا آيَتَيْنِ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اِلٰى آخِرِهَا ۔ قُلْتُ غَرِيْبٌ كَيْفَ وَقَدْ وَرَدَ اَنَّهَا آخِرُ مَا نُزِّلَ وَاسْتَثْنٰى بَعْضُهُمْ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ

اَلْاٰیَۃَ۔ لَمَا وَرَدَ اِنَّھَا نَزَلَتْ فِیْ قَوْلِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام لِاَبِیْ طَالِب۔
لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ مَالَمْ اُنْہَ عَنْکَ۔ انتہی۔

(الاتقان مطبوعہ مصر ص ۱۸)

ابن الغرس کہتے ہیں کہ سورہ توبہ سوائے دو آیتوں کے مدنی ہے اور وہ دو آیتیں ہیں "لَقَدْ جَاءَکُمْ رَسُوْلٌ" (آخر تک) سیوطی کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ روایت غریب ہے اور بے شک یہ آیتیں آخر پر نازل ہوئی ہیں۔ اور بعضوں نے "مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ" کو بھی مستثنیٰ کیا ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی تھی جب رسول اللہ ﷺ نے ابوطالب کیلئے فرمایا تھا کہ میں تمہارے لئے استغفار کرتا رہوں گا۔

الاتقان کی اس عبارت کو حافظ ابن کثیر اور امام زرقانی نے بھی اپنی تالیفات تفسیر ابن کثیر اور زرقانی علی المواہب میں اتقان کے حوالے سے نقل فرمایا ہے۔ "ابن کثیر کہتے ہیں کہ شاید یہ آیت دوبار نازل ہوئی ہو۔ پہلے مکہ معظمہ میں اور پھر مدینہ منورہ میں" جبکہ زرقانی نے صرف آخری حصہ نقل کیا ہے۔

بہر حال دیگر اقوال کی طرح ایک یہ قول بھی ان کتب میں موجود ہے لیکن یہ قول محض غلط ہے اور اس کے غلط ہونے کی چند وجوہات ہیں۔ "اول یہ کہ امام جلال الدین سیوطی نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ بعض لوگ کون ہیں جن کا یہ قول ہے۔" اور دوسری خاص وجہ یہ ہے کہ کتب تفاسیر میں اس بات کا کہیں نشان نہیں ملتا کہ ایک سو انتیس آیات مبارکہ پر مشتمل سورہ توبہ کی ایک سو اٹھائیس آیات مبارکہ مدنی ہیں اور صرف یہ ایک آیت مکی ہے۔ تیسری وجہ جو اخص الخاص ہے وہ یہ ہے کہ اس آیت کا سیاق وسباق اس امر کی اجازت ہی نہیں دیتا کہ اسے باقی آیات سے علیحدہ

کیا جا سکے۔ رہا بعض لوگوں کا گمان کہ ممکن ہے یہ آیت مکی ہو تو یہ محض ایک تخیل کے سوا کچھ بھی نہیں کیونکہ یہ صرف ذاتی رائے ہے۔'' اور یہ ذہنی تصور بھی اس وقت پیدا ہوا جس وقت بعض حضرات کو بخاری شریف کی روایت میں اس آیت کی موجودگی سے عارضے کا احساس لاحق ہوا''۔

لہٰذا یہ گمان کر لیا گیا کہ ممکن ہے کہ یہ آیت مکی ہو یا یہ کہ مکی بھی ہو اور مدنی بھی،''

بس اس کے سوا کچھ بھی نہیں سوچا جا سکتا۔ کیونکہ اس کے برعکس کتب تفاسیر میں متفقہ علیہ یہ بات موجود ہے کہ سورہ توبہ جس میں یہ آیت ہے پوری کی پوری مدنی ہے'' اور ارشاد الساری شرح بخاری میں ہے کہ

"والاصل عدم تکرار النزول۔"

اور اصلیت یہ ہے کہ دوبارہ نازل نہیں ہوئی۔

اگرچہ اس آیت کریمہ کے عدم تکرار نزول پر مزید بھی بے شمار شواہد پیش کئے جا سکتے ہیں تاہم جو حوالہ جات ہم اب پیش کرنے والے ہیں۔ ان میں سے تین کتابوں کی عبارت ہم پہلے بھی پیش کر چکے ہیں۔ اب دوبارہ مزید سات کتب کے ساتھ پیش خدمت ہیں۔

یہ آیت دس بارہ سال بعد نازل ہوئی

(۱) تفسیر کشاف

وَهٰذَا اَصَحُّ لِاَنَّ مَوْتَ اَبِیْ طَالِبٍ ۔ کَانَ قَبْلَ الْهِجْرَةِ وَهٰذَا اٰخِرُ مَا نَزَلَ بِالْمَدِیْنَةِ۔

(و تفسیر کشاف جلد دوم ص ۲۱۵ مطبوعہ بیروت)

اور صحیح یہی ہے کہ حضرت ابوطالب کی وفات ہجرت سے پہلے ہوئی ہے اور یہ آیت مدینہ منورہ میں آخر پر نازل ہوئی ہے۔

(۲) تفسیر قرطبی

هٰذَا انَاسِخَةٌ لِاَسْتَغْفَارَ النَّبِیِّ ﷺ فَاَنَّهٗ اِسْتَغْفَرَلَهٗ بَعْدَمَوْتِهٖ علی مَا رُوِیَ فِیْ غَیْرِالصَّحِیْح وَقَالَ الْحُسَیْنُ ابْن فَضْل ۔وَهٰذَا بَعِیْدٌ لِاَنَّ السُّوْرَةَ مِنْ آخِرَ مَا نَزَلَ الْقُرْآنُ ۔وَمَاتَ اَبِیْ طَالِبٍ اِفِیْ عُنْفُوَانِ الْاِسْلَامِ بِمَکَّةَ۔

(تفسیر قرطبی جلد ہشتم ص ۲۷۳ مطبوعہ مصر)

یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار کی ناسخ ہے۔ کیونکہ آپ نے ان کی موت کے بعد ان کے لئے استغفار کیا تھا۔ جیسا کہ غیر صحیح میں روایت ہے۔
حسین ابن فضل نے کہا ہے کہ یہ بعید ہے کیونکہ یہ سورۃ قرآن کے آخر پر نازل ہوئی ہے۔ اور ابو طالب کی وفات مکہ میں شروع اسلام کے وقت ہوئی ہے۔

(۳) تفسیر مراحِ لبید

فَظَهَرَهٗ بِهٰذَا اَلْاَخْبَارِ اَنِ الْاٰیَة۔ نَزَلَتْ فِیْ اِسْتَغْفَارِ الْمُسْلِمِیْنَ۔ لَاقَارِبِهِمُ الْمُشْرِکِیْنَ لَانَزَلَتْ فِیْ حَقِّ اَبِیْ طَالِبٍ! لِاَنَّهَا السُّوْرَةَ کُلَّهَا مَدِنِیَّةٌ نَزَلَتْ بَعْدَ تَبُوْکٍ وَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ مَوْتُ اَبِیْ طَالِبٍ نَحْوَ اِثْنَا عَشَرَ ةَسَنَةً۔

(تفسیر مراح لبید جلد اول ص ۳۵۷ مطبوعہ مصر)

پس اس آیۃ کریمہ کے متعلق یہ ظاہر اخبار ہیں کہ یہ ان مسلمانوں کے لئے نازل ہوئی ہے جو اپنے مشرک اقرباء کیلئے استغفار کرتے تھے۔ نہیں نازل ہوئی یہ حضرت ابوطالب کے حق میں۔ کیونکہ یہ پوری کی پوری سورۃ مدنی ہے اور جنگ تبوک کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس کے نزول اور حضرت ابو

طالب کے وفات کے درمیان بارہ سال کا وقفہ ہے۔

(۴) تفسیر روح البیان

قَالَ بَعْضُهُمْ لَامَانِعَ مِنْ تَكْرَارِ سَبَبِ النُّزُوْلِ فَيَجُوْزُ اَنْ تُنَزَّلَ الْآيَتَانِ۔ لَمَّا اسْتَغْفَرَ۔ وَلَمَّا اسْتَغْفَرَ لِعَمِّهٖ۔

يَقُوْلُ الْفَقِيْرُ سَامَحَهُ الْقَدِيْرُ فِيْهِ بُعْدٌ لِاَنَّهٗ ۔اَنْ سَبَقَ النُّزُوْلُ وَالْاِسْتِغْفَارُ اُمِّهٖ فَكَيْفَ يَبْقَى النَّبِيُّ ﷺ عَلَى اسْتِغْفَارِ عَمِّهٖ ۔وَقَدْ ثَبَتَ اَنَّ هٰذِهِ السُّوْرَةِ الْكَرِيْمَةَ مِنْ آخِرِ الْقُرْآنِ نُزُوْلاً۔ وَكَذَا الْعَكْسُ وَمَنْ ادَّعَى الْفَرْقَ بَيْنَ الْاِسْتِغْفَارَيْنِ فَعَلَيْهِ الْبَيَانُ!

(تفسیر روح البیان جلد دوم ص ۵۵۲)

بعض کہتے ہیں کہ تکرارِ نزول کے سبب کی کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ پس جائز ہے کہ آیتیں نازل ہوں جبکہ (عام) استغفار کریں اور جب چچا کیلئے استغفار کریں۔

فقیر (یعنی صاحب تفسیر روح البیان) کہتا ہے خدا اس سے چشم پوشی فرمائے کہ اگر نزول اور والدہ کیلئے استغفار سابق ہو تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا کے لئے استغفار کو کیسے برقرار رکھا۔ حالانکہ یہ ثابت ہے کہ نزول کے اعتبار سے یہ سورہ قرآن کی آخری سورہ ہے اور ایسی برعکس نہیں ہے کہ جس نے دونوں استغفار کے درمیان رعایت بیان کی ہو۔

(۵) تفسیر کبیر

قَالَ الْوَاحِدِيُّ قَدِ اسْتَبْعَدَ الْحُسَيْنُ ابْنُ فَضَلَ لِاَنَّ هٰذِهٖ

السُّوْرَةَ مِنْ آخِرِ الْقُرْآنَ نُزُوْلاً وَوَفَاةُ اَبِیْ طَالِبٍ کَانَتْ بِمَکَّةَ۔ (تفسیر کبیر جز ۱۶ ص ۲۰۸ مطبوعہ تہران)

واحدی کہتے ہیں کہ حسین بن فضل نے اس کو بعید جانا ہے۔ اس لئے کہ یہ سورہ کریمہ نزول کے لحاظ سے قرآن کی آخری سورہ ہے اور وفات ابی طالب مکہ میں ہو چکی تھی۔

اس کے آگے امام فخر الدین رازی اپنی رائے بیان فرماتے ہیں کہ ایسا بعید نہیں ہے۔ تاہم آخر پر آپ نے اسی بات کو ہی صحیح قرار دیا ہے کہ یہ ان مسلمانوں کے حق میں ہے جو اپنے مشرک والدین کے استغفار کو جائز سمجھتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا ظَهَرَ فِیْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ فَلَعَلَّ الْمُؤْمِنِیْنَ کَانَ یَجُوْزُ لَهُمْ اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِاَبَوَیْهِمْ مِنَ الْکَافِرِیْنَ۔ (کبیر ۱۶/۲۰۸)

(۶) کمالین علی الجلالین

قَالَ الْوَاحِدِیُّ قَدِ اسْتَبْعَدَ الْحُسَیْنَ اَبْنُ الْفَضْلِ لِاَنَّ هٰذَا السُّوْرَةَ مِنْ آخِرِ قُرْآنٍ نُزُوْلاً وَوَفَاةِ اَبِیْ طَالِبْ کَانَتْ بِمَکَّةَ فِیْ اَوَّلِ الْاِسْلَامِ۔ (کمالین علی الجلالین ۱/۲۱۰)

واحدی فرماتے ہیں کہ بے شک حسین بن فضل نے اس کو بعید جانا ہے کیونکہ یہ سورہ قرآن کے آخر پر نازل ہوئی ہے اور حضرت ابوطالب کا انتقال مکہ میں شروع اسلام کے وقت ہوا۔

(۷) روح المعانی

لِاَنَّ هٰذَا السُّوْرَةَ مِنْ آخِرِ قُرْآنٍ نُزُوْلاً وَوَفَاةُ اَبِیْ طَالَبْ

كَانَتْ بِمَكَّةَ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ۔

(تفسیر روح المعانی جز دھم ص ۹۲ مطبوعہ تہران)

تحقیق یہ سورہ مبارکہ قرآن کے آخر پر نازل ہوئی ہے اور وفات حضرت ابی طالب شروع اسلام کے وقت مکہ معظمہ میں ہوئی ہے۔

(۸) الروض الانف (السہیلی)

وَذَكَرَ قَوْلَ اللهِ تَعَالَى. مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَقَدِ اسْتَغْفَرَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَوْمَ أُحُدٍ. فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ وَذَالِكَ حِيْنَ جَرَحَ الْمُشْرِكُوْنَ وَجْهَهٗ وَقَتَلُوْا عَمَّهٗ وَكَثِيْرًا مِّنْ أَصْحَابِهٖ۔

وَلَا يُصِحُّ أَنَّ تَكُوْنَ الْآيَةُ نَزَلَتْ فِيْ عَمِّهٖ نَاسِخَةً الْاِسْتِغْفَارَ يَوْمَ أُحُدٍ لِأَنَّ وَفَاةَ عَمِّهٖ كَانَتْ قَبْلَ ذَالِكَ بِمَكَّةَ وَلَا يَنْسَخُ الْمُتَقَدِّمُ الْمُتَأَخِّرَ. وَقَدْ أُجِيْبَ عَنْ هٰذَا السُّوَالِ بِأَجْوِبَةٍ قِيْلَ اسْتِغْفَارُ لِقَوْمِهٖ مَشْرُوْطٌ بِتَوْبَتِهِمْ مِنَ الشِّرْكِ كَأَنَّهٗ أَرَادَ الدُّعَاءَ لَهُمْ بِالتَّوْبَةِ حَتّٰى يَغْفِرَ لَهُمْ وَ يَقْوِي هٰذَا الْقَوْلُ وَذَكَرَهَا ابْنُ إِسْحٰقَ وَهُوَ أَنْ تَكُوْنَ الْآيَةُ تَأَخَّرَ نُزُوْلُهَا فَنَزَلَتْ بِالْمَدِيْنَةِ۔

(الروض الانف مطبوعہ مصر ۲۵۸ مولف امام سہیلی)

اور ذکر اللہ تعالٰی کے اس فرمان کا مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ۔ الایۃ

بے شک اُحد کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعائے استغفار فرمائی ”۔ یا اللہ میری قوم کو معاف فرما دے کہ یہ نہیں جانتے“۔ اور یہ اس وقت فرمایا جبکہ

مشرکین نے آپ کے چہرۂ انور کو زخمی کیا آپ کے چچا (حضرت حمزہ) اور کثیر صحابہ کو شہید کیا اور یہ صحیح نہیں کہ آپ کے چچا (ابوطالب) کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ جو اُحد کے دن کے استغفار کی ناسخ ہے۔ کیونکہ آپ کے چچا (ابوطالب) کی وفات اس سے پہلے مکہ میں ہو چکی ہے۔ اور مقدم موخر کا نام ناسخ نہیں ہوتا۔ اس سوال کے کئی جواب ہیں۔ بعض نے کہا کہ آپ کی قوم کے لئے دعائے استغفار ان کی شرک سے توبہ کے ساتھ مشروط ہے۔ گویا کہ ان کی توبہ کے لئے دعا کا ارادہ کیا۔ تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے۔ اس کو یہ قول قوی کرتا ہے کہ ابن اسحق نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ کا نزول متاخر ہے اور مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے

(۹) اسنیٰ المطالب (قاضی دحلان مکی)

اِنَّهَا نُزِلَتْ فِیْ اِسْتِغْفَارِ اُنَاسٍ لِاٰبَائِهِمُ الْمُشْرِكِيْنَ لَا فِیْ اَبِیْ طَالِبٍ. (اسنی المطالب ص۱۷ مطبوعہ مصر)

بے شک یہ (آیت مبارکہ) ان لوگوں کے لئے نازل ہوئی ہے جو اپنے مشرکین آباء کیلئے استغفار کرتے تھے اور یہ ابوطالب کے حق میں نہیں ہے۔

(۱۰) ارشاد الساری، شرح بخاری (امام قسطلانی)

وَاسْتَشْكَلَ هذا بان وفاة ابی طالب وقعت قبل الهجرة بمكة بغير خلاف (الخ)

وَفِیْ ذَالِكَ دَلَالَتٌ عَلٰی تَاَخُّرِ نُزُوْلِ الْآيَةِ عَنْ وَفَاةِ اَبِیْ طَالِبٍ وَالْاَصْلُ عَدَمُ تَكْرَارِ النُّزُوْلِ.

(ارشاد الساری جلد ہفتم ص۲۲۶ امام قسطلانی منار الایمان ۲۸۸/۸)

اور یہ مشکل ہے کیونکہ ابوطالب کی وفات کا واقع ہجرت سے پہلے کا ہے اور
بغیر اختلاف کے مکہ معظمہ کا ہے۔
اس میں وفات ابی طالب آیت کے نزول کے تاخر پر دلالت کرتی ہے اور اصل یہ
ہے کہ عدم تکرار نزول ہے۔ یعنی دوبار نازل نہیں ہوئی (تلك عشرة كاملة)

قارئین کرام! معتبر کتب کے دس حوالہ جات ملاحظہ فرما چکے۔ حقیقت کھل چکی ہے اور بفضلِ اللہ تعالیٰ ورسولہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ آیت کریمہ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ نہ تو حضرت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی ہے اور نہ ہی اس کا نزول دوبار ہوا ہے۔ اور اس آیت سمیت پوری کی پوری سورۃ توبہ مدنی ہے۔

بلکہ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مفسرین کا زیادہ زور حضرت علیؑ کی اس روایت پر ہے جس میں ہے کہ "کوئی شخص اس زعم میں اپنے مشرک والدین کے لئے استغفار کر رہا تھا کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے مشرک چچا کیلئے استغفار کیا تھا۔"

چنانچہ دیگر مفسرین کی طرح صاحب تفسیر جامع البیان سید معین الدین فرماتے ہیں:

إِلَّا قَوْلٌ أَصَحُّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ سَمِعْتُ رَجُلاً يَسْتَغْفِرُ لِلْمُشْرِكِيْنَ۔ (تفسیر جامع البیان جلد اول ص ۱۷۶)

مگر یہی قول صحیح تر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص سے سنا کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کر رہا تھا۔

علاوہ ازیں اس آیت کریمہ کا سیاق وسباق بھی اس امر کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ اس آیت کو حضرت ابوطالب کے حق میں مان لیا جائے۔ کیونکہ اس آیت کے ملحقہ الفاظ یہ ہیں۔
"کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کو بھی اپنے چچا آزر کے استغفار سے بایں وجہ منع کر دیا گیا تھا کہ وہ مشرک تھا۔"

ایمان ابوطالبؑ درنگاہ ائمہ معصومین علیہم السلام

عمر ابن واحدی بغوی نے یحییٰ بن ثعلب سے روایت کی ہے کہ ایک روز جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کو دعوت دے رہے تھے کہ ابولہب نے بیہودگی کا آغاز کیا، جناب ابوطالبؑ نے اس کو ڈانٹا اور فرمایا خاموش رہ تجھے کیا ہو گیا کہ تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی گفتگو کرتا ہے پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا اے میرے سید وسردار جو کہتے ہو کہتے رہو اور پیغام خداوند جلیل بندوں کو پہنچاتے رہو، تحقیق کہ تم اپنے قول میں صادق ہو اور حق کی تصدیق کرنے والے ہو اور جو تم خبر دیتے ہو اس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔

امام ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب قریش نے ابوطالبؑ سے کہا کہ اگر آپ کو یتیم عبداللہ کی پرورش مدنظر ہے تو ہم سے عمارہ کو لے لیں اور پرورش کریں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیں دے دیں تا کہ ہم انہیں قتل کر دیں۔ تو حضرت ابوطالبؑ بے حد غضبناک ہوئے اور فرمایا اے گروہ قریش! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف میرا فرزند نہیں، بلکہ یہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے حیف ہے تمہاری عقلوں پر کہ میں اپنے جگر کے ٹکڑے کو ذبح کرنے کے لیے دے دوں اور غیر کے بچے کی پرورش کروں دور ہو جاؤ میرے سامنے سے کہ تم نے کیا خوب انصاف کیا پھر آپ جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور چند اشعار اس مضمون کے ادا فرمائے:

قسم خدا کی جب تک میں زندہ ہوں کوئی بدی تمہارے پاس نہ آنے پائے گی، تم تبلیغ رسالت کو ببانگ دہل ادا کرو اور میری آنکھوں کو اپنی نبوت سے روشن کرو، مجھے یقین ہے کہ تم دشمنوں کو پراگندہ کر دو گے۔ اور میں تمہاری دعوت کو قبول کر چکا ہوں تم میرے ناصح اور رہنما ہو

اور جو دین تم منجانب رب العزت لائے ہو بخوبی جانتا ہوں کہ وہ یقیناً حق ہے اور سب دینوں سے بہتر ہے۔

بلاشبہ علمائے اہلسنت اس پر متفق ہیں کہ:

اسلام ابوطالبؑ پر اجماع اہلبیتؑ ہے پس بمفاد "اہل البیتؑ ابصر بمافی البیت" اغیار کے بہ نسبت ارشادات ائمہؑ طاہرین یقیناً صحیح اور معتبر ہیں، چنانچہ ذیل میں ائمہ اہلبیتؑ کے ارشادات درایمانِ حضرت ابوطالبؑ استشہاداً درج کئے جاتے ہیں۔

حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں فرمان امام حسینؑ

مشہور محققین شیخ ابوالحسن بن شاذان، جناب کراجکی، جناب ابن شیخ، جناب طبرسی، جناب ابولفتوح رازی، جناب سید فخار بن معد موسوی، جناب سید علی خازن مدنی، جناب فتونی جناب شیخ یوسف بحرانی، جناب باقر مجلسیؒ نے اپنی اپنی کتب میں حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں حضرت امام حسین علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے، آپؑ نے اپنے والدِ بزرگوار حضرت علی علیہ السلام سے اسے نقل کیا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام ایک میدان میں بیٹھے تھے۔ آپؑ کے گرد ایک مجمع سا لگا تھا۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر امام کو مخاطب کیا۔ اے امیر المومنینؑ! آپ کو خدا نے اتنا بلند مرتبہ عطا کیا ہے جبکہ آپ کے والد آتش دوزخ میں عذاب الٰہی سے دوچار ہیں۔

ابوطالبؑ نور الانوار:

امامؑ نے جواباً ارشاد فرمایا:

خاموش، خدا تیرا منہ توڑ دے۔ مجھے اس پروردگار کی قسم جس نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا، اگر میرے بابا (ابوطالبؑ) پوری دنیا کے گنہگاروں کی شفاعت کریں تو خدا فوراً ان کی شفاعت کو قبول کرے گا تو کیا پھر بھی ممکن ہے کہ میرے بابا عذاب الٰہی کا شکار ہو کر آتش جہنم

میں پڑے ہوں؟ جبکہ ابوطالبؑ کا بیٹا جنت وجہنم کو تقسیم کرنے والا ہو؟ مجھے اس کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث برحق کیا۔ قیامت کے دن جب سب انوارِ خلق خدا جلوہ گر ہوں گے میرے بابا (ابوطالبؑ) کا نور سب انوار کے لیے روشنی کی مانند کام دے گا۔ سوائے پنجتن (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہ علیہا السلام حسن وحسین علیہما السلام و دیگر ائمہ علیہم السلام کے) جان لو ابوطالبؑ کا نور ہمارا نور ہے۔ خدا نے خلق آدمؑ سے کئی ہزار سال قبل اسے خلق فرمایا تھا۔ (ابوطالب مظلوم تاریخ، ص: ۱۱۸)

حضرت امام سیّد السّاجدین زین العابدینؑ:

ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا حضرت ابوطالبؑ مومن تھے؟

حضرت نے فرمایا: ہاں!

اس نے کہا کہ بعض لوگ انہیں کافر کہتے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ امام کا دل تڑپ اٹھا۔ ایک مظلومیت بھری آہ کھینچی اور فرمانے لگے۔ آخر یہ لوگ حضرت ابوطالبؑ پر تہمت رکھتے ہیں یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر؟

قرآن مجید نے متعدد آیات میں اس بات سے منع کیا ہے کہ کوئی مومن عورت کسی کافر کی زوجیت میں رہے۔ حالانکہ حضرت فاطمہؑ بنت اسد بلا شک وشبہ مومنہ تھیں بلکہ سابقات میں سے تھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تاحیات حضرت ابوطالبؑ کی زوجیت سے جدا نہیں کیا۔

(الحجۃ علی الذاہب ۲۴، الحدید ج ۳ صفحہ ۳۱۲۔ الغدیر ج ۷ ص ۳۸۱، اعیان الشیعہ ج ۳۹ ص ۱۳۶، ۷، ۱۳، شیخ الابطح ص ۷۶)

امام الساجدینؑ کے بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان ابوطالبؑ پر اعتراض کرنا درحقیقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت پر اعتراض کرنے کے مترادف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کریم کے مکرر حکم کو نافذ نہیں کیا اور آخر تک یونہی ٹالتے رہے۔ قرآن کا منشا تھا کہ ایمان والا دل کفر کے زیر سایہ نہ رہے اور معاذ اللہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب ابوطالب علیہ السلام کی زندگی تک اس حکم کی مخالفت کرتے رہے۔ اس لیے کہ حضرت فاطمہؑ بنت اسد کے ایمان میں کسی شک وشبہ

کی گنجائش ہی نہ تھی اور نہ ان کے خلاف یہ مصنوعی روایتیں وضع ہوئی تھیں اور نہ کوئی مؤرخ آج تک اس بات کا قائل ہوا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رشتۂ زوجیت کو منقطع کر دیا تھا۔ جس کا مطلب ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کا ایمان پوری طرح سے ثابت تھا ورنہ آپ کسی طرح بھی اس کی مخالفت نہ کرتے۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان پر حملہ کرنا اتنی جرأت چاہتا ہے کہ جس میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ انبیائے کرام کو مقابل قرار دے کر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ معاذ اللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی وحی الٰہی کی مخالفت کرتے تھے ان کو بھی تعلیماتِ اسلامیہ اور احکامات الٰہیہ کا مطلق خیال نہ تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

کسی شخص نے سوال کیا کہ کیا ابوطالبؑ (معاذ اللہ) جہنم میں ہیں؟

تو آپ نے فرمایا: ''یہ جھوٹ ہے ایسی کوئی خبر جبرئیلؑ امین نہیں لائے''۔

(الحجہ ص ۱۷ / ۱۱۵، الحدید جلد ۳ ص ۳۱۲، الغدیر ج ۷ ص ۱۸۱ / ۳۹۱، معجم القبور جلد ۱ ص ۱۹۱۔ اعیان الشیعہ ج ۳۹ ص ۳۶۱)

امام علیہ السلام نے تعجب سے فرمایا: یہ کیسی باتیں ہیں ابوطالبؑ کے انتقال کی شب جبرائیلؑ امین وحی لے کر آئے تھے کہ: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب مکہ سے نکل چلو کہ اب یہاں تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔

ایک مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے یونس بن نباتہ سے سوال کیا۔ یونس! لوگوں کا حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ عرض کی کہ لوگ کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) وہ جہنم میں ہیں اور ان کا مغزِ سر ابل رہا ہے۔ آپ نے جلال میں آ کر فرمایا یہ دشمن خدا جھوٹے ہیں۔

ابوطالبؑ انبیاء، صدیقین، صلحاء و شہدا کے ساتھ ہیں اور ان حضرات سے بہتر کوئی رفیق ممکن نہیں ہے۔ (الحجہ ص ۱۷ / ۔ شیخ الابطح ص ۳۲۔ الغدیر ص ۳۹۴)

ایک مرتبہ ایک شخص نے سوال کیا لوگ ابو طالبؑ کو کافر خیال کرتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: یہ جھوٹے ہیں کیا وہ بھی کافر ہو سکتا ہے؟ جس کا یہ قول ہو۔ ''ہم نے محمدؐ کو موسیٰؑ کی طرح نبی برحق پایا''۔ کبھی فرماتے تھے۔ آخر ابو طالبؑ کیسے کافر ہو سکتے ہیں۔ جن کا قول یہ ہے: ''دنیا جانتی ہے کہ میرا فرزند غلط گو ہے اور نہ دروغ بیان۔ وہ ایسا مبارک ہے، جس کے طفیل میں بارش ہوتی ہے۔ وہ یتیموں اور بیواوں کا والی وارث ہے''۔ مقصد یہ ہے کہ وہ انسان کافر کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صادق کہتا ہو۔ بابرکت فیاض، والیِ ایتام، وارث بیوگان اور ایک وجیہ و شکیل شخصیت تسلیم کرتا ہو۔

آپ فرماتے ہیں کہ امیر المومنینؑ کو حضرت ابو طالبؑ کے اشعار بہت زیادہ محبوب تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ ان کی تدوین ہو جائے تا کہ یہ پڑھے جائیں اور مشتہر ہوں۔ چنانچہ آپ اکثر حکم فرماتے کہ ان اشعار کو خود پڑھو اور اپنے بچوں کو پڑھاؤ اس لیے کہ حضرت ابو طالب علیہ السلام دینِ خدا پر تھے ان اشعار میں بڑا علم ہے۔ (الحجہ ص ۲۵ / الغدیر ج ۷ ص ۳۹۵)

حضرت امام رضاؑ

ابان بن محمود نے امام رضاؑ کو خط لکھا۔ ''میں فدا ہوں۔ اب تو مجھے حضرت ابو طالبؑ کے ایمان میں شک ہونے لگا ہے''۔ آپ نے فوراً جواب تحریر فرمایا:

جو لوگ ہدایت کے واضح ہونے کے بعد رسولؐ سے اختلاف کریں گے مومنین کے راستے کو ترک کر دیں گے ان کا حشر برا ہوگا۔ وہ جہنمی ہیں اور اگر تو نے بھی ابو طالبؑ کے ایمان کا اقرار نہ کیا تو تیرا انجام بھی جہنم ہوگا''۔ (الحدیدی ج ۳ ص ۳۱۱، الحجہ ص ۱۶، اعیان الشیعہ ج ۳۹ ص ۱۳۶)

امام حسن عسکریؑ

آپ اپنے آبائے کرام کے حوالے سے ایک مفصل حدیث نقل فرماتے ہیں کہ جس

کا ایک حصہ یہ ہے:

پروردگار عالم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے تمہاری تائید دو قسم کے مددگاروں سے کی ہے کچھ پوشیدہ طور پر اور کچھ بظاہر تمہاری نصرت کرتے ہیں جو لوگ مدد در پردہ کرتے ہیں۔ ان کے سردار اور ان میں سب سے افضل ابوطالبؑ ہیں اور جو لوگ بظاہر امداد کرتے ہیں، ان کے سردار ابوطالبؑ کے فرزند علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں"۔

اس کے بعد فرمایا: ابوطالبؑ کی مثال مومن آلِ فرعون کی ہے، جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا۔ (الحجۃ ص ۱۱۵، الغدیر ج ۷ ص ۳۶۸)

امام کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناصرین میں ایک جماعت ان لوگوں کی بھی ہے جو آپ کی در پردہ اعانت کرتے تھے۔ اس لیے کہ زمانہ کے حالات اظہار ایمان کے لیے سازگار نہ تھے اور مصلحت وقت اعلانِ اسلام کی مقتضی نہ تھی۔ جس طرح کہ قرآن مجید میں ملائکہ کی خفیہ نصرت کا ذکر مکرر مسلسل طور پر نظر آتا ہے۔

اس کے بعد آپ حضرتؑ کے ایمان کو مومن آل فرعون کے نام سے تشبیہ دیتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ جس طرح مومن آل فرعون نے اپنے ایمان کو پوشیدہ نہ کیا ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بچنا دشوار اور ان کا قتل یقینی تھا۔ اسی طرح اگر جناب ابوطالب علیہ السلام نے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھ کے اپنا ہم مسلک و ہم مشرب ظاہر نہ کیا ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت سخت دشوار ہو جاتی اور حضرت کا زندہ بچنا ناممکن ہو جاتا۔

علمائے اہل سنت اور حضرت ابوطالب علیہ السلام

امام جلال الدین سیوطی اور ایمان ابوطالبؑ:

امام جلال الدین سیوطی نے اپنی متعدد کتب میں حضرت ابوطالبؑ کی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ والہانہ شفقت و محبت اور حمایت و نصرت کے واقعات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کے ایمان کے متعلق بھی مختلف روایات پیش کی ہیں چنانچہ سب سے پہلے آپ کی عظیم تالیف خصائصِ کبریٰ سے اس ضمن میں چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ ترجمہ فخر اہلسنت حضرت مولانا غلام معین الدین نعیمی کا پیش کیا جارہا ہے۔ تاکہ قارئین کو معلوم ہوسکے کہ اہل سنت کے جید علماء کرام حضرت ابوطالبؑ کا تذکرہ کس اکرام و احترام کے ساتھ کرتے ہیں۔

ملاحظہ ہو۔

باب ماظهر من الآیات وهو فی کفالة عمه ابوطالب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دسترخوان ابوطالبؑ پر:

ابن سعد، ابونعیم اور ابن عساکر نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ابوطالب اور ان کے دوسرے اہل خانہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دسترخوان پر کھانا تناول فرماتے تو شکم سیر اور لطف محسوس کرتے۔ اتفاقاً اگر کھانے کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود نہ ہوتے تو ابوطالبؑ گھر والوں سے کہتے، ٹھہرو میرے بیٹے محمدؐ کو آلینے دو، پھر شروع کریں گے اور اگر کھانے میں دودھ ہوتا تو پھر ابوطالبؑ شیر نوشی کی ترتیب اس طرح رکھتے کہ پہلے حضور کو پلاتے پھر دوسرے گھر والوں کو اور بعد میں خود لیتے اور اکثر کہا کرتے، میرا یہ بیٹا بڑی برکت والا ہے۔

ذوقِ نعمت:

ابن سعد نے ابن قتیبہ سے روایت کی کہ حضرت ابوطالبؑ کے لئے بڑا تکیہ بنایا جاتا تھا اور وہ حسب عادت اس پر ٹیک لگا لیتے۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے اور تکیہ کو کھول کر بچھا دیا اور اس پر دراز ہو گئے کچھ دیر بعد ابوطالبؑ آئے اور دیکھ کر کہنے لگے، حل بطحا کی قسم میرا یہ بھتیجا ذوق نعمت رکھتا ہے۔ ابن سعد نے ایسا ہی ایک اثر عمرو بن سعید سے بھی روایت کیا ہے۔

تصدیق کرامت:

طبرانی نے عمار سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ ابوطالب اہل مکہ کے لئے کھانا تیار کرا رہے تھے اور ضروری سامان کے پاس بیٹھے تھے، جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آتے دیکھا تو کچھ شے پہلو کے نیچے کر لی، مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چچا کے اس اخفا کو سمجھ لیا، ابوطالبؑ نے کہا میرا یہ بھتیجا بذریعہ کرامت معلوم کر لیتا ہے۔

شام کا سفر:

امام جلال الدین سیوطی نے اس ضمن میں متعدد ثقہ کتب سے اس واقعہ کو بیان فرمایا ہے اور اس کے درست ہونے پر تصدیق ثبت کی ہے، چونکہ یہ واقعہ خارجی عباسی کی کذب سرائیوں کے جواب میں متعدد کتب کے حوالہ سے پیش کیا جا چکا ہے اور آئندہ بھی خصائصِ کبریٰ کی عبارت سمیت پیش کیا جائے گا لہٰذا اس مقام پر حضرت ابوطالبؑ کے وہ چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں جو انہوں اس واقعہ سے متاثر ہو کر انشا فرمائے، اور امام جلال الدین سیوطی نے انہیں خصائص کبریٰ میں نقل فرمایا ہے۔

''ابوطالبؑ نے جلد جلد معاملات ضروریات سفر کو نمٹایا اور مکہ لوٹ آئے، واپس آ کر

تمام واقعات سفر، بحیرا کی مشورت اور یہود کے تجسس وتلاش وغیرہ کے تمام گذرے ہوئے حالات پر غور کیا تو ایک ایک کر کے تمام باتیں یاد آ گئیں اور اس تاثیر کے تحت ابوطالبؑ نے یہ چند محبت بھرے اشعار نعت میں کہے:

قَوْمٌ يَهُوْدُ قَدْ رَاَوْا مَا قَدْ رَاَوْا ظِلُّ الْغَمَامَةِ نَاغِرِى الْاَكْبَادِ

ثَارُوْا الْقَتْلِ مُحَمَّدٍ فَنَهَا هُمُوْ عَنْهُ وَ جَاهَدَ اَحْسَنَ التَّجْهَادِ

وَ ثَنَى بَحِيْرَاءُ ذَرِيْرًا فَانْثَنٰى فِى الْقَوْمِ بَعْدَ تَجَادُلٍ وَ تَعَادِىْ

وَ نَهٰى دَرِيْسًا فَانْتَهٰى لَمَّا نُهِىْ عَنْ قَوْلِ حِبْرٍ نَاطِقٍ بِسَدَادِ

"وہ یہود اس وقت تک نہ لوٹے جب تک انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وہ باتیں نہ دیکھ لیں جن سے دلوں کا غم غلط ہوتا ہے۔ انہوں نے یہاں تک دیکھا کہ ہر شہر کے اہلِ علم جمع ہو کر اور فرداً فرداً ان کو سجدہ کرتے ہیں، زبیر اور تمام لوگ جو ان کے ساتھ دریس وغیرہ تھے ان سب نے برائی کا قصد کیا"۔

(چنانچہ) بحیرا نے ان سے ایک بات کہی جس کی تکذیب اور طویل بحث کے بعد انہوں نے اس کو تسلیم کر لیا، جس طرح بحیرا نے یہودیوں سے پُرزور گفتگو کی اور بحیرا نے اللہ تعالیٰ کے لئے ان سے "ایسی" جدوجہد کی کہ حق ادا کر دیا۔

پس بحیرا نے آپ کی خیر خواہی میں سب ہی کچھ کہا اور کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، کیونکہ ہر گھات میں ان کے لئے خطرہ ہی خطرہ تھا"

وسیلہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا:

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں جلہمہ بن عرفطہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا۔ میں مکہ مکرمہ میں آیا تو اہل مکہ شدید قحط سالی میں مبتلا تھے، ایک روز قریش نے مجاور حرم ابوطالبؑ سے کہا۔

وادیاں خشک ہوگئیں اور لوگ بھوکوں مر رہے ہیں، آو چلیں بارش کے لئے دعا کریں ،چنانچہ ابوطالبؑ نے اپنے ساتھ ایک بچہ کا ہاتھ تھاما اور اس کی پشت خانہ کعبہ سے ملادی اوا پنی انگلیوں سے بچہ کو تھام لیا دفعتاً افق سے بادل اٹھے اور برسنے لگے، اتنی موسلا دھار بارش ہوئی کہ وادی اور نالے بھر گئے اس موقع پر ابوطالبؑ نے آپ کی ثناء میں حسب ذیل اشعار کہے۔

وَ اَبۡیَضُ یُسۡتَسۡقَی الۡغَمَامُ بِوَجۡهِهٖ ثِمَالُ الۡیَتَامٰی عِصۡمَةٌ لِلۡاَرَامِلِ

''آپ ایسے حسین وجمیل ہیں کہ بادل آپ کے چہرۂ انور سے پانی مانگتا ہے اور آپ یتیموں اور بیواؤں کی پناہ گاہ ہیں۔

ہلاک ہونے والے ہاشمیوں کی اولاد آپ کے دامن میں پناہ تلاش کرتی ہے تو وہ لوگ آپ کے دامن میں نعمتوں اور برکتوں سے مستفید ہوتے ہیں''۔

ان کی اطاعت میں بڑی برکت ملے گی:

ابن سعد نے عبداللہ ابن ثعلبہ سے روایت کی ہے کہ جب ابوطالبؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے عبدالمطلب کے بیٹوں کو بلایا اور کہا کہ تم لوگ جب تک محمدؐ کی بات سنتے رہو گے اور ان کی حکم کی پیروی کرتے رہو گے ، ہمیشہ خیر و برکت میں رہو گے۔

حدیث مرفوع:

عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت قائم ہوگی تو ہم اپنے والدین کریمین اور چچا جان کی شفاعت کریں گے۔

(خصائص کبریٰ جلد ۱ ص ۲۱۶، مسالک الحنفاء ص ۱۳۱، الدرج المنیفہ ص ۷، الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۱۰)

امام عبدالوہاب شعرانی اور ایمان ابوطالبؑ:

امام عبدالوہاب شعرانی کا حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کے متعلق کیا عقیدہ ہے اس کی

ایک جھلک آپ تذکرۂ قرطبی کے حوالے سے ملاحظہ فرما چکے ہیں، یہاں آپ اس عبارت کے ساتھ امام شعرانی کی تصنیفِ لطیف ''کشف الغُمّہ'' کی بھی ایک واضح ترین عبارت ملاحظہ فرمائیں، جس میں انہوں نے اپنی تحقیق کا دارومدار ہی اس امر پر رکھا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے آخر وقت پر کلمہ پڑھ لیا تھا، چنانچہ آپ نے اس کے برعکس کسی روایت کو قبول نہیں کیا۔

حرفِ آخر، کشف الغُمّہ

عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ حضرت ابوطالبؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بہت بڑے خیر خواہی کرنے والوں میں سے تھے اور جب قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ مشورہ کیا کہ یا تو آپ کو قید کر دیا جائے یا قتل کر دیا جائے یا نکال دیا جائے تو حضرت ابوطالبؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار فرمایا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ (کفار) قریش نے آپ کے متعلق کیا مشورہ کیا ہے تو اس کے جواب میں حضور سرور کائنات نے ارشاد فرمایا کہ ہاں ہمیں اس بات کی خبر ہے۔

جناب ابوطالبؑ نے عرض کیا کہ آپ کو اس بات کا کیسے پتہ چلا؟

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پروردگار جَلّ وعَلا نے مجھے بتا دیا ہے۔ یہ سن کر، جناب ابوطالبؑ نے عرض کیا، آپ کا پروردگار بہت اچھا پروردگار ہے۔ آپ اس کے ساتھ بہتر سلوک فرمائیں آپ نے فرمایا:

وہ مجھ سے بہتر سلوک فرمائے یا میں اس سے بہتر سلوک کروں یہ فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرانے لگے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب ابوطالبؑ نے نبوت کے دسویں سال انتقال فرمایا، اور اس وقت ان کی عمر مبارک ۸۵ برس تھی اور ان کے مرض الموت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا چچا جان کہہ دیجیے یعنی کلمہ شہادت پڑھیے تا کہ

آپ کی شفاعت کرنا میرے لئے جائز ہو جائے، پس جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ کے ہونٹ ہل رہے تھے تو جناب ابن عباس نے آپ کے ہونٹوں پر کان لگا دیئے اور فرمایا کہ اے ابنِ اخی خدا کی قسم ابوطالب نے وہ کلمہ کہہ دیا ہے جس کا آپ نے انہیں ارشاد فرمایا ہے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' چچا جان! خدا کا شکر ہے جس نے آپ کو ہدایت نصیب فرمائی۔

(کشف الغمہ از امام عبدالوہاب شعرانی ص ۱۲۰ مطبوعہ مصر)

علامہ شبلنجی اور ایمان ابوطالبؑ

جب حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد سیدنا عبدالمطلبؑ کے وصال مبارک کا وقت قریب آیا تو انہوں نے آپ کے چچا حضرت ابوطالبؑ جو کہ آپ کے والد معظم حضرت عبداللہؑ کے سگے بھائی تھے کو وصیت فرمائی کہ وہ آپ کو اپنی کفالت میں لے لیں۔

چنانچہ حضرت ابوطالبؑ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت و پرورش کرنے اور تربیت دینے کا شرف حاصل ہوا تو انہوں نے آپ سے خیر کثیر اور برکات کے ظہور کا مشاہدہ کیا، جیسا کہ ایک یہ ہے کہ جب حضرت ابوطالبؑ اور آپ کے اہل و عیال حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے تو سبھی شکم سیر ہو جاتے اور اگر کبھی اکیلے کھاتے تو شکم سیری حاصل نہ ہوتی اور ایسے ہی جب مکہ معظمہ میں قحط کی صورت پیدا ہو گئی تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے بارش برسنے لگی۔

نیز یہ کہ جب آپ شام کی طرف بغرضِ تجارت تشریف لے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے ساتھ تھے تو راستہ میں بحیرہ راہب سے آپ کی ملاقات ہوئی، وہ اس وقت اپنی عبادت گاہ میں تھا اور عیسائیوں کا بہت بڑا عالم تھا، چنانچہ اس نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے

تمام اہل قافلہ کے لئے کھانا تیار کیا مگر اس نے اہل قافلہ میں سے کسی کے ساتھ بھی نہ تو کلام ہی کیا اور نہ ہی ان سے کچھ تعرض کیا، البتہ آپ کے عم محترم حضرت ابوطالبؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ اپنے بھائی کے بیٹے کو واپس لے جائیں۔ اس لئے کہ مجھے ڈر ہے کہ یہودی انہیں نقصان نہ پہنچادیں۔

چنانچہ حضرت ابوطالبؑ جلد ہی آپ کو ساتھ لے کر مکہ معظّمہ میں تشریف لے آئے۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت مبارکہ کے دسویں سال شروع ذیقعدہ میں رسول اللہ ﷺ کے عم محترم حضرت ابوطالبؑ کا وصال مبارک ہوا۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جب کہ شعب ابی طالبؑ سے گلوخلاصی ہوئے ابھی صرف آٹھ ماہ اور دس دن کا عرصہ ہوا تھا۔

مواہب اللدنیہ میں ہے کہ اس وقت حضرت ابوطالبؑ کی عمر مبارک ستاسی ۸۷ سال تھی۔ سعید ابن مسیب اپنے باپ مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوطالبؑ کا وقت وصال آیا تو رسولؐ اللہ آپ کے پاس تشریف لائے اور اس وقت عبداللہ ابن امیہ اور ابوجہل بن ہشام بھی وہاں موجود تھے، چنانچہ حضور رسالت مآب ﷺ نے آپ کو ارشاد فرمایا کہ چچا جان! آپ ''لا الہ الا اللہ'' کہہ دیں تاکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں آپ کی گواہی پیش کرسکوں۔

حضور ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو عبداللہ بن امیہ اور ابوجہل نے حضرت ابوطالبؑ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، اے ابوطالبؑ کیا آپ ملت عبدالمطلبؑ کو چھوڑ رہے ہیں؟ حتیٰ کہ انہوں نے آخری کلمہ یہ کہا کہ میں ملت آباء پر ہوں۔

پھر جناب رسول اللہ ﷺ کو آپ کے وصال کی خبر دی گئی تو آپ رونے لگے اور فرمایا کہ ان کو غسل دو اور ان کی تکفین وتدفین کا انتظام کرو، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور ان پر رحم فرمائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا

اور آپ کے لئے استغفار کرنا شروع فرمادیا۔ آپ کو ان کے لئے استغفار کرتے ہوئے دیکھ ابھی چند روز ہی ہوئے تھے کہ جبرئیلؑ امینؑ یہ آیت کریمہ لے کر نازل ہو گئے کہ:

''نبی اور مسلمانوں کے لئے مناسب نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے مغفرت طلب کریں''

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابوطالبؑ کے جنازہ کے ساتھ تشریف لے گئے اور آپ نے فرمایا: چچا جان آپ نے صلۂ رحمی کو ادا فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

کفر چار قسم ہیں، کفر انکار، کفر جحود، کفر نفاق، کفر عناد۔

اور کفر عناد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی دل کو حاصل ہو اور زبان سے اس کا اعتراف بھی کیا جائے مگر نہ تو اس کے طریقہ پر چلے اور نہ ہی منقاد و مطیع ہو کر رہے جیسے کہ کفر ابوطالبؑ معاذ اللہ جیسا کہ آپ کے درج ذیل اشعار سے ظاہر ہے۔

لقد علمت بان دین محمد من خیر ادیان البریته دینا

لولا الملامته اوحذار مسبته لوجدتنی سمحا بذاك بینا

ودعوتنی وعرفت انك ناصحی وقد صدقت وکنت فیه امیناً

(نور الابصار ص ۱۷ مطبوعہ مصر)

اگرچہ علامہ شبلنجی حضرت ابوطالبؑ کے کتم ایمان کو کفر جحود کا نام دیتے ہیں تاہم وہ اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ کو توحید کی معرفت بھی حاصل تھی اور زبان سے اس کا اقرار بھی کرتے تھے اور اسی کا نام ایمان ہے۔

امام ابن حجر مکی اور ایمان ابوطالبؑ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات میں سے مُردوں کو زندہ فرمانا اور ان کے ساتھ گفتگو

فرماتا ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے لئے آپ کے والدین کریمین اور آپ کے عم محترم حضرت ابوطالبؑ کو زندہ فرمایا اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ امام قرطبی نے اپنی کتاب میں یہ روایت بیان کی ہے۔ (النعمۃ الکبریٰ ص ۱۱۹ ابن حجر مکی)

علّامہ اسماعیل حقی صاحب تفسیر روح البیان

یقول الفقیر قد اشبعجا الکلام فی ایمان ابو ی النبی ﷺ وکذا ایمان عمہ ابی طالب وجدہ عبدالمطلب بعد الاحیاء (روح البیان ج ۲ ص ۵۲۲)

فقیر (علامہ اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ مجھے ایسا کلام پہنچا ہے جس میں نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان لانے کے متعلق کلام موجود ہے جیسا کہ آپ کے چچا جناب ابوطالبؑ اور جد امجد جناب عبدالمطلبؑ کے زندہ ہو کر ایمان لانے کے متعلق آیا ہے۔

وَقَدْ جَاءَ فِیْ بعض الروایات ان النبی ﷺ لما عاد من حجۃ الوداع احی اللہ لہ ابویہ وعمہ فآمنوا بہ

(روح البیان ج ۳ ص ۲۱۶)

بے شک بعض روایات میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے موقعہ پر تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے آپ کے والدین اور چچا ابوطالبؑ کو زندہ فرمایا اور وہ آپ پر ایمان لائے۔

امام رازی صاحب تفسیر کبیر

زیر نظر آیت:

انك اعهدی.........المسئلة الاولی ۔ لا دلالة ظاهرها علی

کفر ابی طالب (تفسیر کبیر ج ٦ ص ٣٣٩)

اس آیت میں ظاہر طور پر حضرت ابوطالبؑ کے کفر پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

علّامہ ابن حجر عسقلانی اور کردار ایمان ابوطالبؑ

بخاری شریف کے "باب قصۃ ابی طالب" میں آنے والی حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام ابن حجر عسقلانی رقمطراز ہیں۔

"حضرت ابوطالبؑ کا نام اکثریت کے نزدیک عبد مناف ہے اور کچھ لوگوں نے عمران کہا ہے اور آپ اپنی کنیت ابوطالب" ہی کے نام سے مشہور ہیں، آپ رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی حضرت عبداللہ کے سگے بھائی تھے، جب رسول اللہ ﷺ کے جدامجد حضرت عبدالمطلبؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت ابوطالبؑ کو وصیت فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ کی کفالت تمہارے سپرد کی جاتی ہے چنانچہ حضرت ابوطالب علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی کفالت فرماتے رہے حتیٰ کہ آپ بڑے ہو کر خلعت نبوّت سے سرفراز ہو گئے چنانچہ آپ کی بعثت کے بعد حضرت ابوطالبؑ اپنی وفات کے وقت تک آپ کی نصرت و حمایت کا فریضہ ادا کرتے رہے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے شعب ابی طالب سے آزادی کے بعد انتقال فرمایا اور اس وقت حضور رسالت مآب ﷺ کی بعثت مبارکہ کے دسویں سال کے آخری ایام تھے۔ حضرت ابوطالبؑ رسول اللہ ﷺ سے تمام بلاؤں اور مصیبتوں کو دور رکھتے، اگرچہ آپ اپنی قوم کے دین پر ہی آپ کے ساتھ شعب ابی طالب میں مقیم رہے۔

جیسا کہ ابن مسعود کی روایت میں بیان کیا گیا ہے مگر آپ کا رسول اللہ ﷺ کا حصار بن کر رہنا اور دشمنوں سے مکمل طور پر حفاظت کرنا مشہور و معروف روایات سے ثابت ہے، چنانچہ ان کے اپنے ہی یہ مشہور اشعار اس امر پر شاہد ہیں کہ:

''اے محمدؐ خدا کی قسم جب تک میں مٹی میں دفن ہو کر چھپ نہیں جاتا اس وقت تک یہ تمام کفار مل کر بھی آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے، چنانچہ آپ بلا خوف وخطر اپنا فریضۂ دعوت وتبلیغ جاری رکھیں''۔

اور پھر کفار مکہ کو مخاطب کر کے آپ کا یہ فرمانا کہ بیت اللہ شریف کی قسم تم جھوٹے ہو اور تمہاری کوئی قوت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاذ اللہ قتل نہیں کر سکتی اور نہ ہی انہیں کوئی تکلیف پہنچا سکتی ہے۔

ان اشعار سے پہلے بھی کتاب الاستسقاء میں اس قصیدہ کے کچھ شعر نقل ہوئے ہیں ،اور ابن عباس کی حدیث اس پر شاہد عدل ہے اور پھر امام بخاری نے اس باب میں تین حدیثیں بیان کی ہیں۔

یہی حدیث یحییٰ سے مروی ہے اور وہ سعید قطان ہیں، ان سے پہلے راوی کا نام سفیان ہے اور وہ سفیان ثوری ہیں اور ان پہلے رواى عبدالمالک ہیں اور وہ ابن عمیر ہیں، ان سے پہلے عبداللہ بن حرث ہیں، اور وہ ابن نوفل بن حرث بن عبدالمطلبؑ ہیں، اور حضرت عباس ان کے دادا کے چچا ہیں۔

روایت کا یہ قول کہ'' ما اغنیت عن عمک'' یعنی ابوطالبؑ ''کان یحوطك'' ''حا' پر پیش ہے، اس کا مطلب ہے کہ احاطہ کئے رکھتے تھے اور یہ مراعات پہنچانا یا رعایت دینا ہے اور اس روایت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے جسے ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ حضرت خدیجہؑ الکبریٰ اور حضرت ابوطالبؑ نے یکے بعد دیگرے ایک ہی سال میں ہجرت سے تین برس قبل وفات پائی اور جناب خدیجہؑ الکبریٰ صادق الاسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بمنزلہ وزیر اور مددگار کے تھیں اور انہیں کے گھر میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سکونت پزیر تھے۔

اعتراف مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور ابوطالبؑ کفار مکہ سے آپ کی حفاظت کیا کرتے تھے اور آپ کی نصرت وحمایت

اور امداد و صیانت فرماتے تھے۔

چنانچہ جب حضرت ابوطالبؑ انتقال فرما گئے تو کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو ستانا شروع کر دیا اور اذیتیں دینے لگے اور اس قسم کی حرکاتِ قبیحہ ان لوگوں نے حضرت ابوطالبؑ کی حیاتِ مبارکہ میں کبھی نہیں کی تھیں، حتیٰ کہ ان سفیہان قریش میں سے کچھ لوگوں نے آپ کے سرانور پر مٹی بکھیر دی۔

ہشام بن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا کہ جب تک میرے چچا ابوطالبؑ زندہ رہے، مجھے کفار مکہ کی طرف سے اس قسم کی کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔

زورِ شمشیر

اور روایت کا یہ ٹکڑا کہ "ویغضب لك" یعنی حضرت ابوطالبؑ اپنی قوت گویائی اور بزورِ شمشیر رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کو روکے رکھتے تھے۔

(فتح الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۴۴۹، ابن حجر عسقلانی)

علامہ محمد نووی

صاحب تفسیر نووی اور ایمان ابوطالبؑ

حضرت ابوطالبؑ کے صاحب ایمان ہونے پر جو روایات دلالت کرتی ہیں ان میں وہ روایت بھی شامل ہے جسے اسحاق بن عبداللہ بن الحرث سے بیان کیا ہے۔

حضرت عباس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، کہ آپ ابوطالبؑ کے لئے بھلائی کی امید رکھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

ہاں! میں اپنے رب سے ان کے لئے ہر بھلائی کی امید رکھتا ہوں، اور حضورؐ کی اُمید

یقیناً بر آنے والی ہے اور ہر قسم کی بھلائی کی امید مومن کے سوا کسی کے لئے نہیں ہوتی۔

(تفسیر نووی ج ۲ ص ۱۴۷)

حافظ ابو نعیم اصبہانی اور کردار و ایمان ابو طالبؑ

دلائل النبوۃ کا تعارف:

مخالفین کے نزدیک بھی ثقہ محدث و مفسر اور مورخ حافظ علامہ ابن کثیر تفسیر ابن کثیر میں حضرت علامہ حافظ ابو نعیم اصبہانی کی کتاب دلائل النبوۃ کی ایک روایت نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ یہ روایت حافظ ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں نقل کی ہے اور یہ کتاب جلیل القدر ہے۔ (ابن کثیر مع فتح الباری ج ۳ ص ۲۷۴)

جشن ولادت

حافظ ابو نعیم دلائل النبوۃ میں جو روایات نقل فرماتے ہیں اس کا رواں ترجمہ پیش خدمت ہے:

ہم سے ابو محمد ابن حیان نے حدیث بیان کی کہ کہا مجھ سے ابو عبداللہ عاصمی نے ان سے الغلابی نے ان سے علی بن حکم الجدری نے حدیث بیان کی ،انہوں نے کہا کہ مجھ سے ربیع بن عبداللہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت عبداللہ بن حسن اپنی والدہ مکرمہ سیدہ فاطمہ بنت امام حسنؑ سے روایت کرتے ہیں کہ میری پھوپھی جان سیدہ زینبؑ بنت علیؑ اپنے والد گرامی حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے روایت بیان فرماتی ہیں کہ:

میرے بابا جان حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد گرامی جناب حضرت ابو طالبؑ سے یہ روایت سنی کہ جب سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا

کے گھر نبی اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ ہوئی تو حضرت عبدالمطلبؑ یہ مسرت بار خبر سن کر جناب آمنہ سلام اللہ علیہا کے حجرۂ مقدس میں تشریف لائے، حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جناب سیدہ آمنہؑ نے اپنے دریتیم کو شفیق دادا کے آغوش مبارک میں دیا تو آپ نے میرے والد حضرت ابوطالبؑ کی گود میں دے کر فرمایا کہ میں یہ اپنا جلیل القدر اور عظیم الشان بیٹا تمہارے سپرد کرتا ہوں، تم جا کر ان مسرت آفریں لمحات کی خوشی میں ''صدقہ'' کے لئے اونٹ اور بکریاں ذبح کرو اور تمام مکہ والوں کی تین روز تک دعوت کرو، چنانچہ حضرت ابوطالبؑ نے اپنے والد مکرم سیدنا عبدالمطلبؑ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مکہ معظمہ کے تمام راستوں پر جانور ذبح فرمائے اور مسلسل تین روز تک نہ صرف اہلیان مکہ معظمہ کی ہی دعوت کی بلکہ تمام جانور اور پرندے بھی اس عظیم دعوت سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ (دلائل النبوۃ)

امر کفالت

ایک دفعہ حضور ﷺ اپنے بچپن میں بچوں کے ساتھ کھیلنے کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں بنی مدلج کے کچھ لوگوں نے آپ کی زیارت کی تو انہوں اپنی قوم کو پکار کر کہا کہ اس بچہ کی زیارت کرو، پھر یہ لوگ حضرت عبدالمطلبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے معانقہ کیا، اسی اثناء میں حضور ﷺ بھی وہاں تشریف لا چکے تھے تو ان لوگوں نے آپ کی طرف دیکھ کر جناب عبدالمطلبؑ کی خدمت میں عرض کی کہ یہ آپ کے کون ہیں؟

جناب عبدالمطلبؑ نے ارشاد فرمایا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو ان لوگوں نے عرض کی کہ آپ ان کی حفاظت فرمائیں، یہ آپ کے قوم میں بے مثال اور انتہائی بلند مقام کے مالک ہیں، ان

لوگوں کا یہ مشورہ سنا تو حضرت عبدالمطلبؑ نے حضرت ابوطالبؑ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

بیٹا! تم نے سنا کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں، چنانچہ حضرت ابوطالبؑ آپ کی حفاظت پر مامور ہو گئے۔

فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبدالمطلبؑ کا وصال مبارک ہوا تو رسول اللہ ﷺ حضرت ابوطالبؑ کی آغوش راحت میں آ گئے اس وقت سنِ مبارک آٹھ سال تھا، چنانچہ آپ اسی وقت حضرت ابوطالبؑ کے ساتھ رہنے لگے حالانکہ جناب ابوطالبؑ مالدار نہیں تھے۔

ابوطالبؑ اور انتظارِ رسولؐ:

کہتے ہیں جب حضرت عبدالمطلب وفات پا گئے تو حضرت ابوطالب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی۔ آپ حضرت ابوطالبؑ کے ساتھ ہی رہتے تھے، حضرت ابوطالبؑ دولت مند آدمی نہ تھے عرینہ کے مقام پر آپ کا ایک اونٹوں کا گلہ تھا جس سے آپ کی بسر اوقات ہو رہی تھی آپ جب بھی مکہ میں موجود ہوتے تو وہاں سے دودھ بھی لایا کرتے تھے حضرت ابوطالبؑ جو آپ سے بہت محبت تھی اور وہ آپ پر نہایت ہی مہربان تھے، حضرت ابوطالبؑ کے اہل وعیال جب کبھی اکٹھے یا فرداً فرداً کھانا کھاتے تو سیر نہ ہوتے اور جب رسول کریم ﷺ ان کے ساتھ کھانا کھاتے تو سیر ہو جاتے۔ اور جب بھی کھانے کے لئے دستر خوان بچھایا جاتا تو حضرت ابوطالبؑ اپنے اہل وعیال کو فرماتے تم جیسے بھی ہو رک جاؤ میرا بیٹا ﷺ آ لے پھر کھانا شروع کیا جائے گا، چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ دستر خوان پر تشریف فرما ہو جاتے تو تمام لوگ کھانا شروع کرتے اور آپؐ کی برکت سے سب گھر والوں کے شکم سیر ہو جانے کے باوجود کھانا بچ رہتا اور اگر کھانے میں دودھ ہوتا تو حضرت ابوطالب سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے آپؐ حسب ضرورت دودھ نوش فرما لیتے اور باقی چھوڑ دیتے۔ جناب ابوطالبؑ کے اہل وعیال یکے بعد

دیگرے اسی ایک پیالہ سے سیراب ہوتے رہتے حالانکہ دودھ کا وہ ایک پیالہ ایک آدمی ہی پی سکتا ہے۔ حضرت ابوطالبؑ فرمایا کرتے تھے کہ یہ میرا بیٹا بڑی برکتوں والا ہے۔

کبھی الگ نہیں کروں گا:

جب قریش کا قافلہ شام کے سفر کے لئے تیار ہو چکا اور بار برداری کے اونٹوں پر سامانِ تجارت بار کر دیا گیا تو حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ بھی اپنے اونٹوں کو جمع کرنے کے لئے تشریف لے گئے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کا انتظار کرنے لگے کہ کیا وہ مجھے ساتھ لاتے ہیں یا نہیں۔

حضرت ابوطالبؓ آپ کی یہ حالت دیکھ کر پسیج گئے اور کہنے لگے کہ کیا آپؐ میرے ساتھ جانا چاہتے ہیں، پھر حضرت ابوطالب نے آپ کے دیگر چچاؤں اور پھوپھیوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ اس بچے کو ساتھ نہ لے جائیں اسے تو سبزہ زار اور آفت زدہ علاقے جانتے ہیں اس مشورہ کے بعد حضرت ابوطالب واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رو رہے ہیں ابوطالب نے پوچھا میرے بیٹے کیا بات ہے؟ شاید آپ اس لئے رونے لگے ہیں کہ میں آپ کو پیچھے چھوڑ کر جا رہا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ہاں چچا جان یہی بات ہے تو حضرت ابوطالب نے فرمایا اے میرے بیٹے میں کبھی آپ کو الگ نہیں کروں گا۔

شام سے واپسی اور شباب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

حضرت ابوطالب اس خوف سے کہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں نہایت تیزی کے ساتھ آپ کو ساتھ لے کر شام سے واپس تشریف لے آئے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطالبؑ کی کفالت و معیت میں ہی شباب کی منزلوں کو طے فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کی بزرگی کو آپ کی قوم پر نمایاں کرنا چاہتا تھا۔

آپ سنِ بلوغ کو پہنچے تو پوری قوم میں سب سے زیادہ حسین و جمیل، جواد و سخی، بزرگ و

برتر، خلیق وحلیم بن کر جلوہ افروز ہوئے آپ کی گفتگو انتہائی دلآویز ہوتی اور تمام لوگوں نے آپ کے امین و صادق ہونے پر اتفاق کر لیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام نیک امور کو آپ کی ذات میں جمع فرما دیا۔ مکہ معظمہ میں آپ کا مشہور نام امین تھا۔

صرف ایک بات:

تاجدارِ انبیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے فراق میں اشکباری کرنا اور حضرت ابوطالب کا یہ جملہ کہ میں آپ کو کبھی علیحدہ نہیں کروں گا، مشیت ایزدی کی کن لطافتوں اور پوشیدہ حکمتوں کو ظاہر کرتا ہے اور اہل محبت کے لئے انتہائی غور طلب نکتہ ہے۔

بہر حال جلیل القدر محدث اور حافظِ حدیث ابونعیم کی تالیف دلائل النبوۃ پر پیشوائے وہابیہ حافظ ابن کثیر کا تبصرہ اور اس کتاب کے چند اقتباسات آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے اثبات ایمان پر دوسری کوئی ایک دلیل بھی مزید نہ ہوتی تو محض یہی عبارات ان کے ایمان کی مضبوط ترین دلیل ثابت ہو سکتی ہیں۔

تاجدارِ انبیا سرورِ کون و مکاں، رحمۃ للعالمین حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ جناب ابوطالب کی وابستگی آپ کی ولادت مبارکہ کے وقت سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔

علامہ قاضی دحلان مکی اور ایمان ابوطالب

علامہ قاضی دحلان مکی کی کتاب ''اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب'' سے چیدہ چیدہ اقتباسات ملاحظہ ہوں:

کیوں ایمان چھپایا تھا:

اسی قبیل سے جناب ابوطالب کا اتباع ظاہر سے رکنا ہے کیونکہ آپ کو اپنے بھائی کے

بیٹے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی حمایت ونصرت کرتے تھے کو تکلیف پہنچنے کا ڈر تھا، چنانچہ آپ ایمان کو پوشیدہ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی امانت یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آنے والے مصائب اور اذیتوں کو دور کرتے رہتے اور کفار قریش محض جناب ابوطالب کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف اور اذیت دینے سے باز رہتے تھے۔

اور قریش کی سرداری کا عہدہ حضرت عبدالمطلب کے بعد حضرت ابوطالب کے لئے ہی مخصوص ہوا تھا اور انہی کا حکم چلتا تھا اور ان کی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ حمایت قابل قبول تھی کیونکہ وہ لوگ جانتے تھے کہ ابوطالب ان کی ملت اور ان کے دین پر ہیں۔

اور اگر انہیں یہ معلوم ہو جاتا کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں تو وہ لوگ آپ کی حمایت ونصرت کو ہرگز قبول نہ کرتے بلکہ وہ لوگ مقاطعہ کرتے اور ایذا دیتے اور اذیت ناکیوں کا سلسلہ شروع کر دیتے جو اکثر انہوں نے حضرت ابوطالب کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ روا رکھا۔

خطبہ توحید

علاوہ ازیں آپ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب خدیجہؑ کے نکاح مبارک کے موقع پر پڑھے جانے والے جناب ابوطالب علیہ السلام کے اس خطبہ مبارکہ کو بھی ان کے مومن اور توحید پرست ہونے پر شاہد عدل قرار دیتے ہیں جس کا ایک ایک لفظ اب بھی ہر صاحب علم کے لئے ایمان کی کھلی ہوئی کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔

ہمیشہ ساتھ دوں گا

نیز بخاری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عقیل ابن ابی طالبؑ سے روایت ہے کہ جب کفار قریش نے حضرت ابوطالبؑ سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ سے باز

رکھیں ورنہ ہم لڑائی جھگڑے پر مجبور ہو جائیں گے اور یہ بات حضرت ابوطالبؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوش گزار کرتے ہوئے سنگینی حالات کی وضاحت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چچا جان اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لاکر رکھ دیں تو تب بھی میں دعوت الی الحق سے باز نہیں رہ سکتا۔ حتیٰ کہ میرا وصال ہو جائے اور اگر آپ بھی میرا ساتھ چھوڑ نا چاہیں تو آپ کو اس کا اختیار ہے اور اس کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

حضرت ابوطالبؑ نے سرکار دوعالم کا یہ عزم صمیم اور اشک آلودہ آنکھیں دیکھیں تو تڑپ کر رہ گئے اور عرض کیا کہ اے ابن اخی! آپ کا جو جی چاہتا ہے کیجیے، خدا کی قسم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آپ کے ساتھ دوں گا اور پھر قریش کو فرمایا خدا کی قسم! میرے بھائی کے بیٹے نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

حلف وفاداری، اصل ایمان

احمد ابن زین دحلان مکی یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ غور کریں اور دیکھیں کہ حضرت ابوطالبؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی صداقت پر مہر لگاتے ہوئے آپ کی ذات اقدس سے کذب کے صدور کی مکمل طور پر نفی فرمارہے ہیں اور آپ کے ساتھ کامل وابستگی کا اس وقت بھی عہد کر رہے ہیں جب کفار قریش آمادہ پیکار ہونے کا چیلنج دے رہے تھے۔

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایمان ہے۔

کبھی جھوٹ نہیں بولا

بعد ازاں دحلان مکی فرماتے ہیں: "اور اس طرف بھی غور کریں کہ ابوطالبؑ نے اس وقت بارگاہ رسالت مآب میں یہ عرض کی تھی، کفار مکہ کا گمان ہے کہ وہ آپ کو ایذا دیں گے اور آپ نے مطلق طور پر یہ نہیں فرمایا کہ وہ آپ کو ایذا دے ہی لیں گے بلکہ فرمایا کہیں یہ لوگ آپ کو ایذا

نہ پہنچادیں جیسا کہ وہ گمان رکھتے ہیں کہ ہم انہیں تکلیف پہنچائیں گے، اس جملہ کو اس صورت میں ادا کرنے سے جناب ابوطالبؑ کا واضح ترین مطلب یہ ہے کہ یہ کفار کا اپنا گمان ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایسی کوئی بات نہیں کہ آپ کو کوئی گزند پہنچے۔

اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطالبؑ کو فرمایا کہ مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کام پر مامور فرمایا ہے تو جناب ابوطالبؑ کو آپ کے اس فرمان پر اس طرح یقین تھا جیسے تم طلوع آفتاب کو دیکھ کر اس کی تصدیق اور اس کے خلاف کی نفی کرو، اور حضرت ابوطالبؑ نے کفار کو فرمایا تھا:

''واللہ ما کذب ابن اخی قط'' یعنی ''اللہ کی قسم میرے بھائی کے بیٹے نے کبھی جھوٹ نہیں بولا'' یہی تو تصدیقِ رسالت ہے، بے شک حضرت ابوطالبؑ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث بیان کی ہیں، چنانچہ ان کے کلمات ان کے ایمان پر اور ان کے دل پر تصور توحید کی موجودگی پر صریح دلیل ہیں۔

روایات ابوطالبؑ

اور بے شک ابوطالبؑ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرنا بھی ثابت ہے اور ان روایات میں ایک روایت صاحب سیرت حلبیہ نے اس طرح نقل فرمائی ہے کہ:

حضرت ابوطالبؑ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں صلۂ رحمی کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ وحدہٗ لا شریک کی عبادت کرو اور اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو۔

دوسری روایت میں حضرت ابوطالبؑ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی کے بیٹے کا یہ ارشاد سنا کہ شکر کرنے سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے اور کفر کرنے سے عذاب حاصل ہوتا ہے۔

خطیب بغدادی نے اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ۔

سیدنا امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے والد گرامی امام محمد باقر علیہ السلام انہوں نے اپنے والد محترم جناب امام زین العابدین علیہ السلام سے انہوں نے اپنے والد معظم حضرت سیّد الشہدا امام حسین علیہ السلام سے انہوں نے اپنے والد گرامی سیدنا ابوطالبؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ خدا کی قسم محمد ابن اخی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے ہیں۔

امام یوسف بن اسمٰعیل نبھانی

و مضیٰ راشد و اسمع العباس قولا به یکون النجاء

اَلْقَوْلَ الَّذِیْ اِسْمَعَهٗ لِلْعَبَّاسِ هُوَ شَهَادَةُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ النَّجَاءُ الْاِخْلَاصُ وَلِلْعَلَّامَةُ السَّیِّدِ اَحْمَدِ دَحْلَانَ مُفْتِیِ الْمَكَّةَ الْمَشَرَّفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ رَسَالَةَ سَمَّاهَا اَسْنَی الْمَطَالِبِ فِیْ نَجَاةِ اَبِیْ طَالِبِ اَشْبَعَ فِیْهَا الْكَلَامِ وَ هِیَ مَطْبُوْعَةٌ۔ (طیبة الغراء۔ ص۲۷، مطبوعه مصر)

کہ میں (عباس) نے ابوطالبؓ کو "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھتے ہوئے سنا ہے اوران کی نجات اور خلاصی ہوگئی ہے۔

اور علامہ سید احمد دحلان مکہ مشرفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے جس کا نام "اَسْنٰی الْمَطَالِبِ فِیْ نَجَاةِ اَبِیْ طَالِب" ہے اوراس میں یہ کلام ظاہر ہے اور وہ رسالہ مطبوعہ ہے۔

حافظ محمد برخوردار محشی نبراس اور ایمان ابوطالب

احناف کے نزدیک مستند کتاب شرح عقائد کی شرح نبراس میں علامہ عبدالعزیز فرہاروی رقمطراز ہیں کہ "میرے نزدیک شاعر کا یہاں مقصد صرف یہ ہے کہ اصلِ دین تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ہے۔ جو آدم علیہ السلام تک کرم بن کرام کی اولاد ہیں"۔

میں کہتا ہوں کہ "العصام" کا اشارا اس حدیث کی طرف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرما رکھا ہے کہ ہم ہمیشہ پاک اور طاہر اصلاب سے طیب و مطہر ارحام کی طرف منتقل ہوتے رہے ہیں۔

یہاں اس پر بھی غور کریں کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد اور امہات علیہم السلام جناب آدم اور حوا علیہا السلام تک تمام تر مومن ہیں اور ان میں کوئی بھی ہرگز ہرگز کافر نہیں۔

اور اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عم محترم ابوطالب کا ایمان دار ہونا بھی واضح اور ظاہر ہے، کیونکہ آپ نے ابوجہل اور ابن امیہ وغیرہ کی انگیخت کے باوجود آخر پر جو کلمہ کہا وہ یہ تھا کہ میں ملت عبدالمطلب پر فوت ہو رہا ہوں جیسا کہ بخاری کی روایت میں موجود ہے، چونکہ حضرت عبدالمطلب عقیدہ توحید پر تھے اور یہی حق ہے جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی علامہ مکّی، امام شعرانی، اور امام قرطبی رضی اللہ عنہم اور اہل کشف اس کے مقر ہیں اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی شاہد عدل اور حجت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ابوطالب کو میری شفاعت نفع دے گی جب کہ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کفار ومشرکین کو کسی سفارشی کی شفاعت نفع نہیں دے گی اور حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میری شفاعت اہل کبائر کے لئے ہے کفار مشرکین کے لئے نہیں۔ چنانچہ حضرت ابوطالب کے ایمان کے اس مسئلہ میں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد اور والدین کریمین کے

بارے میں، میں نے دو رسالے تصنیف کئے ہیں۔

پہلے رسالے کا نام ہے: ”قول الحلی فی نجات عم النبی ابی العلی“

اور دوسرے رسالے کا نام ”ارشاد النبی الی اسلام آباء النبی“ ہے اور ان ہر دو رسائل میں تحقیق عجیب ہے۔ انتہی

قصیدہ در شان ابی طالب رضی اللہ عنہ

از حضرت قاضی دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ

اِنَّ الْقُلُوبَ لَتَبْکِیْ حِیْنَ تَسْمَعُ مَا ... اَبْدیٰ اَبُوْطَالِبٍ فِیْ حَقِّ مَنْ عَظَمَا

فَاِنْ یَکُنْ اَجْمَعَ اَلْاَعْلَامُ اَنَّ لَہٗ ... نَاراً فَلِلّٰہِ کُلُّ الْکَوْنِ یَفْعَلُ مَا

اَمَّا اِذَا اخْتَلَفُوْ افَالرَّائ نردا ... مَوَارِدٌ یَرْتَضِیْھَا عَقْلُ مَنْ سَلَمَا

تَتَابِعُ الْمُثْبِتِی الْاِیْمَانِ مِنْ زُمَرٍ ... فِیْ مُعْظَمِ الدِّیْنِ تَابَعْنَاھُمْ فَکَمَا

وَھُمْ عُدُوْلُ خِیَارٍ فِیْ مَقَاصِدِھِمْ ... فَلَانَقُلْ اَنَّھُمْ لَنْ یَبْلُغُوْ اعْظَمَا

لَاتَزْدَرِیْھِمْ اَتَدْرِیْ مَنْ ھُمْ فَھُمْ ... ھُمْ عُمْرِیْ الدِّیْنِ قَدْ اَضْحَوْبِہٖ زُعَمَا

ھُمُ السَّیُوْطِیْ وَالسَّبکی مَعَ نَفَرٍ ... کَعِدَّۃِ النُّقَبَاءِ حُفَّاظٍ اَھْلِ حِمَا

وَاَھْلُ کَشْفٍ شُعَرَاء نیھِمْ وَکَذَا ... اَلْقُرْطُبِیْ وَالسُّحَیْمِیْ وَالْجَمِیْعُ کَمَا

ترجمہ اشعار علامہ دحلان مکی

حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں یہ سن کر (کہ وہ آگ میں ہیں) دل رونے لگتا ہے۔ حالانکہ انہوں نے عظیم شخصیت کے حق میں اظہار کیا ہے۔

اگر تمام شخصیتیں اس بات پر اجماع کرلیتیں کہ جناب ابوطالب کے لئے سزا نار ہے تو اللہ تعالیٰ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جو چاہے کرلے کیونکہ تمام

کائنات اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

جب ہم دیکھتے کہ اس معاملہ میں اختلاف ہے۔ تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ایسے مقامات کی تحقیق کریں جن کو عقل سلیم پسند کرے

ہم اس زمرے کی متابعت کرتے ہیں جو آپ کا ایمان ثابت کرتے ہیں ہم دین کے ایک بڑے معاملہ میں ان لوگوں کی تابعداری کرتے ہیں۔ جیسا کہ دوسرے امور میں وہ صاحب عدل ہیں اپنے مقاصد میں نیک ہیں۔ پس ہم نہیں کہتے کہ وہ عظمت کو نہیں پہنچے۔ ان کی ذات پر کوئی عیب نہیں لگایا جا سکتا۔

تو کیا جانتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں ''وہ دین کے سردار ہیں'' اور ''زعیم ملت ہیں''، جن میں امام جلال الدین سیوطی، امام سبکی اور دین کے بہت بڑے حافظ اور نقیب ہیں اور ان میں اہل کشف بھی ہیں۔ جیسے کہ شعرانی، قرطبی، سحیمی اور اس قسم کے بہت سے لوگ ہیں۔

قصیدہ بحضور ابی طالب رضی اللہ عنہ

وفات ابی طالب و مناقبہ

امام نبہانی

واتی عمه الحميم حمام مالحی من الحمام احتماء

كان ترسا يقيه عاديته الاعدا راساتها به الرؤساء

مستقيما على الولاء و علاضلاع منه على الحنوا نحناء

قلدءى صدقه بمراة قلب صتعلتها رويته وارتياء

غیران الحنفاء کان مفیدا ربما یجلب الظهور الحنفاء
مدح المصطفیٰ ینظم ونثر کم له فیه مدحته غراء
ولدی الاحتضار اصفی قریش خیر نصح فلم یکن اصنعاء
اوضح الحق فی کلام طویل کان فی قلبه علیه انطواء
ومضی راشدا و اسمع العباس قولا به یکون النجاء
فاستمرت علی العناد قریش مالدیها رعایته و ارعواء
وبموت الشیخ المهیب استطاعت باذاه و زاد منها البذاء

ترجمہ اشعار علامہ نبہانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت وحمایت فرمانے والے چچا حضرت ابوطالب کو بھی موت آ گئی، کیونکہ کوئی زندہ انسان موت سے نہیں بچ سکتا۔

جناب ابوطالب حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے دشمنوں سے حفاظت کرنے والی ڈھال تھے اور قوم کے ایسے سردار تھے جن سے تمام سردار ڈرتے تھے۔

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وقرابت پر مضبوطی کے ساتھ قائم تھے اور آپ کی ہر تکلیف پر غم زدہ اور طویل خاطر ہو جاتے تھے۔

آپ نے اپنے دل کے آیئنہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کا مشاہدہ کرلیا تھا اس آیئنہ دل میں جس کو عقل اور فراست نے صیقل کر رکھا تھا۔ البتہ ان کا اپنے ایمان کے معاملہ کو پوشیدہ رکھنا ظاہر کرنے سے زیادہ سود مند اور مفید تھا کیونکہ بعض اوقات ظاہر کرنے سے چھپالینا بہتر اثرات مرتب کرتا ہے۔

جناب ابوطالب نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وستائش نظم میں بھی کی اور نثر میں بھی اور آپؐ کے بے شمار روشن نعتیہ قصیدے لکھے۔

آپ نے اپنے وصال کے وقت قریش کو اچھی اچھی نصیحتیں کیں، اگرچہ انہوں نے کان نہ دھرا، جناب ابوطالب نے اپنے اس وصیت نامے سے طویل کلام میں اس حق کو ظاہر فرمایا جو ان کے دل میں موجود تھا اور وہ دنیا سے ہدایت یافتہ گئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وہ بات بتادی جس پر ان کی نجات کا دارومدار تھا۔

لیکن قریش نے اپنا عناد جاری رکھا، کیونکہ ان کی طبیعتوں میں رعائت اور لچک تھی ہی نہیں چنانچہ اس صاحب ہیبت وجلال بزرگ کے وصال کے بعد ان کی بیہودگی اور ایذاءرسانی میں اضافہ ہوگیا۔

حضرت ابوطالب نے جو بات اپنے احتضار کے وقت حضرت عباسؓ کو سنائی وہ "لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی گواہی تھی اور نجات کا معنی خلاصی ہے۔

مورّخ اسلام علامہ شبلی

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابوطالبؓ کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباسؓ نے (جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے) کان لگا کر سنا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ نے جس کلمہ کے لئے کہا تھا ابوطالبؓ وہی کہہ رہے ہیں۔ اس بنا پر ابوطالبؓ کے اسلام میں اختلاف ہے۔

چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہے۔ اس لئے محدثین زیادہ ان کے کفر کے قائل ہی نظر آتے ہیں۔ لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابل

حجت نہیں، کہ اخیر راوی مسیّب ہیں جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابوطالبؑ کی وفات کے وقت موجود نہ تھے۔ اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔ کہ روایت مرسل ہے۔

ابن اسحاق کے سلسلہ رُوایت میں عباس بن عبداللہ بن معبد اور حضرت عبداللہ بن عباس ہیں یہ دونوں ثقہ ہیں۔لیکن درمیان کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیا ہے۔اس بنا پر دونوں روایتوں کے درجہ اسناد میں چنداں فرق نہیں۔

ابوطالبؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جو جاں نثاریاں کیں اس سے کون انکار کرسکتا ہے۔وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے۔آپ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا۔آپ کی خاطر محصور ہوئے ،فاقے اٹھائے شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس تک آب ودانہ بندر ہا۔کیا یہ محبت، یہ جوش، یہ جان نثاریاں سب ضائع جائیں گی۔

علامہ محمد سلیمان حنفی قندوزی اور ایمان ابوطالبؑ

علامہ ابن جاحظ اپنی مشہور زمانہ تالیف البیان میں اور مفتی قسطنطنیہ علامہ محمد سلیمان حنفی القندوزی اپنی کتاب ینابیع المودۃ میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کے متعلق رقمطراز ہیں کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حامی اور مدگار تھے اور آپ سے شدید محبت کرتے تھے اور آپ کے کفیل ومُربّی تھے اور آپ کی نبوت کا اقرار کرتے تھے اور آپ کی رسالت کے معترف تھے اور اس سلسلہ میں انہوں نے بے شمار شعر کہے ہیں اور آپ قریش کے سردار تھے۔

ماحصل:۔

قارئین کرام نے راقم الحروف کی اس تحقیقی تالیف کے آئینے میں جان لیا ہوگا کہ

حضرت ابوطالب علیہ السلام نے اپنے منصب کے ذریعے ملنے والی الٰہی ذمہ داریوں کو کس حُسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا اور اپنے منصب کا تقیہ کر کے ایثار وقربانی اور اطاعت وفرمانبرداری کا اہم ترین کام کیا اور اس کے تحت حفاظتِ رسولؐ کی ذمہ داریاں پوری کیں اور اپنے صاحب منصب ہونے کے ساتھ ساتھ شریکِ کارِ رسولؐ ہونے کا منصب بھی ادا کیا۔ اس تحقیقی تالیف کو پڑھنے کے بعد فیصلہ کرنا آسان ہو جائے گا کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نبی تھے، وصی تھے یا امام تھے؟

والسّلام

بندۂ شاہِ ولایت

ماجد رضا عابدی

یکم ذوالحجہ ۔ ۱۴۳۲ھ

28-10-2011

کراچی

کتابیات

گلدستہ (خصائصِ نسائی)---------- --- ڈاکٹر ندیم الحسن

گلدستہ (صحیح بخاری)----------- --- ڈاکٹر ندیم الحسن

ریاض الانساب------------- --- سیّد مقصود نقوی

عقائد امامیہ--------------- --- آیت اللہ جعفر سبحانی

شیعہ مذہب کے اصول دین (جلد دوم)--- --- مولانا ابو علی شاہ زیدی

اسلامی عقائد قرآن کی روشنی میں------- --- علامہ مرتضیٰ عسکری

تفسیر نور الثقلین (جلد اول)--------- --- شیخ عبد علی الحویزی

تفسیر نور الثقلین (جلد دوم)--------- --- شیخ عبد علی الحویزی

تفسیر نور الثقلین (جلد چہارم)-------- --- شیخ عبد علی الحویزی

تفسیر نور الثقلین (جلد ششم)-------- --- شیخ عبد علی الحویزی

تفسیر نور الثقلین (جلد ہفتم)-------- --- شیخ عبد علی الحویزی

تاریخ احمدی--------------- --- نواب صاحب آف پریانوال

اثبات امامت--------------- --- علامہ مجلسی (ترجمہ بشارت حسین کامل)

شجرۂ سادات موانہ------------ --- سید ارشاد علی

رسالہ خیر العمل-------------- (مئی جون ۱۹۸۰ء)

الاخبار الطوال--------------- --- ابوحنیفہ الدّینوری

اسلام، یہودیت اور عیسائیت--------- --- اعجاز حسین ترمذی

تاریخ اسلام--------------- --- علامہ بشیر انصاری

سوانح حضورؐ--------------- --- ذکی امروہوی

غایۃ المرام (تحفۃ الانام)---------- --- علامہ ہاشم بحرانی (ترجمہ محمد حسن جعفری)

لوائح الاحزان (جلد دوم)---------- --- مولوی سیّد محمد مہدی

صحیحین کا مطالعہ------------- --- محمد صادق نجمی (ترجمہ منیر خان)

اصولِ کافی---------------- --- شیخ یعقوب کلینی (ترجمہ مولانا ظفر حسن)

ہمارے عقائد ہماری تاریخ---------- --- علی حسین رضوی

تاریخ انوار السادات------------ --- سیّد ظفریاب حسین ترمذی

قصص الانبیا--------------- --- علامہ مجلسی (ترجمہ بشارت حسین کامل)

سوانح عبدالمطلبؑ------------- --- ناشر امامیہ مشن پاکستان

مدّاح رسولؐ ابوطالبؑ------------ --- علی حسنین شیفتہ

دیوانِ حضرت ابوطالبؑ----------- --- مرتبہ۔علامہ رضی جعفر نقوی

ابوطالبؑ مومن قریش------------ --- علامہ عبداللہ الخنیزی

(ترجمہ علامہ حیدر جوادی)

ابوطالبؑ تجلّی ایمان------------- --- علامہ سیّد مجید پور طباطبائی

(ترجمہ علامہ سجاد حسین ہمدانی)

عیون المطالب فی اثبات ایمان ابوطالبؑ (جلد اوّل) --- علامہ صائم چشتی

عیون المطالب فی اثبات ایمان ابوطالبؑ (جلد دوم) --- علامہ صائم چشتی

اسنٰی المطالب فی نجاتِ ابوطالب------- --- قاضی دحلان مکّی (ترجمہ علامہ صائم چشتی)

رسالہ معارف اسلام--------------- --- (علیؑ و فاطمہؑ نمبر)

دینِ آباؤ اجدادِ رسولؐ--------------- --- ارتضیٰ بن رضا نواز پوری

حضرت عبدالمطلبؑ ابن حضرت ہاشمؑ------- --- سیّد جاوید حسن رضوی

المصطفیٰؐ------------------- --- ایم اے شاہد

شجرۂ رسولِ مقبولؐ--------------- --- رحیم دہلوی

محسنِ اسلام حضرت ابوطالبؑ---------- --- سید علی اکبر رضوی

صحیح بخاری (جلد اول)------------- --- ترجمہ علّامہ وحیدالزّمان

صحیح بخاری (جلد دوم)------------- --- ترجمہ علّامہ وحیدالزّمان

صحیح مسلم (جلد اوّل)------------- --- ترجمہ علّامہ وحیدالزّمان

بحار الانوار (جلد ۱۵)-------------- --- علّامہ مجلسی

حیات القلوب------------------- --- علّامہ مجلسی

قرآن و حدیث کی روشنی میں مقامِ ابوطالبؑ --- ڈاکٹر عزیز علی

مرثیہ: درحال ابوطالب علیہ السلام

ماجد رضا عابدی

نبیؐ پہ حق کی مسلسل نظر ابوطالبؑ
ظہورِ ختمِ رسل کی خبر ابوطالبؑ
ثمر ہے نسلِ محمدؐ شجر ابوطالبؑ
ہر ایک شام کی روشن سحر ابوطالبؑ

انھی کا گھر تو ہے مقصود وحی وقرآں کا
سلام اس پہ جو ہے باپ کلِّ ایماں کا

زمانہ سوچے جو خود ہو پیمبری کی سپر
وہ جس کی گود میں پائیں سکون پیغمبرؐ
پڑھا نبیؐ نے تو کلمہ انھی کا شام وسحر
بڑا ہی زور ہے ان کے نہ کلمہ پڑھنے پر

تو دشمنوں سے کہو یہ ذہین کہتے ہیں
سمجھ لو کلمہ نہ پڑھنے کو دین کہتے ہیں

جنہوں نے لوٹا محمدؐ کا گھر پڑھا کلمہ
دِکھایا خُون کا اپنے اثر پڑھا کلمہ
جلا کے فاطمہ زہراؑ کا در پڑھا کلمہ
دُکھایا قلب نبیؐ اور اگر پڑھا کلمہ

جبینیں ہنستی ہیں تقدیر کے بگڑنے پر
ہو دور سے ہی سلام ایسے کلمہ پڑھنے پر

سلام محسنِ اسلام اے ابوطالبؑ
ہیں آپ منزلِ الہام اے ابوطالبؑ
ہے دیں کے لب پہ بھی اک نام اے ابوطالبؑ
علیؑ ہیں آپ کا انعام اے ابوطالبؑ

نہ خون آپ کا گر شاملِ قضا ہوتا
خدا ہی جانے تو پھر کربلا میں کیا ہوتا

بڑا سہارا دیا آپ نے پیمبرؐ کو
حفاظتِ نبوی میں لٹا دیا گھر کو
کبھی لِٹایا نشستِ نبیؐ پہ حیدرؑ کو
کبھی عقیلؑ کو طالبؑ کو اور جعفرؑ کو

وہ جس نے دین پہ دولت ہر اک لٹا دی ہے
تو اس کو بدلے میں امت نے کربلا دی ہے

ہے حلقِ اصغرؑ مضطر میں خون عمران کا
کلیجۂ علی اکبرؑ میں خون عمران کا
بُریدہ بازوئے سرورؑ میں خون عمران کا
رواں ہے قاسمِ شبرؑ میں خون عمران کا

بہ نوکِ نیزہ یہ کس کے لبوں پہ قرآں ہے
زمانہ غور سے دیکھے یہ آل عمراں ہے

زمانے سے ابوطالبؑ کا جب سفر ٹھہرا
بلایا اپنے بھتیجے کو اور پیار کیا
علیؑ کا ہاتھ محمدؐ کے ہاتھ پر رکھا
بسا کے آنکھوں سے آنسو پکارے اے بیٹا

پڑے جو وقت تو گھر بار بھی لٹا دینا
لہو بھی ان کے پسینے پہ تم بہا دینا

یہ بات اپنی تم اولاد کو بتا دینا
کہ ان کے دین پہ ہستی کو بھی مٹا دینا
گِلا نہ کرنا کوئی اور گلا کٹا دینا
جو سایہ مانگے تو بہنوں کی تم ردا دینا

جھکا کے سر رَسن و دار سے گذر جانا
حرم ہوں ساتھ تو بازار سے گذر جانا

نبیؐ کو پیار کیا اور انتقال ہوا
یہ حال دیکھ کے اولاد کو ملال ہوا
خدا کا شیر غم و رنج سے نڈھال ہوا
لپٹ کے لاش سے احمدؐ کا غیر حال ہوا

چچا کے غم میں وہ بے جان ایسے ہوتے تھے
حسینؑ لاشۂ اکبرؑ پہ جیسے روتے تھے

چچا کی لاش پہ احمدؐ پکارے اے عمّو
تمھارے غم میں جو بہتے ہیں آنکھ سے آنسو
یہ اشکِ غم نہیں یہ ہے میرے جگر کا لہو
کہ ہوگا کرب و بلا میں اسی لہو سے وضو

تمھارا پوتا اسی خون میں نہائے گا
بروزِ حشر وہ اُمت کو بخشوائے گا

چچا کی لاش سے لپٹے تھے جیسے پیغمبرؐ
یوں لپٹے لاشۂ عباسؑ سے علی اکبرؑ
کنارِ نہر گرے تھے جو بازو کٹ کٹ کر
اٹھاتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے سرورؑ

وہ خون روتے ہوئے تھام کر کمر پہنچے
مع پدر علی اکبرؑ بھی لاش پر پہنچے

چچا کی لاش پہ اکبرؑ پکارے اے عمو!
ہیں انتظار میں زینبؑ تمھارے اے عمو!
سکینہؑ کہتی ہے کس جا سدھارے اے عمو!
اے بی بی زہراؑ کی آنکھوں کے تارے اے عمو!

جو تم بھی چل بسے بے حال بی بیاں ہونگی
کہ ننگے سر ابوطالبؑ کی پوتیاں ہونگی

جہانِ زیست سے عباسؑ رشتہ توڑ چلے
وصیّتِ ابوطالبؑ کو پورا کر کے گئے
بہایا دینِ محمدؐ پہ اپنا خوں جس نے
اسی کے دادا کا یوم وفات آیا ہے

علیؑ کا حقِ نمک یوں ادا کرو ماجدؔ
کہ ان کے باپ کے غم میں بُکا کرو ماجدؔ